نماز تراویح اوران کی شرعی حیثیت

تراویح اور ماہ رمضان کی فضیلت:

سوال: تراویح اور ماہ رمضان کی فضیلت بیان فرمایئے؟

الجواب

یہ جوگمان کیا جاتا ہے کہ تراویح کے بارے میں یہ حدیث صحیح وارد ہے کہ!

''ما کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علٰی إحدٰی عشرۃ رکعۃ''. (۱) (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔)

ایسا ہی یہ بھی احادیث صحیحہ ہیں کہ!

قالت عائشۃ رضی اللّٰہ عنہا: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یجتھد فی العشر الأواخر مالا یجتھد فی غیرہ. {رواہ مسلم}

وعنھا قالت: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان إذا دخل العشر أحی اللیل وأیقظ أھلہ وجد وشد المئزر. {رواہ البخاری ومسلم}(۲)

سمعت نعمان ابن بشیر علٰی منبر حمص یقول: قمنا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ فی شھر رمضان لیلۃ ثلاث وعشرین إلٰی ثلث اللیل الأول ثم قمنا معہ لیلۃ خمس وعشرین إلٰی نصف اللیل ثم قمنا معہ لیلۃ سبع وعشرین حتٰی ظننا أن لا ندرک الفلاح وکانوا یسمونہ السحور. (۳)

(یعنی: فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محنت فرماتے تھے عبادت میں رمضان میں، اس قدر زیادہ کہ اس قدر محنت عبادت میں رمضان کے سوا دوسرے مہینے میں نہ فرماتے تھے۔ {روایت کی اس حدیث کو مسلم نے})

(اور یہ بھی روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ جب عشرہ اخیر رمضان المبارک کا ہوتا تھا تو اس میں آنحضرت

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب التھجد، باب قیام النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ: ۱۵٤/۱، رقم الحدیث: ۱۱۳٦، مکتبۃ أشرفیۃ دیوبند، انیس

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الإعتکاف، باب الاجتھاد فی العشر الأواخر من شھر رمضان: ۳۷۲/۱، مکتبۃ البدر دیوبند، انیس

(۳) سنن النسائی، کتاب قیام اللیل وتطوع النھار، باب قیام شھر رمضان: ۱۸۲/۱-۱۸۳، أشرفیۃ دیوبند، انیس

صلی اللہ علیہ وسلم زندہ کرتے تھے رات کو؛ یعنی زیادہ شب بیداری عبادت میں فرماتے تھے اوراپنے اہل کو جگاتے اور عبادت میں نہایت محنت کرتے تھے اور ازار باندھ لیتے تھے؛ یعنی اعتکاف کی وجہ سے وطی سے پرہیز فرماتے تھے۔{روایت کی اس حدیث کو بخاری اور مسلم وابوداؤداورنسائی نے})

(اور روایت ہے نعمان بن بشیر سے کہ کہا انہوں نے کہ کھڑے ہوئے ہم لوگ نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ماہ رمضان میں تئیسویں رات کوشروع رات میں تہائی رات تک، پھر کھڑے ہوئے ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں ستائیسویں رات کواس قدر دیر تک کہ ہم لوگوں نے گمان کیا کہ ہم لوگ فلاح؛ یعنی سحری آج نہ کھائیں گے۔{یہ ترجمہ حدیث مذکور کا ہے})

اوران احادیث سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ رمضان شریف میں دوسرے مہینوں سے زیادہ نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے، باعتبار رکعات کے بھی زیادہ نماز پڑھتے تھے اور باعتبار خشوع وخضوع کے بھی زیادہ دیر میں نماز پڑھتے تھے اور نماز میں قرات بھی زیادہ کرتے تھے اوران احادیث کے قبل جو روایت مذکور ہوئی ہے، اس سے بظاہر گمان ہوتا ہے کہ رمضان شریف میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے مہینوں سے زیادہ نماز نہ پڑھتے تھے تو ان احادیث میں اوراس سابق روایت میں تطبیق اس طور پردی جاتی ہے کہ وہ ایک روایت صرف نماز تہجد کے بارے میں ہے کہ رمضان شریف اور رمضان شریف کے سوا ہر مہینہ میں اکثر ایسا ہی ہوتا تھا کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز یکساں پڑھتے تھے؛ یعنی ہر مہینہ میں رمضان شریف ہو، یا دوسرا مہینہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر معمول تھا کہ نماز تہجد مع نماز وتر کے گیارہ رکعت پڑھتے تھے؛ یعنی آٹھ رکعت نماز تہجد کی اور تین رکعت نماز وتر کی پڑھا کرتے تھے اور بارہ رکعت تہجد کی نماز پڑھنا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور یہ امر کہ وہ ایک روایت سابق تہجد کے بارے میں ہے تو اس امر کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت ابوسلمہؓ ہیں اور حضرت ابوسلمہؓ نے اس روایت کے آخر میں کہا ہے:

قالت عائشة:فقلت یا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وعلٰی اٰله وسلم أ تنام قبل أن توتر؟قال: یاعائشة:إن عینیی تنامان ولاینام قلبی.{رواہ البخاری ومسلم}(۱)

(یعنی اس روایت کے آخر میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میں نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ سوتے ہیں قبل ادا کرنے نماز وتر کے تو فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اے عائشہ! میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا ہے۔{روایت کیا اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے})

(۱)　صحیح البخاری،باب قیام النبی صلی اللّٰه علیه وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ: ۱/۱۵٤،رقم الحدیث ۱۱۳٦، مکتبة أشرفیة دیوبند/الصحیح لمسلم،باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، رقم الحدیث:۷۳۸،انیس

تو اس سے ظاہر ہے کہ یہ حدیث نماز تہجد کے بارے میں ہے؛ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ نماز تہجد اور وتر آخر شب میں نیند سے اٹھنے کے بعد پڑھا کرتے تھے اور کوئی دوسری نماز سواء تہجد اور وتر کے ثابت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر شب میں نیند سے اٹھنے کے بعد پڑھا کرتے تھے تو اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ ؓ نے نماز تہجد کے بارے میں فرمایا کہ آپ بعد نماز تہجد کے بھی قبل وتر کی نماز ادا کرنے کے سوتے ہیں؛ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ وتر کی نماز قضا ہو جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ صرف میری آنکھ سوتی ہے، میرا دل بیدار رہتا ہے؛ یعنی احتمال وتر کے قضا ہو جانے کا نہیں اور جن روایات میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بہ نسبت دوسرے مہینوں کے زیادہ نماز پڑھتے تھے تو اس نماز سے مراد تراویح کی نماز ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تراویح پڑھا کرتے تھے کہ اس وقت عرف میں تراویح کی تعبیر قیام رمضان کے ساتھ کرتے تھے۔

اب اس امر کی تحقیق بیان کرتا ہوں کہ قیام رمضان؛ یعنی تراویح میں کس قدر رکعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے تو روایات صحیحہ مذکور میں رکعت کی تعین نہیں آئی؛ لیکن ان روایات میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں زیادہ نماز پڑھنے میں بہت زیادہ محنت کرتے تھے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ رکعت نماز پڑھتے تھے اور مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن بیہقی میں حضرت ابن عباس ؓ کی یہ روایت مذکور ہے:

عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما قال: كان النبی اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يصلى فی شهر رمضان فی غير جماعة بعشرين ركعة والوتر. (۱)

(یعنی حضرت ابن عباس ؓ کی یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بلا جماعت کے بیس رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور وتر پڑتے تھے۔)

یہ ترجمہ حدیث مذکور کا ہے، بیہقی نے اس روایت کی تضعیف کی ہے، اس بنا پر کہ اس حدیث کے راوی جد ابوبکر بن ابی شیبہ ہیں، حالانکہ ابو شیبہ کے نزدیک جد ابوبکر ابن ابی شیبہ میں اس قدر ضعف ثابت نہیں کہ ان کی حدیث مطلقا متروک کردی جائے، البتہ اگر اس حدیث کے معارض کوئی دوسری حدیث صحیح ہوتی تو وہ حدیث ساقط ہوسکتی اور اوپر بیان کیا گیا ہے کہ یہ جو بعض لوگوں کا گمان ہوتا ہے کہ اس حدیث کے معارض حدیث حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی ہے، جو ابوسلمہ ؓ نے حضرت عائشہ ؓ سے روایت کی ہے اور وہ حدیث اوپر مذکور ہوئی ہے تو یہ گمان صحیح نہیں۔ درحقیقت یہ حدیث ابوسلمہ کی معارض نہیں تو وہ حدیث جس سے بیس رکعت تراویح کی نماز پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور جو اوپر مذکور ہے، صحیح وسالم ہے، قابل عمل ہے اور کیوں اس حدیث میں شبہ کیا جائے، حالانکہ فعل صحابہ ؓ

(۱)　سنن البيهقی، كتاب الصلاة، باب ما روی فی عدد ركعات القيام: ۲۲۲/۲، رقم الحديث: ٤٧٩٩، انیس

سے بھی اس حدیث کی تائید ہوتی ہے، چناں چہ علامہ بیہقی نے اپنی کتاب سنن بیہقی میں اسناد صحیحہ سے روایت کی ہے:

عن السائب بن يزيد رضى الله عنه قال: كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضى الله عنه فى شهر رمضان بعشرين ركعة. (۱)

وروى مالك فى المؤطا عن يزيد بن رومان قال: كان الناس يقومون فى زمان عمر بن الخطاب رضى الله عنه بثلاثة وعشرين وفى رواية بإحدىٰ عشرة. (۲)

(یعنی روایت ہے ثابت زیدؓ سے کہ کہا ثابت بن زیدؓ نے کہ لوگ نماز پڑھا کرتے تھے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں رمضان شریف میں بیس رکعت۔)

(اور روایت کی امام مالک نے مؤطا میں یزید بن رومان نے کہ لوگ نماز پڑھا کرتے تھے زمانہ میں حضرت عمرؓ کے تیئیس رکعت اور ایک روایت میں گیارہ رکعت ہے۔)

اور علامہ بیہقی نے ان دونوں روایت میں اس طور پر تطبیق دی ہے کہ مشہور یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد آٹھ رکعت اور نماز وتر تین رکعت جملہ گیارہ رکعت نماز بوقت تہجد پڑھا کرتے تھے۔

تو اس خیال سے کہ تراویح اور تہجد یہ دونوں نماز رات میں پڑھی جاتی ہیں، صحابہ کرام پہلے آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے تو پھر جب صحابہؓ کے نزدیک یقیناً ثابت ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان شریف میں اس سے زیادہ نماز پڑھتے تھے؛ یعنی تراویح کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیس رکعت پڑھتے تھے اور تراویح کی بیس رکعت ہونے پر صحابہؓ کا اجماع ثابت ہے تو یہ امر بھی ضروریات دین سے ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ تراویح کی نماز بیس رکعت ہے اور اسی پر عمل کرنا چاہیے اور اسی وجہ سے فقہاء کرام اس بارے میں نہایت تاکید کرتے ہیں کہ تراویح کی نماز بیس رکعت پڑھنا چاہیے اور اکثر ایسے امور شرعیہ ہیں کہ ان کے بارے میں جس قدر شرعا ہے، وہ پہلے معلوم نہ تھی، وہ تاکید اجماع سے ثابت ہے اور اجماع بھی شرعی حجت ہے، چناں چہ اجماع کا منکر کافر ہے۔ علی الخصوص جس امر پر اجماع ہوا اور وہ شعار اہل حق کا ہوجائے اور وہ امر اس کے لیے مابہ الامتیاز ہوجائے کہ جو شخص اس اجماع کے موافق عمل کرے، وہ اہل حق سے ہے اور جو شخص اس کے خلاف عمل کرے، وہ بدعتی ہے تو اس اجماع پر عمل کرنے کے بارے میں نہایت تاکید ہے، چناں چہ سنن رواتب پنج وقتی کی تاکید بھی جس قدر زمانہ صحابہ میں تھی، اس سے زیادہ تاکید روایات سے بعد زمانہ صحابہؓ

---

(۱)　سنن البيهقى، كتاب الصلاة، باب ما روى فى عدد ركعات القيام فى شهر رمضان: ۲/۴۹۶، رقم الحديث: ۴۳۹۳، انيس

(۲)　سنن البيهقى، كتاب الصلاة، باب ماروى فى عدد ركعات القيام فى شهر رمضان: ۲/۴۹۶، رقم الحديث: ۴۳۹۴، انيس

کے ثابت ہوئی اور یہ امر اس پر ظاہر ہے جس نے اس بارے میں روایات کی جستجو کی اور بیس رکعت تراویح کی نماز ہونے کے لیے اور بھی وجوہ ترجیح ہیں، من جملہ اس کے ایک وجہ یہ ہے کہ رمضان کے سوا دوسرے مہینہ میں صلوٰۃ اللیل کہ اس سے مراد تہجد مع وتر ہے، گیارہ رکعت ثابت ہیں تو رمضان کہ زیادہ عبادت کرنے کا مہینہ ہے، گویا وہ نماز چند کر دی گئی۔

سنن رواتب پنج وقتی کی بھی تعداد رکعت اکثر شافعیہ کے نزدیک دس ہے اور اس کا دوچند بیس رکعات ہیں اور تین رکعت وتر کی اس میں ملانے سے تئیس رکعات ہو جاتی ہیں تو بیس رکعات تراویح اور تین نماز وتر جملہ تئیس رکعات ہوئیں۔

بہر حال اس مقام میں قاعدہ کلیہ پر لحاظ فرمانا چاہئے کہ جس وقت امور شرعیہ سے کسی امر پر اہل حل وعقد کا اجماع واتفاق ہوتا ہے تو اس امر کے بارے میں دلائل اور ماخذ طرق مختلفہ اور مسالک متعددہ سے اس وقت کے اہل عصر کے قلوب پر وارد ہوتا ہے اور باعتبار ہیئت اجماعی کے ان دلائل اور ماخذ سے اس امر کے حکم بارے میں تیقن، یا ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے، اگر چہ دوسرے لوگ جو اس اجماع کے وقت حاضر نہ تھے، جب وہ لوگ اس امر کے ہر ہر ماخذ اور دلیل پر فرداً نظر کرتے ہیں تو ان لوگوں کو تیقن، یا ظن غالب نہیں ہوتا؛ لیکن ان کے حق میں دلیل ہونے کے لیے زمانہ سابق کا اجماع کافی ہے اور اس اصل سے اکثر مسائل نکلتے ہیں کہ اگر متاخرین چاہیں کہ اجماع کے سوا کوئی دوسری دلیل ان مسائل کے لیے ثابت کریں تو متحیر ہو جاتے ہیں اور اس پر ان کو یقین اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ ان کے نزدیک وہ دلائل بحیثیت اجتماعی مہیا نہیں ہوتے تو متاخرین کو چاہیے کہ اس امر میں اپنی رائے کو دخل نہ دیں؛ بلکہ اسی اجماع پر عمل کریں۔

امام مالکؒ سے جو منقول ہے کہ وتر کے سوا چھتیس رکعات پڑھنا چاہیے اور وہ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ کا عمل اسی پر تھا تو اہل تاریخ نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ مکہ معظّمہ کے لوگ دو ترویحہ کے درمیان میں سات شوط طواف کرتے تھے تو چوں کہ مدینہ منورہ میں طواف تو ہو نہیں سکتا تھا۔ اس واسطے مدینہ منورہ کے لوگوں نے اختیار کیا کہ دو ترویحہ کے درمیان چار چار رکعت نماز پڑھتے تھے تو اس وجہ سے ان لوگوں کی مجموعی نماز چھتیس رکعت ہو جاتی تھیں اور مصنف ابن ابی شیبہ میں داؤد بن قیس سے روایت ہے کہ!

عن داؤد بن قيس قال: أدركت الناس بالمدينة في زمن عمر بن عبد العزيز وأبان بن عثمان يصلون ستة وثلاثين ركعة ويوترون بثلاث، انتهىٰ. (۱)

(کہا داؤد بن قیس نے کہ میں نے پایا لوگوں کو مدینہ میں زمانے میں عمر بن عبدالعزیز اور ابان بن عثمان کے کہ وہ لوگ چھتیس رکعت نماز پڑھتے تھے۔ اور تین رکعت وتر کی نماز پڑھتے تھے۔)

یہ داؤد بن قیس کی روایت کا ترجمہ ہے اور ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ یہ زیادتی رکعتوں کی جو نوافل کے ملا دینے سے

---

(۱) مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الصلاة، كم يصلي رمضان من ركعة: ۳۹۳/۲، رقم الحديث: ۷۷۷۱، انيس

ہوئی تو یہ امر عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں ہوا؛ یعنی جب وہ مدینہ منورہ میں امیر تھے تو ان کی امارت کے زمانے میں ایسا ہوا تھا، اس واسطے کہ اس وقت عبادت میں لوگوں کی رغبت بہت زیادہ ہوگئی تھی، جس قدر عبادت سابق سے ماثور ومنقول تھی، صرف اس قدر سے ان کو آسودگی نہ ہوتی تھی۔ واللہ اعلم (فتاویٰ عزیزی، ص:۴۸۶)

تراویح کا ثواب:

سوال: تراویح پڑھنے، پڑھانے کا کیا ثواب ودرجہ ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

تراویح کا ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ درمختار میں ہے کہ!

(التراويح سنة)مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين. (۴۹۳/۲)(۱)

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح پڑھی، اس نماز کی فضیلت کے لیے یہ کافی ہے کہ ہمارے محبوب اور برگزیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ادائیگی فرمائی اور ہم انہیں کے طریقہ پر چلتے ہوئے اسے ادا کرتے ہیں، اس کے علاوہ اس کے فضائل میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں، چناں چہ احادیث کی مختلف کتابوں مشکوۃ، ابوداؤد وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ!

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ومن قام رمضان إيمانًا واحتسابًا غفرله ما تقدم من ذنبه". (۲)

(یعنی جس شخص نے رمضان میں قیام لیل کیا، تراویح پڑھی، اس کی فضیلتوں پر ایمان لاتے ہوئے اور صرف ثواب کے حصول کے لیے کوئی اور مقصد روزی کمانا، ریا وغیرہ نہ ہو تو اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری، ۱۴/۱۱/۱۴۰۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۴۵۶/۲)

روزہ اور تراویح کا آپس میں کیا تعلق ہے:

سوال: روزہ اور تراویح کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ کیا روزہ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ تراویح پڑھی جائے؟

---

(۱) الدرالمختار. كتاب الصلاة،باب الوتر و النوافل: ۴۹۳/۲ ،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(۲) مشكوة المصابيح، كتاب الصوم،الفصل الأول: ۱۷۳/۱

وروى أبوداؤد بأسانيد مختلفة،منها: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يرغب في قيام رمضان من غير أن يأمرهم بعزيمة،ثم يقول:من قام رمضان إيمانا واحتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه فتوفي رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم والأمر علىٰ ذلك،ثم كان الأمر علىٰ ذلك في خلافة أبي بكررضي اللّٰه عنه،وصدرًا من خلافة عمررضي اللّٰه عنه.(السنن لأبي داؤد،تفريع أبواب شهر رمضان،باب في قيام شهررمضان: ۲۵۹/۲ ،رقم الحديث: ۱۳۷۱ ،دارالفكر بيروت،انيس)

الجواب

رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں دن کی عبادت روزہ ہے اور رات کی عبادت تراویح اور حدیث شریف میں دونوں کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، چناں چہ ارشاد ہے:

''**جعل اللّٰه صيامه فريضةً وقيام ليله تطوعاً**''.(۱)

(اللہ تعالیٰ نے اس ماہ مبرک کے روزے کو فرض کیا ہے اور اس میں رات کے قیام کو نفلی عبادت بنایا ہے۔)

اس لیے دونوں عبادتیں کرنا ضروری ہیں، روزہ فرض ہے اور تراویح سنت مؤکدہ ہے۔(۲)(آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۶۱/۴)

تراویح کی ابتدا کہاں سے ہوئی:

سوال: تراویح کی ابتدا کہاں سے ہوئی؟ کیا بیس رکعت نماز تراویح پڑھنا ہی افضل ہے؟

الجواب

تراویح کی ابتدا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی؛ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اندیشہ سے کہ یہ فرض نہ ہو جائیں، تین دن سے زیادہ جماعت نہیں کرائی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرداً فرداً پڑھا کرتے تھے اور کبھی دو دو، چار چار آدمی جماعت کر لیتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے عام جماعت کا رواج ہوا اور اس وقت سے تراویح کی بیس ہی رکعات چلی آرہی ہیں اور بیس رکعات ہی سنت مؤکدہ ہیں۔(۳) مزید تفصیل کے لیے:''نماز مسنون کلاں'' تالیف: مولانا عبدالحمید سواتی ملاحظہ فرماویں۔(آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۶۱/۴)

تراویح کی بنیاد کس نے ڈالی:

سوال: تراویح کی بنیاد کس نے ڈالی؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تراویح پڑھی ہے؟

---

(۱) مشکوۃ، کتاب الصلاۃ، الفصل الثالث، ص:۱۷۳، انیس

(۲) عن عبد الرحمن بن عوف عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن اللّٰه تبارك وتعالىٰ فرض صيام رمضان وسننت لكم قيامه فمن صامه وقامه إيماناً وإحتساباً خرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه.(سنن النسائي، كتاب الصيام، باب ثواب من قام رمضان إيماناً وإحتساباً: ۲۳۹/۱، أشرفية ديوبند، انيس)

(۳) عن عائشة زوج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم صلىٰ في المسجد فصلىٰ بصلاته ناس ثم صلىٰ من القابلة فكثر الناس ثم اجتمعوا من الليلة الثالثة فلم يخرج إليهم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فلما أصبح، قال: قد رأيت الذي صنعتم فلم يمنعني من الخروج إليكم إلا أني خشيت أن تفرض عليكم وذلك في رمضان. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، أبواب شهر رمضان، باب قيام شهر رمضان: ۱۹۵،۱۹۴/۱، أشرفی بکڈپو، رقم الحديث:۱۳۷۳ صحيح البخاري، رقم الحديث:۱۱۲۹/صحيح لمسلم، رقم الحديث: ۷۶۱، انيس)

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصلياً

حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنیاد ڈالی ہے اور پڑھی ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۲۵۴/۷)

تہجد وتراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے:

سوال: تہجد اور تراویح کا پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو کتنی رکعت؟

الجوابـــــــــــــــــــ

تہجد کی نسبت آیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف اور غیر رمضان شریف میں گیارہ رکعت تہجد مع الوتر سے زیادہ نہ پڑھتے تھے؛ یعنی اکثر یہ عادت مبارکہ تھی، (۲) اور تراویح آپ نے تین رات پڑھی ہیں، پھر صحابہؓ نے آپؐ کے بعد اس پر مواظبت فرمائی، لہٰذا تراویح باجماعت سنت ہوگئی۔(۳) (والتفصيل في المطولات) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۵۳/۴)

---

(۱) عن زيد بن ثابت رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اتخذ حجرةً في المسجد من حصير، فصلىٰ فيها ليالي، حتىٰ اجتمع عليه ناس، ثم فقدوا صوته ليلة، وظنوا أنه قد نام، فجعل بعضهم يتنحنح ليخرج إليهم، فقال: ما زال بكم الذي رأيت من صنيعكم، حتىٰ خشيت أن يكتب عليكم، ولو كتب عليكم ما قمتم به، فصلوا أيها الناس! في بيوتكم، فإن أفضل صلاة المرء في بيته إلا الصلاة المكتوبة". متفق عليه". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان، الفصل الأول، ص: ١١٤)

(فصلىٰ فيها): أي في تلك الحجرة (ليالي): أي من رمضان، (حتىٰ اجتمع): أي فكان يخرج –عليه السلام– منها، ويصلي بالجماعة في الفرائض والتراويح، حتىٰ اجتمع (عليه ناس): أي وكثروا... (ثم فقدوا صوته ليلة) بأن دخل الحجرة بعد ما صلىٰ بهم الفريضة، ولم يخرج إليهم بعد ساعة للتراويح كما هو عادته، (وظنوا أنه قد نام، فجعل بعضهم يتنحنح... ليخرج): أي النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من الحجرة (إليهم) لصلاة التراويح بعد إن دخل فيها كما في الليالي الماضية، (فقال ... ما زال بكم الذي رأيت... من صنيعكم) من شدة حرصكم في إقامة صلاة التراويح بالجماعة ومن بيان للذي (حتىٰ خشيت أن يكتب): أي يفرض (عليكم): أي لو واظبت علىٰ اقامتها بالجماعة لفرضت عليكم (ولو كتب عليكم... ما قمتم به) ولم تطيقوه بالجماعة كلكم لعجزكم. وفيه بيان رأفته لامته، ودليل علىٰ أن التراويح سنة جماعة وإنفراداً، والأفضل في عهدنا الجماعة لكسل الناس". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان، الفصل الأول: ٣٦٧/٣-٣٦٨، رشيدية)

(۲) عن أبي سلمة بن عبد الرحمٰن رضي الله عنه أنه أخبره أنه سأل عائشة رضي الله عنها كيف كانت صلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان؟ قالت: ما كان رسول الله صلى الله عليه و سلم يزيد في رمضان ولا في غيره علىٰ إحدىٰ عشرة ركعةً يصلي أربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي أربعاً فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي ثلثا. (سنن النسائي، كتاب الصلاة، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب كيف الوتر بثلٰث: ١٩١/١)

(۳) عن أبي ذر رضي الله عنه قال: صمنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم يقم بنا شيئاً من الشهر ==

سورۂ تراویح، صحابہ سے ثابت ہے:

سوال: سورۂ تراویح کا موجد کون ہے؟ کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اس کے متعلق تشریح لکھئے؟

الجواب ـــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

سورہ تراویح کا پڑھنا صحابہ سے ثابت ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۱/۹/۱۳۴۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۱۱)

وتر اور تراویح کا ثبوت:

سوال: ہمارے گاؤں میں کچھ اہل حدیث حضرات موجود ہیں، جو آئے دن نمازیوں میں واویلا کرتے رہتے ہیں کہ وتر اور تراویح کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں کہیں بھی بیس کا ذکر نہیں، بیس تراویح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایجاد کردہ ہے، لہٰذا ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا ضروری ہے، ہم نے آج تک بیس تراویح ہی پڑھی اور پڑھائی ہیں، جب کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل احادیث نبویہ کے خلاف نہیں ہوسکتا؟

الجواب ـــــــــــــــ

اہل حدیث حضرات کے بعض مسائل شاذ ہیں، جن میں وہ پوری امت مسلمہ سے کٹ گئے ہیں، ان میں سے ایک تین طلاق کا مسئلہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لے کر جمہور امت اور ائمہ اربعہ کا مسلک ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی؛(۲) لیکن شیعہ اور اہل حدیث کو اس مسئلے مسلمہ سے اختلاف ہے۔

== حتٰی بقی سبع فقام بنا حتٰی ذهب ثلث الليل فلما كانت السادسة لم يقم بنا فلما كانت الخامسة قام بنا حتٰی ذهب شطر الليل الآخر. (سنن الدارمی، باب فی فضل قيام شهر رمضان، رقم الحديث: ١٨١٨/سنن ابن ماجة، باب ماجاء فی قيام شهر رمضان، رقم الحديث: ١٣٢٧/سنن أبی داؤد، باب فی قيام شهر رمضان، رقم الحديث: ١٣٧٥/سنن الترمذی، باب ماجاء فی قيام شهر رمضان، رقم الحديث: ٨٠٦، انيس)

(التراويح سنة) مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) إجماعاً. (الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل مبحث صلاة التراويح: ٦٥٩/١، ظفير)

(١) (التراويح سنة) مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) اجماعًا. (الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ٩٨/١، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(٢) قوله ثلاثة متفرقة)...وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلٰی أئمة المسلمين إلٰی أنه يقع ثلاث. (ردالمحتار، كتاب الطلاق، مطلب: طلاق الدور: ٤٣٤/٤، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

دوسرا مسئلہ بیس تراویح کا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے آج تک مساجد میں بیس تراویح پڑھی جا رہی ہیں اور تمام ائمہ کم سے کم بیس تراویح پر متفق ہیں، جب کہ اہل حدیث کو اس سے اختلاف ہے۔ (۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۶۳/۴)

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کا حکم دیا:

سوال: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح کا حکم دیا؟

(سید نظام علی عابدی، قدیم ملک پیٹ)

الجواب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من صام رمضان وقامه إیمانًا واحتسابًا غفرله ما تقدم من ذنبه". (۲)

(جس نے رمضان کے روزے رکھا اور قیام رمضان کیا اخلاص کے ساتھ، اس کے پچھلے گناہ معاف کردئے جائیں گے۔)

یہاں قیام رمضان سے رمضان کی مخصوص نماز؛ یعنی تراویح مراد ہے، اس سے تراویح کی تاکید معلوم ہوتی ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام رمضان؛ یعنی تراویح کو صیام رمضان؛ یعنی روزہ کے ہم درجہ کی حیثیت سے ذکر فرمایا ہے، جب کہ روزے فرض ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ تراویح گو سنت ہے؛ لیکن شریعت میں یہ بہت ہی مؤکد اور مہتم بالشان عمل ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۴۰۶/۲)

دورنبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ میں کتنی رکعات تراویح پڑھنا ثابت ہے:

سوال: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان المبارک میں عشا کی فرض نماز کے بعد باجماعت تراویح کتنی رکعت پڑھائیں، نیز خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں کتنی رکعت تراویح پڑھائیں، اسی طرح خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں کتنی رکعت تراویح پڑھائیں، اسی طرح خلیفۂ سوم وچہارم رضی اللہ عنہم نے اپنے زمانۂ خلافت میں کتنی کتنی رکعتیں پڑھائیں، علاوہ ازیں امام ابوحنیفہؒ

---

(۱) وأكثر أهل العلم علٰی ماروی عن علی وعمر وغيرهما من أصحاب النبی صلی اللّٰه عليه وسلم عشرين ركعة وهوقول سفيان الثوری وابن المبارک والشافعی و قال الشافعی :وهٰكذا أدركت ببلدنا بمكة يصلون عشرين ركعة...إلخ .(جامع الترمذی، كتاب الصوم عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: ۹۹/۱ ،باب ماجاء فی قيام شهر رمضان تحت رقم الحديث: ۸۰٦، طبع رشيدية دهلی)

(۲) الجامع للترمذی، كتاب الصوم عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم، رقم الحديث: ٦۸۳، باب ماجاء في فضل شهر رمضان، ص: ۲۲۰، دارالفكر بيروت، انيس

رضی اللہ عنہ کتنی رکعت تراویح پڑھا کرتے تھےاوران کااس بارے میں کیا فتوے ہے، براہ کرم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اورحضرات خلفائے کرام کا تعامل وحکم اور حضرت امام اعظم کا فتویٰ بالتفصیل ذکر فرمائیں؟

(المستفتی: عبدالرحمٰن۔فورٹ ولیم کلکتہ ۲۰/اکتوبر ۱۹۴۳ء)

الجواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح باجماعت تین راتوں میں مروی ہے،(۱) تعداد رکعات میں بیس کی روایت بھی ہےاورآٹھ کی بھی،(۲) حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانۂ خلافت میں اور حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں کئی سال تک مسجد میں باقاعدہ تراویح کی جماعت کا اہتمام نہ ہوا،لوگ پڑھتے تھے؛مگر یا تو تنہا تنہا، یا دودو چارچار آدمی مل کر متعدد جماعتیں کرلیتے تھے،حضرت عمرؓ نے سب کو مل کرایک جماعت سے تراویح پڑھنے کا حکم دیااورصحابہ کرام نے اس سے اتفاق کیااور حضرت ابی بن کعبؓ کی امامت میں ایک جماعت ہونے لگی،بیس رکعتیں وہ پڑھاتے تھے،(۳) ابتدا میں آٹھ رکعتیں پڑھانا بھی منقول ہے؛مگر ائمہ مجتہدین میں سے کوئی بیس سے کم کا قائل نہیں،امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیس رکعتیں مسنون ہیں اوربیس پر جمہورامت محمدیہ کا ہر زمانے میں عمل رہا ہےاوریہی تعدادراجح ہے۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۴۰۵)

---

(۱) عن عروة أن عائشة رضى الله عنها ... أخبرته أن رسول الله صلى الله وعليه وسلم خرج ليلة من جوف الليل فصلى فى المسجد وصلى رجال بصلاته الحديث.(آثارالسنن،كتاب الصلاة،أبواب قيام شهررمضان،باب فى جماعة التراويح،ص۱۹۸،رقم الحديث:۷٦۷،مكتبة حقانية،ملتان،انيس)

(۲) بیس رکعت تراویح کی دلیل حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

عن السائب بن يزيد قال:كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضى الله عنه فى شهر رمضان بعشرين ركعة.(آثارالسنن،كتاب الصلاة،باب فى التراويح بعشرين ركعات:۲۰۱،رقم الحديث:۷۷۸،حقانية ملتان،انيس)

اورآٹھ رکعت کی دلیل حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ہے:

عن جابر بن عبد الله قال:صلى بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فى شهر رمضان ثمان ركعات وأوتر.(آثارالسنن،كتاب الصلاة،باب التراويح بثمان ركعات:۲۰۰،رقم الحديث:۷۷٤،ط:حقانية ملتان،انيس)

(۳) عن عبد الرحمن عبد القارى قال:خرجت مع عمر بن الخطاب رضى الله عنه ليلة فى رمضان إلى المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون،يصلى الرجل لنفسه ويصلى الرجل فيصلى بصلاته الرهط فقال عمررضى الله عنه:إنى أرى لوجمعت هؤلاء على قارى واحد لكان أمثل ثم عزم فجمعهم على أبى بن كعب ثم خرجت معه ليلة أخرى،والناس يصلون بصلاة...قارءهم،قال عمررضى الله عنه:"نعم البدعة هذه".(آثارالسنن،كتاب الصلاة،أبواب قيام شهررمضان،باب فى جماعة التراويح،ص:۱۹۹،رقم الحديث:۷۷۱،مكتبة حقانية،ملتان،انيس)

(۴) وهى عشرون ركعة إلخ(تنوير)هوقول الجمهور،وعليه عمل الناس شرقًا وغربًا(رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل،مبحث صلاة التراويح:۲/٤۹۸،ط:سعيد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں جو نماز پڑھی وہ تراویح تھی:

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کی تین شبوں میں جو گیارہ رکعتیں نماز نفل با جماعت کبریٰ پڑھی تھی، یہ نماز تہجد تھی، یا غیر تہجد؟ اگر غیر تہجد تھی تو نماز تہجد کو جس کی ادائیگی پر بوجہ امتثال حکم الٰہی ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَجَهَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ﴾ اور ﴿يآ أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ﴾ کے آپ کو مداومت حاصل تھی، بعد نماز مذکور کے آپ نے اس کو ادا فرمایا، یا نہیں؟ مفصل و مدلل تحریر فرمائیے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

محققین نے فرمایا کہ وہ نماز تراویح تھی اور چوں کہ نوافل میں تداخل ہو جاتا ہے اور ایک نماز دوسری کے قائم مقام ہو جاتی ہے؛ اس لیے اگر کسی شب میں تمام رات تراویح پڑھے تو تہجد بھی اس میں ادا ہو جاتا ہے، کما فی السنن وتحیۃ المسجد والوضوء اور تحقیق اس کی حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ محدث وفقیہ گنگوہیؒ نے رسالہ "**الــــرأی النـجیح فـی عـدد التـراویح**" میں مفصلاً فرمائی ہے اور تمام شبہات کا جواب مدلل اس میں لکھا ہے، اس کو دیکھ لیجئے، ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی شبہ از راہِ انصاف باقی نہ رہے گا، ان کی تحقیق کا حاصل یہی ہے کہ تین دن جو جماعت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوافل پڑھے، وہ نماز تراویح تھی، نماز تہجد نہ تھی اور جملہ شبہات واردہ کا اس میں جواب احادیث وآثار سے دیا ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۸۵/۴)

حدیث تراویح:

سوال: حدیث ابن خزیمہ اور ابن حبان نے جس کو اپنی صحیحین میں بروایت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ "**عــن جـابـر بـن عبد الله رضی الله عنه قال: صلیٰ بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم فی شهر رمضان ثـمان ركعات وأوتر**" (الحدیث)(۲) نقل کیا ہے اور اگر وہ غیر مقلدین اس کو اپنی حجت گردانتے ہیں تو اس حدیث کی اسناد پورے طور پر مع جرح وقدح تحریر فرماویں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

صحیح ابن خزیمہ وابن حبان یہاں موجود نہیں، جن میں ان کی سند کو دیکھا جائے، اس روایت کی توجیہ علمائے محققین نے ذکر کی ہے، وہ نقل کئے دیتا ہوں۔

(۱) نیز مسئلہ تراویح کے لیے پڑھئے "رکعات تراویح" مذیل شائع کردہ مدرسہ مفتاح العلوم مئو، ضلع اعظم گڈھ۔ (ظفیر)

(۲) صـحیح ابن حبان، ذکر الخبر الدال علی أن الوتر لیس بفرض، رقم الحدیث: ۲٤۰۹/صحیح ابن خزیمة، باب ذكر الأخبار المنصوصة والدالة علی أن الوتر لیس بفرض، رقم الحدیث: ۱۰۷۰، انیس)

فتح القدیر میں ہے:

وقدمنا في باب النوافل عن أبي سلمة ابن عبدالرحمٰن: سألت عائشة كيف كانت صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان، فقالت: ماكان يزيد في رمضان ولا غيره على إحدى عشرة ركعةً. (الحديث) (إلى أن قال): نعم ثبتت العشرون من زمن عمر، في الموطأ عن يزيد بن رومان قال: كان الناس يقومون في زمن عمربن الخطاب بثلاث وعشرين ركعةً، وروى البيهقي في المعرفة عن السائب بن يزيد قال: كنا نقوم في زمان عمربن الخطاب بعشرين ركعة والوتر، قال النووي في الخلاصة: إسناده صحيح، إلخ. (۱)

پس معلوم ہوا کہ بیس رکعت تراویح سنت خلفائے راشدین ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين**". (۲) لہٰذ ضروری ہے کہ سنت خلفائے راشدین کو معمول بہا بنایا جائے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۹۲/۴-۲۹۳)

چند احادیث کی تحقیق:

سوال: ہمارے ہاں تراویح کی تعداد میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے، بعض آٹھ رکعت کو سنت سمجھتے ہیں اور بعض بیس رکعت کو، فریقین جناب کے فیصلہ پر رضامندی ظاہر کی ہے، امید ہے کہ آپ مہربانی فرما کر امور مستفسرہ کا جواب لکھ کر ارسال فرمائیں گے؛ تاکہ یہ نزاع دور ہو اور آپ عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں۔

(۱) نمازتراویح آپ کی تحقیق میں بیس رکعت سنت ہے، یا آٹھ رکعت؟

(۲) حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا "**ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره**". (الحديث) (۳)

آپ کی تحقیق تہجد کے بارے میں ہے، جیسا کہ شاہ عبدالعزیزؒ نے فتاویٰ میں لکھا ہے، یا تراویح کے بارے میں ہے۔

(۳) حدیث جابر رضی اللہ عنہ جس میں آٹھ رکعت نماز اور وتر کا ذکر ہے، جس مین عیسی بن جاریہ منکرالحدیث اور ضعیف راوی ہے، کیا آپ کی تحقیق میں صحیح ہے، یا ضعیف؟

(۴) حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما جس میں بیس رکعت تراویح کا ذکر ہے، کیا صحابی وتابعینؒ ودیگر ائمہ کا عمل اسے تقویت دیتا ہے، یا نہیں؟

(۵) حدیث سائب بن یزید رضی اللہ عنہ جس کو بیہقی نے اخراج کیا، جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

---

(۱) فتح القدير، كتاب الصلاة، باب النوافل، فصل في قيام رمضان: ٤٨٥/١، دارالكتب العلمية بيروت، انيس

(۲) سنن ابن ماجة، المقدمة باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، ص: ٥، مكتبة البدر ديوبند، انيس

(۳) صحيح البخاري، باب فضل من قام رمضان، كتاب صلاة التراويح: ٢٦٩/١، رقم الحديث: ١٩٦٨، مكتبة أشرفية، انيس

زمانے میں بیس رکعت تراویح پڑھنے کا ذکر ہے، جس کو علامہ نوویؒ وغیرہ محدثین نے صحیح کہا ہے، آپ کی تحقیق میں صحیح ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۳۰۷، خادم العلماء ابو یوسف محمد شریف عفا اللہ عنہ، کوٹلی لوہار، ضلع سیال کوٹ، ۵ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ)

الجواب

(۱)　تراویح کی بیس رکعت مسنون ہیں، میرے نزدیک یہی راجح ہے۔

(۲)　حدیث عائشہؓ صلاۃ اللیل؛ یعنی تہجد کے ساتھ متعلق ہے۔

(۳)　حدیث جابر رضی اللہ عنہ کو صحیح ابن حبان سے نقل کیا گیا ہے اور اس کو صحیح بتایا گیا ہے، میرے خیال میں متکلم فیہ ہے؛ یعنی اس کے صحیح ہونے میں کلام ہے، ابن حبان کے علاوہ اس کو طبرانی اور صحیح ابن خزیمہ اور قیام اللیل للمروزی کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے۔

(۴)　حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ اگر چہ ضعیف ہے؛ مگر اس کی تائید دوسری روایات سے اور عمل امت سے ہوتی ہے۔

(۵)　حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (اشرف برقی پریس، سیالکوٹ، مہر مدرسہ امینیہ اسلامیہ دار الافتاء دہلی)

الجواب کے پانچوں نمبر صحیح ہیں، جہاں تک مجھے یاد ہے کہ کچھ کمی بیشی نہیں ہے اور اب میں اس پورے جواب کی صحت کا التزام کرتا ہوں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳؍۴۰۳-۴۰۴) ☆

☆　تراویح کے بارے میں چند احادیث کا ثبوت:

سوال:　ہمارے یہاں تراویح کی تعداد میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے، بعض آٹھ رکعت کو سنت سمجھتے ہیں اور بعض بیس رکعت کو فریقین نے جناب کے فیصلہ پر رضامندی ظاہر کی ہے، امید ہے کہ آپ امور مستفسرہ کا مختصر جواب ارسال فرما کر عند اللہ ماجور اور عند الناس مشکور ہوں گے۔

(۱)　نماز تراویح آپ کی تحقیق میں بیس رکعت سنت ہے یا آٹھ رکعت۔

(۲)　حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا "ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ". (الحدیث) (صحیح البخاری، کتاب صلاۃ التراویح، فضل من قام رمضان: ۱/۲۶۹، رقم الحدیث: ۱۹۶۸، مکتبۃ أشرفیۃ دیوبند، انیس)

آپ کی تحقیق میں تہجد کے بارے میں ہے، جیسا کہ شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے، یا تراویح کے بارے میں ہے؟　==

== (۳) حدیث جابر رضی اللہ عنہ جس میں آٹھ رکعت نماز اور وتر کا ذکر ہے، جس میں عیسی بن جاریہ منکر الحدیث اور ضعیف راوی ہے، آپ کی تحقیق میں صحیح ہے، یا ضعیف؟

(۴) حدیث ابن عباس جس میں بیس رکعت تراویح کا ذکر ہے، کیا صحابہ و تابعین ودیگر ائمہ کا عمل اسے تقویت دیتا ہے، یا نہیں؟

(۵) حدیث سائب بن یزید جس کو بیہقی نے اخراج کیا، جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس رکعت تراویح پڑھنے کا ذکر ہے، جس کو نووی وغیرہ محدثین نے صحیح کہا ہے، آپ کی تحقیق میں صحیح ہے، یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

(المستفتی: ۱۱۷۴، ابو یوسف محمد شریف (ضلع سیالکوٹ) ۲۰ر جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ ۸ر ستمبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

(۱) تراویح کی بیس رکعتیں مسنون ہیں، میرے نزدیک راجح یہی ہے۔ (**وهى عشرون ركعة بعشر تسليمات فلو فعلها بتسليمة فإن قعد لكل شفعة صحت بلا كراهة "إلخ.**

وفى الشامية: وهو قول الجمهور، وعليه عمل الناس شرقاً وغربا. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۲/ ۴۵، ط: سيعد)

(۲) حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا صلوٰۃ اللیل؛ یعنی تہجد کیساتھ متعلق ہے۔ (**قال ابن حجر: وظهر لى أن الحكمة فى عدم الزيادة على إحدىٰ عشرة أن التهجد والوتر مختص بصلاة الليل وفرائض النهار الظهر وهى أربع والعصر وهى أربع والمغرب وهى ثلاث وتر النهار فناسب ان تكون صلاة الليل كصلاة النهار فى العدد جملة وتفصيلا. (فتح البارى شرح البخارى، كتاب الصلاة، باب كيف صلاة النبى صلى الله عليه وسلم وكم كان النبى صلى الله عليه وسلم يصلى من الليل: ۴/ ۲۶-۲۷، ط: مصر)**

(۳) حدیث جابر رضی اللہ عنہ کو صحیح ابن حبان سے نقل کیا گیا ہے اور اس کو صحیح بتایا گیا ہے میرے خیال میں وہ متکلم فیہ ہے ابن حبان کے علاوہ اس کو طبرانی اور صحیح ابن خزیمہ اور قیام اللیل للمروزی کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے۔ (**رواه الطبرانى فى الصغير ومحمد بن نصر المروزى فى قيام الليل وابن خزيمة وابن حبان صححهما وفى إسناده لين(التعليق الحسن على آثار السنن، باب التراويح بثمان ركعات، ص: ۲۰۲، ط: إمدادية، ملتان)**

(۴) حدیث ابن عباسؓ اگر چہ ضعیف ہے، مگر اس کی تائید دوسری روایات سے اور عمل امت سے ہوتی ہے۔ (**وهى كانت ضعيفة، لكنها تقوىٰ حديث ابن عباس فلا شک فى كونه حسنا بل لايبعد أن يقال أنه صحيح لغيره. (التعليق الحسن علىٰ آثار السنن، باب التراويح بثمان ركعات، ص: ۱۹۹، ط إمدادية، ملتان)**

(۵) سائب بن یزید کی روایت صحیح ہے۔ (**عن السائب بن يزيد ثم ساقه: قلت: "رجال إسناده كلهم ثقات إلخ التعليق الحسن علىٰ آثار السنن، كتاب الصلاة، أبواب قيام شهر رمضان، باب فى التراويح بعشرين ركعات، ص: ۲۰۲، ط، إمدادية، ملتان، حقانية ملتان، انيس)**

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳/ ۳۹۸-۳۹۹) ==

ایک حدیث کی تحقیق:

سوال: ”عن ابن عباس قال کان النبی صلی الله علیه وسلم یصلی فی شهر رمضان فی غیر جماعة بعشرین رکعة والوتر“. (البیهقی)(۱)

مندرجہ بالا حدیث کی تحقیق مطلوب ہے، صحیح ہے، یا ضعیف؟

(المستفتی: ۸۶۳، حافظ محمد شریف سیالکوٹ، ۲۲/محرم ۱۳۵۵ھ، ۱۵/اپریل ۱۹۳۶ء)

== سوال: عن جابر قال صلی بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم فی شهر رمضان ثمان رکعات أوتر. (آثار السنن، کتاب الصلاة، أبواب قیام شهر رمضان، باب التراویح بثمان رکعات: ۲۰۰، رقم الحدیث: ۷۷٤، حقانیة ملتان، انیس)

گزارش ہے کہ مندرجۂ بالا حدیث کی صحت یا عدم صحت تحریر فرما کر مشکور فرمائیں، اگر صحیح یا حسن ہو تو لفظ صحیح یا حسن لکھ دیں اور اگر ضعیف ہو تو ضعیف تحریر فرمادیں اور یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ ابن عباس والی روایت اور مذکورۂ بالا روایت میں سے کونسی اصح ہے؟

(المستفتی: ۹۷۴، بشیر احمد خاں (سیالکوٹ) ۱۳/ربیع الاول ۱۳۵۵ھ/جون ۱۹۳۶ء)

الجواب

(از نائب مفتی صاحب) یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی تراویح کے بارے میں صحیح ہے، لہذا آٹھ رکعت تراویح تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت حقیقہ ہے اور بیس رکعت تراویح بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی ہے؛ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین. (ابن ماجة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین المهدیین، ص: ٥، ط: میر محمد کتب خانه کراچی)

اور اسی بیس رکعت تراویح پڑھنے کا قول وعمل جمہور علما کا شرقاً وغرباً ہے، اور اسی بیس رکعت کے پڑھنے میں آٹھ رکعت بھی پڑھی جاتی ہیں جو کہ بعینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت حقیقہ ہے۔ فتاویٰ شامی میں ہے: (قوله وهی عشرون رکعة) هو قول الجمهور وعلیه عمل الناس شرقا وغربا، إلخ. (مبحث صلاة التراویح: ٤٥/٢، ط: سعید) (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراویح: ٤٩٥/٢-٤٩٦، مکتبة زکریا دیوبند، انیس) فقط واللہ اعلم

حبیب الرحمٰن عفی عنہ نائب مفتی (کفایت المفتی: ۳۹۷/۳)

سوال مثل بالا:

سوال: بندہ نے حضور سے ایک سوال کیا تھا جو کہ ۱۶/اپریل ۱۹۳۶ء کو لکھا اور آپ کا نمبر: ۹۷۴ ہے، جواب پر آپ کے دستخط نہیں ہیں، لہذا دوبارہ آپ کو تکلیف دیتا ہوں، نائب مفتی صاحب نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو صحیح فرمایا ہے، آپ کی کیا رائے ہے؟

(المستفتی: ۱۰۱۵، بشیر احمد خاں (سیالکوٹ) ۲/ربیع الثانی ۱۳۵۵ء م ۲۳/جون ۱۹۳۶ء)

الجواب

(از نائب مفتی صاحب) حضرت جابر کی روایت کی تصحیح غلطی سے ہوگئی ہے ہم کو معلوم نہیں کہ فتح الباری کے کس باب میں یہ حدیث ہے، آپ پورا پتہ تحریر کیجئے۔ (حبیب المرسلین عفی عنہ) حضرت جابر کی روایت منقولہ فی السوال فتح الباری میں کس باب میں ہے؟ پورا پتہ تحریر کیجئے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۹۷/۳-۳۹۸)

(۱) السنن الکبریٰ للبیقهی، باب ماروی فی عدد رکعات القیام: ۲۲۲/۲، رقم الحدیث: ٤٧٩٩، انیس

الجواب

یہ حدیث ”كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى فى رمضان فى غير جماعة بعشرين ركعة والوتر“ مصنف ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، بغوی، طبرانی، بیہقی کی طرف منسوب کی گئی ہے اور اس کو ضعیف کہا گیا ہے۔ (کذا فی مجموعۃ الفتاویٰ)(۱) مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز جماعت کے ساتھ بھی تراویح پڑھائی ہے اور وہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳۹۶/۳)

حدیث تراویح کے متعلق سوال:

سوال: عن السائب بن يزيد أن عمر بن الخطاب: جمع الناس فى رمضان علىٰ أبى بن كعب وعلىٰ تميم الدارى علىٰ إحدى وعشرين ركعة. قال ابن عبد البر: هو محمول علىٰ أن الواحدة للوتر. (۲)

یہ حدیث آپ نے بحوالہ عینی، جلد دوم صفحہ: ۳۵۷ تحریر فرمائی ہے، مہربانی فرما کر یہ بھی تحریر فرماویں کہ کون سی عینی میں ہے، عینی شرح ہدایہ میں، یا عینی شرح بخاری میں؟ اور کس چھاپہ کے صفحہ نمبر: ۳۵۷ پر ہے اور کس مسئلہ کے بیان میں ہے؟

الجواب

عن السائب بن يزيد أن عمر بن الخطاب جمع الناس فى رمضان علىٰ أبى بن كعب وعلىٰ تميم الدارى علىٰ إحدىٰ وعشرين ركعة، إلخ. قال ابن عبد البر: هو محمول علىٰ أن الواحدة للوتر. (۳)

(۱) قال ابن عباس: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى فى شهر رمضان فى غير جماعة بعشرين ركعة والوتر (سنن البيهقى، باب ماروى فى عدد ركعات القيام فى شهر رمضان: ۲۲۲/۲، رقم الحديث: ۴۷۹۹، انيس)

عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلى فى رمضان عشرين ركعة والوتر. (مصنف ابن أبى شية، باب كم يصلى فى رمضان من ركعة، رقم الحديث: ۷۶۹۲/۲، المعجم الكبير للطبرانى، مقسم عن ابن عباس، رقم الحديث: ۱۲۱۰۲، انيس)

عن ابن عباس قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى فى رمضان عشرين ركعة ويوتر بثلاث. (المنتخب من مسند عبد بن حميد، ت: صبحى، مسند ابن عباس رضى الله عنه، رقم الحديث: ۶۵۳، انيس)

عن ابن عباس أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يصلى فى رمضان عشرين ركعة سوى الوتر. (المعجم الأوسط، من اسمه أحمد، رقم الحديث: ۷۹۸، انيس)

لکن سند ایں روایات ضعیف ست۔ (مجموعۃ الفتاویٰ علی ہامش خلاصۃ الفتاوی، کتاب الصلاۃ: ۱۱۴/۱، ط: امجد اکیڈمی، لاہور)

(۲) عمدة القارى شرح صحيح البخارى، كتاب التراويح، فصل من قام رمضان: ۲۴۵/۸، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۳) (كتاب صلاة التراويح، كتاب الصوم کے آخر میں ہے۔) (عمدة القارى شرح البخارى، الجلد الثامن، كتاب الصوم، كتاب التراويح، فضل من قام رمضان: ۲۴۵/۸، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

مولوی عبدالحیٔ صاحب ''تحفۃ الاخیار،ص:۱۹۱،مطبوعہ یوسفی'' میں یوں نقل فرماتے ہیں:

قال ابن عبد البر فی شرح الموطأ:روی غیر مالک فی هذا الحدیث أحد وعشرون وهو الصحیح. فقط

محمد ابراہیم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۹۵-۲۹۶)(۱)

---

(۱) **ضمیمہ:** سائل نے سائب بن یزید کی روایت کے بارے میں مفتی صاحب قدس سرہ سے پوچھا ہے کہ یہ حدیث آپ نے بحوالۂ عینی تحریر فرمائی ہے،الخ۔

سائل کا اشارہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے جس فتویٰ کی طرف ہے،وہ ترتیب میں شامل ہونے سے رہ گیا ہے،چوں کہ وہ فتویٰ مفصل ومدلل ہے؛اس لیے رجسٹر ۱۳۳۴ھ،صفحہ:۵۰۲،نمبر سلسلہ:۱۶۳۴ سے وہ سوال وجواب ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

سوال: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو کتے رکعت تراویح پڑھنے،یا پڑھانے کا حکم دیا تھا؛یعنی انتظام کیا تھا؟ صحیح حدیث کا حوالہ دیں۔بینوا توجروا۔

الجواب

حدیث مرفوع صحیح لذاتہ سے فقط دوامر ثابت ہیں:

اول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو تراویح کی ترغیب فرمایا کرتے تھے؛مگر اس حدیث میں کچھ عدد مذکور نہیں،جیسا کہ بخاری شریف میں ہے:

عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال:سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول لرمضان:''من قامه إیماناً واحتساباً غفر له ماتقدم من ذنبه''.(صحیح البخاری،کتاب الصوم،کتاب صلاة التراویح،باب فضل من قام رمضان:۱/۲۶۹،رقم الحدیث:۱۹۶۴،اشرفی بکڈپو،انیس)

یعنی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم فضیلتِ رمضان کی بابت فرماتے تھے کہ''جو شخص فضیلتِ رمضان کا اذعان اور طلبِ آخرت کرتے ہوئے قیامِ رمضان کرے گا،اس کے سارے گذشتہ گناہوں کی مغفرت ہوجائے گی''۔قیامِ رمضان سے مراد صلاۃ تراویح ہے،جیسا کہ علامہ عینی نے کرمانی سے نقل کیا ہے۔

دوم یہ ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود تین دن صلاۃ تراویح کی جماعت کا اہتمام فرمایا،حتی کی لوگوں کو اور گھر والوں کو اور عورتوں کو جمع فرمایا؛لیکن تین دن سے زائد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اہتمام نہ رکھا؛ بلکہ جماعت کی مداومت ترک فرمادی،جس کی وجہ خاص ہے۔

عن أبی ذر رضی اللّٰه عنه قال:''صمنا مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فلم یقم بنا شیئاً من الشهر حتی بقی سبع فقام بنا حتٰی ذهب ثلُث اللیل،فلما کانت السادسة لم یقم بنا،فلما کانت الخامسة قام بنا حتی ذهب شطر اللیل،فقلت :یا رسول اللّٰه لونفلتنا قیام هذه اللیلة،فقال:''إن الرجل إذا صلی مع الإمام حتی ینصرف حُسب له قیام لیلة''،فلما کانت الرابعة لم یقم بنا حتٰی بقی ثلث اللیل،فلما کانت الثالثة جمع أهله ونساء ه والناس فقام بنا حتٰی خشینا أن یفوتنا الفلاح،قلت:وما الفلاح ؟قال:السحور،ثم لم یقم بنا بقیة الشهر''.{رواه أبوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجة} (مشکٰوة،کتاب الصلاة،باب قیام شهر رمضان،الفصل الثانی،ص:۱۱۴)

اس حدیث سے صلاۃ تراویح کی سنیت بخوبی ثابت ہوتی ہے اور جماعت کا ثبوت بھی بوجہ احسن ہوتا ہے،اگرچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر خاص کی وجہ سے جماعت پر مواظبت ترک فرمادی،جو احادیث میں صریحاً مذکور ہے؛مگر اس میں بھی مثل ماسبق رکعات کے عدد کچھ مذکور نہیں ہیں،ہاں اس کے لیے اور حدیث حسن لغیرہ اور آثار صحابہ بکثرت موجود ہیں۔ ==

حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی تحقیق:

سوال: بندہ کا بھائی بشیر احمد خاں آپ سے تراویح کے متعلق سوال کر کے جواب پا چکا ہے، آخری جواب آپ کی

== روی ابن أبی شیبة من حدیث ابن عباس رضی اللّٰه عنهما: ''أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة الوتر''. (مصنف ابن أبی شیبة، کتاب الصلاة، کم یصلی فی رمضان من رکعة: ۳۹٤/۲، رقم الحدیث: ۷۷۷٤، انیس)

اس حدیث سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ صلاۃ تراویح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس رکعتیں پڑھی ہیں، ہاں اس میں شک نہیں ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے؛ لیکن یہ کچھ مضر نہیں؛ کیوں کہ اس کے مؤیدآ ثار صحابۂ کرام بکثرت موجود ہیں اور یہ حدیث بالفرض چھوڑ بھی دی جائے تو افعال واقوال صحابۂ کرام آپ کے قول وفعل کے مفسر بن سکتے ہیں اور وہ بکثرت موجود ہیں۔ (مفتی علام قدس سرہ نے جن آثار کا حوالہ دیا ہے، وہ یہ ہیں:)

(۱) عن شتیر بن شکل أنه کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر. (مصنف ابن أبی شیبة، کتاب الصلاة، کم یصلی فی رمضان من رکعة: ۳۹۳/۲، رقم الحدیث: ۷۷٦۲، انیس)

(۲) عن أبی الحسناء، أن علیاً: أمر رجلاً یصلی بهم فی رمضان عشرین رکعة. (المصدر السابق، رقم الحدیث: ۷۷٦۳، انیس)

(۳) عن یحیی بن سعید، أن عمر بن الخطاب: أمر رجلاً یصلی بهم عشرین رکعة. (المصدر السابق، رقم الحدیث: ۷۷٦٤، انیس)

(۴) عن عبد العزیز بن رفیع قال: کان أبی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة و یوتر بثلاث. (المصدر السابق، رقم الحدیث: ۷۷٦٦، انیس)

(۵) عن الحارث أنه کان یؤم الناس فی رمضان باللیل بعشرین رکعة ویوتر بثلاث ویقنت قبل الرکوع. (المصدر السابق، رقم الحدیث: ۷۷٦۷، انیس)

(۶) عن أبی البختری أن کان یصلی خمس ترویحات فی رمضان ویوتر بثلاث. (المصدر السابق، رقم الحدیث: ۷۷٦۸، انیس)

(۷) عن عطاء قال: أدرکت الناس وهم یصلون ثلا ثا وعشرین رکعة بالوتر. (المصدر السابق، رقم الحدیث: ۷۷۷۰، انیس)

(۸) عن سعید بن عبید أن علی بن ربیعة کان یصلی بهم فی رمضان خمس ترویحات ویوتر بثلاث. (المصدر السابق، رقم الحدیث: ۷۷۷۲، انیس)

آثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم:

عن السائب بن یزید رضی اللّٰه عنه قال: کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه فی شهر رمضان بعشرین رکعة. (آثار السنن، کتاب الصلاة، أبواب قیام شهر رمضان، باب فی التراویح بعشرین رکعات، ص ۲۰۱، رقم الحدیث: ۷۷۸، مکتبة حقانیة ملتان، انیس) یہ اثر صریحاً اجماعِ صحابہ پر دال ہے۔

عن أبی الحسناء أن علیاً أمر رجلاً یصلی بهم فی رمضان عشرین رکعة. (مصنف ابن أبی شیبة، کتاب الصلاة کم یصلی فی رمضان من رکعة: ۳۹۳/۲، رقم الحدیث: ۷۷٦۳، انیس) ==

طرف سے مکمل نہیں ہوا اور آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ حضرت جابر والی روایت فتح الباری میں کہاں ہے؟ چوں کہ بھائی صاحب وزیا پٹم گئے ہوئے ہیں، آج ان کا خط آیا تو اس میں تراویح کا ذکر تھا اور آپ کے متعلق بھی، لہذا دوبارہ عرض کرتا ہوں:

عن ابن عباس قال: كان النبى صلى الله عليه وسلم يصلى فى شهر رمضان فى غير جماعة بعشرين ركعة والوتر. (بيهقى)(۱)

عن جابر بن عبد الله رضى الله عنه قال صلىٰ بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فى شهر رمضان ثمان ركعات وأوتر. (۲)

(المستفتی: ۱۱۷۹، حافظ محمد شریف سیالکوٹ، ۲۲/ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ ۱۰/ستمبر ۱۹۳۶ء)

== وعن زيد بن وهب قال: كان عبد الله بن مسعود رضى الله عنه يصلى لنا فى شهر رمضان فينصرف وعليه ليل، قال الأعمش: كان يصلى عشرين ركعة ويوتر بثلاث. (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، كتاب الصوم، كتاب التراويح، باب فضل من قام رمضان: ۲٤٦/۸، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

الحاصل ان تمام آثار سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ تراویح مسنون ہے، اور بیس رکعت ہے اور سب سے بڑھ کر اور قوی دلیل تو یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت کا حکم دیا تو تمام صحابہ حاضرین وغائبین نے سکوت کیا، کسی سے انکار ثابت نہیں، یہ اجماع پر دال ہے اور "فعليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين". (مشكوة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثانى، ص: ۳۰، فيصل بكڈپو، انيس)، "وأصحابى كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم" (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، كتاب جزاء الصيد، باب الاغتسال للمحرم: ١٠٤/١٦، انيس) پر نظر رکھتے ہوئے کوئی مسلمان بشرط انصاف تراویح کی بیس رکعت کی سنت کا انکار نہیں کرسکتا، پس حق یہ ہے کہ بیس رکعت تراویح کی مسنون ہیں، جیسا کہ ترمذی نے اکثر اہل علم سے حکایت کیا ہے۔

وقال ابن حجر: أجمع الصحابة علىٰ أن التراويح عشرون ركعة، وقال ابن عبد البر: وهو قول جمهور العلماء.

اور وہ آثار جن میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو تراویح پڑھانے کا حکم دیا ہے، وہ یہ ہیں:

عن السائب بن يزيد أن عمر بن الخطاب رضى الله عنهما جمع الناس فى رمضان علىٰ أبى بن كعب وعلىٰ تميم الدارى رضى الله عنهما علىٰ إحدى وعشرين ركعة، الخ.

قال ابن عبد البر: هو محمول علىٰ أن الواحدة للوتر. (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، كتاب الصوم، كتاب التراويح، باب فضل من قام رمضان: ٢٤٥/٨، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما دونوں کو امام بنایا کہ لوگوں کو اکیس رکعت رمضان میں پڑھائیں، جس میں بیس تراویح ہیں اور ایک وتر، جیسا کہ ابن عبد البر نے کہا ہے۔

سائب بن یزید کی اس روایت سے تراویح کی بیس رکعتیں ثابت ہوگئیں اور یہ مبحث سے خارج ہے کہ وتر کی کئے رکعتیں ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کے بارہ میں گیارہ و تیرہ وغیرہ کی بھی روایتیں ہیں، جن کو شراح حدیث ابتداء زمانہ عمر رضی اللہ عنہ پر محمول کرتے ہیں جب تک کہ اہتمام وانضباط تراویح کے متعلق ہوا تھا۔ فقط (ضمیمہ، ص: ۶ تا ۹، محمد امین)

(۱) السنن البيهقى، كتاب الصلاة، باب ما روى فى عدد ركعات القيام: ٢٢٢/٢، رقم الحديث: ٧٤٩٩، انيس

(۲) آثار السنن، كتاب الصلاة، باب التراويح بثمان ركعات، ص: ٢٠٠، رقم الحديث: ٧٧٤، حقانية ملتان، انيس

الجواب

حدیث ابن عباس جس کو ابوبکر ابن ابی شیبہ اور عبد بن حُمید اور بغوی اور طبرانی اور بیہقی نے روایت کیا ہے، ضعیف ہے۔ (کذا فی آثار السنن)(۱) اور حدیث جابر بن عبداللہ جس کو طبرانی اور مروزی اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے، اس کی سند میں عیسیٰ بن جاریہ ایک روای ہے، جس کو ابوداؤد نے منکر الحدیث اور ابن معین نے عندہ مناکیر اور نسائی نے منکر الحدیث اور متروک بتایا ہے اور حافظ ابن حجر نے تقریب میں فیہ لین کہا ہے، البتہ خزاعی نے ابن حبان سے توثیق نقل کی ہے، اسی طرح ابوزرعہ سے یہ منقول ہے۔ (کذا فی آثار السنن)(۲) اس بنا پر حدیث جابر کو بھی صحیح کے درجے میں نہیں سمجھا جاسکتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳۹۹/۳)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

سوال: گزارش ہے کہ آپ کا جواب:۱۱۷۹، موصول ہوا، جواباً معروض ہے کہ جس حدیث کو جناب صحیح تحریر فرما چکے ہیں، اس کو دوبارہ نہ ضعیف اور نہ صحیح فرماتے ہیں، جب ایک دفعہ دارالافتاء سے ہمیں یہ الفاظ پہنچ چکے ہیں کہ ''یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی تراویح کے بارے میں صحیح ہے'' تو پھر کیا وجہ ہے کہ دوبارہ آپ البتہ سے کام چلانا چاہتے ہیں، اگر آپ فرمائیں کہ میرے دستخط نہیں تو اس کے متعلق غور سے سنئے گا، ہمارے مخاطب آپ، آپ کے نام ہمارا سلام کلام، آپ کا پتہ، پس دوسرا کون جو دخل در معقولات کرے، بالفرض اگر آپ نے مندرجہٴ بالا حدیث کے بعض رواۃ کے متعلق کلام فرمایا ہے تو ہماری گزارش سن کر جواب مرحمت فرمائیں؟

اول آپ کا مندرجہٴ بالا فتویٰ دوم حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری مطبوعہٴ دہلی صفحہ:۴ میں اس امر کی تصریح فرمادی ہے کہ ہم جو حدیث فتح الباری میں ذکر کریں گے، اس شرط سے ذکر کریں گے کہ وہ حدیث یا تو صحیح ہوگی، یا حسن ہوگی، الفاظ ملاحظہ ہوں، **بشرط الصحة او الحسن**، سوم علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال جلد:۲ رصفحہ:۲۸۰ میں اسی حدیث کو اسی سند سے نقل فرمایا ہے، جس سند سے امام محمد بن نضر نے روایت کیا ہے، فرق دونوں میں صرف اسی قدر

---

(۱) وقد أخرجه عبد بن حميد الكشي في مسنده والبغوي في معجمه والطبراني في معجمة الكبير والبيهقي في سننه كلهم من طريق أبي شيبة إبراهيم بن عثمان جد اللإمام أبي بكر بن أبي شيبة، وهو ضعيف. (التعليق الحسن علىٰ آثار السنن، كتاب الصلاة، باب التراويح بعشرين ركعات ص:۱۹۹، ط:إمدادية ملتان)

(۲) قال ابن معين: "عنده مناكير" وقال النسائي: "منكر الحديث وجاء عنه متروك... وقال ابو دأد: "منكر الحديث" وقال الحافظ ابن حجر: في التقريب "فيه لين، إلخ. (التعليق الحسن علىٰ آثار السنن، كتاب الصلاة، باب التراويح بثمان ركعات، ص:۲۰۲، ط، رقم الحديث: ۲۷۷، إمدادية ملتان)

ہے کہ اس سند میں بجائے محمد بن حمید کے جعفر بن حمید ہیں، اس کے بعد علامہ صالب نے اس کی سند کی نسبت فرمایا ہے: إسناده وسط، چہارم مولانا عبدالحئی لکھنوی نے موطا امام محمد کے حاشیہ "التعليق الممجد" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی روایت تحریر فرما کر لکھا ہے: هٰذا أصح. (موطأ الإمام محمد، باب قيام رمضان)(۱)

(المستفتی: ۱۱۹۶، حافظ محمد شریف (سیالکوٹ) ۶/رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۳/ستمبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

مدرسہ امینیہ کے دارالافتاء میں تمام استفتے میرے نام ہی آتے ہیں، میں جتنے فتووں کا جواب خود لکھ سکتا ہوں، لکھتا ہوں، باقی جواب نائب مفتی مولانا حبیب المرسلین صاحب لکھتے ہیں، یہ فتویٰ جس کا آپ ذکر کرتے ہیں، ان کا لکھا ہوا تھا، میں نے دیکھا بھی نہیں تھا، جب آپ کا دوسرا خط آیا تو میں نے ان سے دریافت کیا اور رجسٹر نقول پر اس کی نقل دیکھی اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی سند کی تحقیق کی تو یہ بات مجھے تحقیق سے معلوم ہوئی، جو میں نے آپ کو لکھ کر بھیج دی۔

حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی سند کے متعلق بے شک میزان الاعتدال میں یہ لفظ لکھا ہے: "إسناده وسط"(۲) مگر "إسناده صحيح" تو نہیں لکھا اور حافظ ابن حجرؒ کے فتح الباری میں ذکر کرنے سے بھی صحت لازم نہیں؛ کیوں کہ وہ حدیث حسن بھی اس میں لا سکتے ہیں اور جب کہ اس کی سند میں ایک مجروح روای موجود ہے،(۳) تو صحت کا حکم مشکل ہے، مولانا عبدالحئی کے هذا أصح کہنے سے بھی لازم نہیں کہ فی حد ذاتہ بھی صحیح ہے؛ کیوں کہ اصح میں صحت اضافی مراد ہوتی ہے، ہاں! ابن حبان نے اس کو اپنے صحیح میں درج کیا، اس سے اتنا سمجھا جا سکتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہوگی، روای کے جرح وتعدیل میں اختلاف ہونے کی بنا پر حدیث کی صحت وضعف میں بھی یہ اختلاف ہو جاتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳/۴۰۰-۴۰۱)

کیا غیر رمضان میں تراویح، تہجد کی نماز کو کہا گیا ہے:

سوال: کیا غیر رمضان میں تراویح، تہجد کی نماز کو کہا گیا ہے؟ اور یہ کہ تہجد کی کتنی رکعتیں ہیں؟ قرآن وحدیث کے حوالے سے جواب دیجئے۔

(۱) موطأ الإمام محمد، باب قيام رمضان، ص: ۱۳۸، ط: مير محمد كتب خانه، كراچی

(۲) ميزان الإعتدال، عيسىٰ بن جارية الأنصاري: ۳/۱۱۲۱، دار المعرفة بيروت، انيس

(۳) وفي إسناده لين، قلت: "مداره علىٰ عيسى بن جارية" قال الذهبي: "قال ابن معين: "عنده مناكير" وقال النسائي: "منكر الحديث وجاء عنه متروك وقال أبوزرعة: "لابأس به ... وقال أبوداؤد: "منكر الحديث"، وقال الحافظ ابن حجر في التقريب: فيه لين، إلخ. (التعليق الحسن علىٰ آثار السنن، كتاب الصلاة، باب التراويح بثمان ركعات، ص: ۲۰۲، رقم الحديث: ۲۷۷، ط: امدادية)

الجواب

تہجد الگ نماز ہے، جو کہ رمضان اور غیر رمضان دونوں میں مسنون ہے، تراویح صرف رمضان مبارک کی عبادت ہے، تہجد اور تراویح کو ایک نماز نہیں کہا جا سکتا۔(۱) تہجد کی کم سے کم رکعات دو ہیں اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعات ہیں، اور درمیانہ درجہ چار رکعات ہیں؛ اس لیے آٹھ رکعتوں کو ترجیح دی گئی ہے،(۲) دس اور بارہ رکعات تک بھی ثبوت ملتا ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۶۲/۴)

نماز تراویح کی تفصیل:

سوال: نماز تراویح کی تفصیل بیان فرمایئے؟

الجواب

نماز تراویح کا بیان اکثر فقہاء کرام نے یہ لکھا ہے کہ نماز تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور بعض فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ نماز تراویح سنت حضرت عمرؓ کی ہے اور فتاوی میں اس مسئلہ میں بہت فروع ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے کہ وہ نماز تہجد کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ایک مرتبہ جماعت کے ساتھ ادا کی اور بخاری میں تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں اور رمضان کے سوا دوسرے مہینوں میں رات میں بعض نماز عشاء کے گیارہ رکعت سے زیادہ نماز ادا نہیں کی، البتہ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے اور وہ حدیث بیہقی کے نزدیک ضعیف ہے کہ رمضان میں بیس رکعت نماز بھی ثابت ہے اور نہیں معلوم ہوتا کہ خلفاء راشدین نے یہ نماز پڑھی ہے؛ بلکہ روایت میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا:

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: خیر الفتاویٰ: ۵۷۲/۲-۵۷۸

(۲) أقل التهجد ركعتان وأوسطه أربع وأكثره ثمان. (ردالمحتار: ۲/ ۲۵، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في صلاة الليل: ۲/ ٤٦٨، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

أيضا وفي رواية: إن صلاته بالليل خمس عشرة ركعة، كما قال النووي في شرح مسلم: فأكثره خمس عشرة بركعتي الفجر، آه.

وفي أخرى سبع عشرة تردد فيهما المحدثون، روى ابن المبارك من حديث طاؤس مرسلاً: كان يصلي صلى الله عليه وسلم سبع عشرة ركعة من الليل، آه. أخرجه العراقي في تخريج أحاديث الإحياء.

وفي التلخيص (ص: ۱۱٦) وفي حواشي المنذري: قيل: أكثر ماروى في صلاة الليل سبع عشرة وهي عدد ركعات اليوم والليلة، آه. (معارف السنن للعلامة البنوري، كتاب الصلاة: ۱۳۳/٤، بيان أكثر صلاته باالليل وأقل ما ثبت، طبع المكتبة البنورية كراچی)

"نعمت البدعة هٰذه والتی ینامون عنها أفضل من التی یقومون فیها". (۱)

(یعنی: یہ کیا خوب بدعت ہے، جس سے غافل ہوکر تم سورہتے ہو، وہ بہتر ہے اس سے، جس کے لیے تم کھڑے ہوتے ہو۔) (فتاویٰ عزیزی، ص: ۸۱-۸۲)

تراویح سنت رسول ہے، یا سنت خلفاء راشدین:

سوال: نماز تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایجاد ہے؟

الجواب

نماز تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت خلفائے راشدین ہے۔ (۲) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۸۰)

تراویح سنت ہے، یا واجب، یا نفل:

سوال: صلوٰۃ تراویح سنت مؤکدہ ہے، یا واجب، یا نفل؟

الجواب

قال فی الدر المختار: التراویح سنة مؤکدة لمواظبة الخلفاء الراشدین، إلخ. (۳)

(پس معلوم ہوا کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ ظفیر) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۲۹۶)

تراویح سنت ہے، یا مستحب:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ تراویح سنت ہے اور بعض کہتے ہیں مستحب، میرے ایک دوست مرزا مبین بیگ

---

(۱) موطأ الإمام محمد، کتاب الصلاة، باب قیام شهر رمضان ومافیه من الفضل: ۱٤۱، أشرفی بکڈپو دیوبند، انیس

(۲) (التراویح سنة) مؤکدة لمواظبة الخلفاء الراشدین (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الواتر والنوافل، مبحث التراویح: ۱/۹۸، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

أی أکثرهم؛ لأن المواظبة علیها وقعت فی أثناء خلافة عمر رضی اللّٰه عنه ووافقه علیٰ ذلک عامة الصحابة ومن بعدهم إلیٰ یومنا هذا بلانکیر، وکیف لا، وقد ثبت عنه صلی اللّٰه علیه وسلم: "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضّوا علیها بالنواجذ"، کمارواه أبو داؤد، بحر. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث التراویح: ۲/٤۹۳، مکتبة زکریا دیوبند، ظفیر)

(۳) الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث التراویح: ۱/۹۸، مکتبة زکریا دیوبند، انیس)

وفی الشامی: وکیف لا، وقد ثبت عنه صلی اللّٰه علیه وسلم: "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضّوًا علیها بالنواجذ"، کما رواه أبو داؤد. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراویح: ۱/٦٥۹، ظفیر)

نے ایک کتاب دکھا کر ثابت کر دیا ہے کہ تراویح سنت ہے، جب کہ ۲۴؍نومبر کے مینارۂ نور میں درس حدیث کے تحت بیان کیا گیا کہ نماز تراویح نفل ہے، ان دو باتوں میں سے کون سی بات درست ہے؟ وضاحت کیجئے۔

(خواجہ نجم الدین، کریم نگر)

الجواب

اہل سنت والجماعت کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نماز تراویح اور اس کا جماعت سے ادا کرنا سنت موکدہ ہے:

"لا خلاف بین أهل السنة فی سنیة التراویح وأدائها بالجماعة سنة مؤکدة ".(۱)

کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے بہ اہتمام نماز تراویح کا ادا کرنا ثابت ہے، البتہ تراویح انفرادی طور پر بھی سنت موکدہ ہے اور تراویح کی جماعت سنت موکدہ علی الکفایہ ہے کہ اگر کچھ لوگ مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرلیں اور باقی لوگ گھر میں تو تارک سنت نہیں ہوں گے اور اگر مسجد میں تراویح کی جماعت ہی نہیں ہوتی تو سب لوگوں کو ترک سنت کا گناہ ہوگا، جہاں تک تراویح کو نفل کہنے کی بات ہے تو یاد رکھنا چاہیے کہ بعض دفعہ نفل کہہ کر مستحب مراد لیا جاتا ہے اور بعض دفعہ ان تمام احکام کو نفل سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، جو واجب نہ ہوں، اس لحاظ سے سنت پر بھی نفل کا اطلاق ہوتا ہے، آپ نے جس عبارت کا حوالہ دیا ہے، اس میں نماز تراویح کو نفل کہنے کا مقصد یہی ہے۔

(کتاب الفتاویٰ:۲/۴۱۰-۴۱۱)

ہر ترویحہ ایک نماز ہے، یا مجموعہ تراویح ایک نماز ہے:

سوال: بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ہر نماز کے بعد دعا مانگنا ثابت ہے؛ اس لیے تراویح میں بھی ہر چار رکعت کے بعد دعا مانگ سکتے ہیں اور اسی طرح وتر کے بعد بھی اجتماعی دعا ہوسکتی ہے؟

الجواب ــــــ حامدًا ومصلیاً

ہر نماز کے بعد دعا مانگنا درست ہے، مجموعہ تراویح بمنزلہ ایک ہے؛ اس لیے اس کے ختم پر دعا مانگتے ہیں،(۲) ہر چار

---

(۱) تقریر ترمذی، ص:۲۴

(۲) وقول تعالٰی:﴿فإذا فرغت فانصب﴾...وقال قتادة:"فإذا عرغت من صلاتک فانصب إلٰی ربک فی الدعاء".(أحکام القرآن للجصاص،ومن سورة: الم نشرح :۷۱۳/۳،قدیمی کتب خانة)

وعن علی بن ابی طالب قال:کان النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم:"إذا سلم من الصلاة قال:"اللّٰهم اغفرلی ما قدمت وما أخرت وما أسررت وما أعلنت وما أسرفت،وما أنت أعلم به منی،أنت المقدم والمؤخر لا إلٰه إلا أنت".

(سنن أبی داؤد،کتاب الصلاة،باب ما یقول الرجل إذا سلم: ۲۱۹/۱،مکتبة امدادیة ملتان/الصحیح لمسلم،باب الدعاء فی صلاة اللیل وقیامه،رقم الحدیث: ۷۷۱،انیس)

رکعت پر بھی اختیار ہے کہ ذکر، دعا، درود، تلاوت جو چاہیں کریں، اجتماعی دعا کا اہتمام ثابت نہیں، اس سے احتیاط کریں۔(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۱۳۸۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۵۹/۷)

مردوعورت پرتراویح کا سنت مؤکدہ ہونا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تراویح سنت کفایہ ہے، یا نہیں؟ درمختار میں ہے: تراویح سنت کفایہ ہے؟

الجواب

درمختار میں تراویح کا سنت کفایہ ہونا کہیں بھی مذکور نہیں، (۲) اس میں صاف لکھا ہے:

(التراويح سنة) مؤكدة للرجال والنساء إجماعًا. (۳) یہ صریح ہے سنت علی العین ہونے میں۔

۳۰/شوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۹۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۴۹۰/۱)

تراویح مردوعورت دونوں کے لیے سنت مؤکدہ ہے:

سوال (۱) تراویح مردوں کے لیے ہی سنت مؤکدہ ہے، یا عورت کے لیے بھی؟

(۲) ایک شخص نے ماہ رمضان میں فرض تنہا پڑھے تو کیا وہ وتر امام کے ساتھ باجماعت پڑھے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۰۳۹، ولی محمد (کاٹھیاواڑ) ۱۲/رمضان ۱۳۵۶ھ، ۱۷/نومبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

(۱) تراویح مردوں اور عورتوں سب کے لیے سنت مؤکدہ ہے؛ مگر عورتوں کے لیے جماعت سنت مؤکدہ نہیں۔(۴)

(۲) جو شخص تراویح کی جماعت میں شریک ہو جائے وہ وتر کی جماعت میں بھی شریک ہو سکتا ہے۔(۵)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۴۰۶/۳)

---

(۱) ويجلس) ندباً (بين كل أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر) ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلاة فرادى. (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۹۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۲) سائل کو دھوکہ ہوا ہے، درمختار میں تراویح کی ''جماعت'' کو سنت کفایہ لکھا ہے، نہ کہ ''تراویح'' کو۔ (سعید)

(۳) الدرالمختار مع الرد، باب الوتر و النوافل، مبحث التراويح: ۹۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۴) (التراويح سنة) مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) إجماعًا. (التنوير وشرحه، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۹۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۵) وكذا إذا لم يتابعه في التراويح لايتابعه في الوتر... إذا صلى مع الإمام شيئًا من التراويح يصلي معه الوتر... وكذا إذ صلى التراويح مع غيره له أن يصلي الوتر معه، وهو الصحيح، إلخ. (الحلبي الكبير، فصل في النوافل: ۳۰۵، دار الكتاب ديوبند، انيس)

عورتوں کے لیے بیس تراویح سنت مؤکدہ ہے:

سوال: عورتوں کے لیے رمضان المبارک میں تراویح کم سے کم کتنی رکعتین جائز ہیں،بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ بیس رکعت پوری پڑھی جائیں،ورنہ بالکل نہ پڑھیں،کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب ــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

عورتوں کے لیے بھی تراویح کی بیس رکعات سنت مؤکدہ ہیں،اگر طاقت نہ ہو بیٹھ کر پڑھیں،اگر اس کی بھی قدر نہ ہوتو جتنی پڑھ سکیں پڑھیں۔ **قال فی العلائیة:(التراویح سنة) مؤکدة لمواظبة الخلفاء الراشدین (للرجال والنساء) إجماعًا.**(۱)**فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم**

۲۰/شعبان ۱۳۹۷ھ (احسن الفتاویٰ:۳/۵۲۵)

مسافر،مریض اور عورت کے لیے تراویح کا حکم:

سوال: جن لوگوں پر نماز تراویح واجب نہیں،مثلاً مسافر،مریض،عورت اور غلام،اگر وہ تراویح پڑھ لیں تو کوئی کراہت تو نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

تراویح مرد وعورت دونوں کے لیے سنت مؤکدہ ہے،مسافر اور مریض کو اگر تراویح پڑھنے میں کسی قسم کی تکلیف اور پریشانی نہ ہو تو پڑھنا افضل ہے۔

قال فی العلائیة:(التراویح سنة)مؤکدة لمواظبة الخلفاء الرشدین (للرجال والنساء)إجماعًا.(۲)
وأیضا فیها: (ویأتی)المسافر(بالسنن)إن کان(فی حال أمن وقرار وإلا) بأن کان فی خوف وفرار(لا)یأتی بها هو المختار؛لأنه ترک للعذ رتجنیس.(۳)**فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم**

۳/جمادی الاولیٰ ۱۳۹۲ھ (احسن الفتاویٰ:۳/۵۲۲-۵۲۳)

سفر میں تراویح کا حکم:

سوال: سفر میں قصر تو لازم ہے ہی،تروایح بھی کیا ضروری پڑھنی پڑے گی،یا یہ بھی معاف ہوگی؟
(المستفتی: مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی)

---

(۱) رد المحتار،کتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل:۱/۶۵۹،انیس
(۲) ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل،مبحث صلاة التراویح:۲/۴۹۳،انیس
(۳) رد المحتار،کتاب الصلاة،باب صلاة المسافر:۲/۶۱۳،مکتبة زکریا دیوبند،انیس

الجواب

تراویح کی تاکید سفر میں نہیں رہتی، موقع ہوتو پڑھ لے بہتر ہے اور موقع نہ ہوتو ترک کر دینا جائز ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی:۳؍۴۰۴)

تراویح کی جماعت میں سنت عین کی فوقیت ہونا اور مصالح دینیہ کی بناپراس کی موافقت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین تراویح کے بابت تراویح کی جماعت سنت کفایہ ہے۔(از عالمگیری)

الجواب

واقعی ایک قول یہ بھی ہے؛ مگر دوسرا قول اس کے خلاف ہے۔(۲)

وقيل: إن الجماعة فيها (أي التراويح) سنة عين فمن صلاها وحده أساء وإن صليت في المساجد وبه كان يفتي ظهير الدين. (۳)

اوراس وقت مصالح دین پر نظر کر کے اس پر فتویٰ ہونا چاہیے۔

۳۰؍شوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ: ۹۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱؍۴۹۰-۴۹۱)

تراویح میں سنت طریقہ سے مقتدی ناخوش ہوں تو کیا حکم ہے:

سوال: اگر کسی مسجد کے امام، یا نگراں کار وغیرہ سنت طریقہ پر تراویح، یا کوئی دیگر کام کرنا چاہتے ہیں؛ مگر مصلی اور محلّہ کے لوگ ناراض ہوجائیں تو ایسی صورت میں امام اور متولی و منتظم مسجد وغیرہ کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامدًا ومصلياً

سنت طریقہ پر عمل کیا جائے خلاف سنت کاموں کو رواج نہ دیا جائے جو مصلی سنت پر عمل کرنے سے ناراض ہوں ان کو شفقت اور نرمی سے سمجھایا جائے کہ اس کام سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ناخوش ہوتے ہیں جو کہ مسلمان کے لئے کسی طرح زیبا نہیں، آپ کو ناراض کر کے قیامت میں کیسے شفاعت کی درخواست کر سکیں گے اور بغیر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کے کیسے نجات ملے گی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲؍۱۰؍۱۳۸۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷؍۲۷۵)

---

(۱) (ويأتي) المسافر (بالسنن) إن كان (في حال أمن وقرار وإلا) بأن كان في خوف وفرار لا يأتي بها هو المختار. (التنوير وشرحه، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر: ۲/ ۱۳۱، ط: سعيد)

(۲) والجماعة فيها سنة على الكفاية. (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/ ٤۹٥، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۳) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۲/ ٤۹٥، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

ایک ختم کے بعد تراویح پڑھنا:

سوال: تراویح میں ایک قرآن ختم کر لینے کے بعد بقیہ ایام میں تراویح پڑھنا ضروری ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

نفسِ تراویح کے مسنون ہونے میں اختلاف ہے۔بعض علما نفسِ تراویح کو بغیر قرآن کے مسنون نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ تراویح کا مسنون ہونا ختم قرآن کی وجہ سے ہے اور بعض علما نفس تراویح کو مستقل سنت اور قرأت قرآن، سماع قرآن کو سنت مستقلہ کہتے ہیں۔

لہٰذا پہلے قول کے مطابق ختم قرآن کے بعد تراویح کی سنت باقی نہیں رہی اور دوسری جماعت کے نزدیک ختم قرآن سے ایک سنت ادا ہوگئی اور ایک سنت تراویح کی آخر رمضان تک باقی ہے۔صاحب فتاویٰ عالمگیر یہ اور دوسرے فقہا نے قولِ ثانی کو اصح قرار دیا۔(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۱۸-۲۱۹)

کیا سات روزہ تراویح جائز ہے، جب کہ تلفظ بھی صحیح نہیں ہوتا:

سوال: کیا پانچ روزہ، یا سات روزہ تراویح ابتدائے اسلام سے رائج ہے، یا ہم نے اپنی سہولت کے لیے اسلامی قدروں کو اپنی مرضی سے ڈھال لیا؟ جب کہ تلفظ اور صحیح ادائیگی نہایت ضروری ہے، یہاں یہ پتا نہیں چلتا کہ پیش امام صاحب کیا پڑھ رہے ہیں؟ بس قرآن ختم ہوگیا پانچ دنوں میں۔

الجواب ـــــــــــــــــــ

تراویح کی نماز پورے رمضان المبارک کی سنت مؤکدہ ہے،(۱) اور تراویح میں پورا قرآن کریم سننا ایک مستقل سنت ہے،(۲) جو حضرات پانچ یا سات دن میں قرآن مجید سن لیتے ہیں، وہ تراویح کی نماز سے فارغ نہیں ہوجاتے؛ بلکہ پورے رمضان تراویح ادا کرنا ان کے ذمے رہتا ہے۔(۳)

---

(۱) ونفس التراويح سنة على الأعيان عندنا ،كما روى الحسن عن أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ .(الفتاویٰ الهندية: ۱۱۶/۱، كتاب الصلا ة، الباب التاسع فى النوافل، فصل فى التراويح، طبع:رشيديه)

(۲) السنة فى التراويح إنما هو الختم مرة فلا يترک لكسل القوم.(الفتاویٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب التاسع فى النوافل،فصل فى التراويح: ۱۱۷/۱، انيس)

(۳) لوحصل الختم ليلة التاسع عشر أوالحادى والعشرين لا تترک التراويح فى بقية الشهر لأنها سنة ،كذا فى الجوهرة النيرة:الأصح أنه يكره له الترک،كذا فى السراج الوهاج. (الفتاویٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب التاسع فى النوافل،فصل فى التراويح: ۱۱۸/۱،انيس)

تراویح میں قرآن سنانے کے لیے یہ شرط ہے کہ ایسا صاف پڑھا جائے کہ ایک ایک لفظ سمجھ میں آئے، جولوگ اتنی تیز پڑھتے ہیں کہ کچھ پتا نہیں چلتا کہ کیا پڑھ رہے ہیں، وہ نہایت غلط کرتے ہیں، ان کا پڑھنا نہ پڑھنا برابر ہے؛ بلکہ اس طرح پڑھنا ثواب کے بجائے موجب وبال ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۹۰/۴)

تراویح پڑھے اور دن میں روزہ نہ رکھ سکے تو کیا حکم ہے:

سوال: جس روز رات کوتراویح پڑھے اگر صبح کوروزہ نہ رکھے تو کیا حکم ہے؟

الجواب ———————————

اگرکوئی عذر ہے، مثلاً مرض، یا سفر ہے تو روزہ نہ رکھنا مباح ودرست ہے، کچھ گناہ نہیں اور بے عذر افطار کرنا رمضان کے روزہ کا گناہ کبیرہ ہے، جس کا بدلہ تمام عمر کے روزوں سے بھی نہیں ہوسکتا۔

کما ورد فی الحدیث:عن أبی هريرة قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:من أفطريوماً من رمضان من غير رخصة ولامرض، لم يقض عنه صوم الدهر كله وإن صامه''. {رواه أحمد والترمذی وغيرهما}(۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۸۶/۴)

روزہ اور تراویح لازم وملزوم ہیں، یانہیں:

سوال: نمازتراویح اورروزہ لازم وملزوم ہیں، یانہیں؟ بے روزہ نمازتراویح ہرگز نہ پڑھے، یا پڑھ لے؟

الجواب ———————————

روزہ اور تراویح لازم وملزوم نہیں ہیں، اگرکوئی شخص عذر کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے؛ لیکن وہ تراویح پڑھ سکتا ہے تو اس کوتراویح پڑھنا چاہیے۔

۲۱/رمضان ۱۳۴۱ھ (امدادالاحکام:۲۳۵/۲)

---

(۱) ویکره الإسراع فی القراءة وفی أداء الأركان.(الفتاویٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراويح: ۱۱۸/۱،انیس)

قال أنس بن مالك:رب تال للقرآن والقرآن يلعنه.(إحياء علوم الدين،فی ذم تلاوة الغافلين: ۲۷٤/۱، دارالمعرفة بيروت،انیس)

عن جابر قال:قال رسول الله صلى الله عليه و سلم:إن من أحسن الناس صوتا بالقرآن الذی إذا سمعتموه يقرأ حسبتموه يخشى الله .(سنن ابن ماجة،باب فی حسن الصوت بالقرآن،رقم الحديث: ۱۳۳۹،انیس)

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ –صلى الله عليه وسلم– قَالَ:الَّذِی يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ مَاهِرٌ بِهِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِی يَقْرَؤُهُ وَهُوَ يَشْتَدُّ عَلَيْهِ فَلَهُ أَجْرَانِ.(سنن أبی داؤد،باب فی ثواب قراءة القرآن،رقم الحديث: ۱٤٥٦،انیس)

(۲) مشکوٰة المصابيح،كتاب الصوم،باب تنزيه الصوم،الفصل الثانی: ۱۷۷،ظفير

جوشخص روزہ نہ رکھ پائے،اس کے لیے تراویح کاحکم:

سوال: میں بیمار ہونے کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ پاتا ہوں، ڈاکٹر نے مجھے روزہ رکھنے سے منع کیا ہے تو کیا میرے لیے تراویح کا پڑھنا سنت ہوگا؟ (محمد فیاض، گنٹور)

الجواب

روزہ مستقل عمل ہےاورنمازتراویح مستقل عمل،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ ''اس ماہ کے روزے فرض کئے گئے ہیں اوررات کا قیام؛یعنی تراویح نفل''۔(۱)

معلوم ہوا کہ یہ دومستقل عمل ہے،اگرکسی وجہ سے آدمی ایک عمل سے معذور ہوتواس کی وجہ سے دوسراعمل معاف نہیں ہوسکتا؛ اس لیے آپ کوتراویح اداکرنی چاہیے،ورنہ ترک سنت کی وجہ سے عنداللہ جواب دہی ہوسکتی ہے۔(کتاب الفتاویٰ:۳۹۳/۲)

یہ کہنا غلط ہے کہ جوعذرشرعی کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے، وہ تراویح بھی نہ پڑھے:

سوال: زیدکہتا ہے کہ جولوگ بوجہ عذرشرعی کے روزہ نہیں رکھتے، وہ نمازتراویح ضرور پڑھیں،ان کوثواب ضرور ہوگا۔بکرکہتا ہے کہ شخص معذور، یا غیرمعذور جوروزہ نہ رکھے، وہ تراویح بھی نہ پڑھے؛ بلکہ جوروزہ نہ رکھے، ایسے شخص کا تراویح پڑھناالٹاعذاب ہے۔ان دونوں میں کس کا قول صحیح ہے؟

الجواب

زیدکاقول صحیح ہے،بکرغلط کہتا ہے۔(۲)فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۷۱/۴-۲۷۲)

جن بلادمیں رات، یادن بہت بڑے ہوتے ہیں، وہاں نمازروزہ تراویح کےاحکام:

سوال: ایک کالج کے طالب علم نے ایک بددین کااعتراض مجھ سے نقل کیا کہ مسلمان کہتے ہیں کہ ہماری شریعت بمقتضائے ﴿وما أرسلناک إلا کافة للناس﴾ تمام انسانوں کے لیے ہےاوراگرایسا ہوتاتو چاہیےتھا کہ جملہ مقامات کےانسانوں کے لیےاس میں احکام ہوتے؛ حالاں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ قطبین کے رہنے والوں کے لیے جہاں

---

(۱) عن سلمان الفارسی قال: خطبنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم في آخریوم من شعبان فقال: یاأیها الناس قد أظلکم شهرعظیم مبارک شهر فیه لیلة خیرمن ألف شهرجعل اللّٰه صیامه فریضة و قیام لیله تطوعا''،إلخ.(مشکٰوة المصابیح،کتاب الصوم،الفصل الثالث،ص:۱۷۳)

(۲) تراویح کے لیےروزہ شرط نہیں ہے۔

(التراویح سنة)مؤکدة لمواظبة الخلفاء الراشدین (للرجال والنساء)إجماعاً.(الدرالمختارعلٰی هامش رد المحتار،کتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل،مبحث صلاة التراویح: ۹۸/۱،مکتبة زکریا دیوبند،انیس)

چھ چھ ماہ کا رات ودن ہوتا ہے، اس میں احکام نہیں، مثلا روزہ، ایسے مقام کے لوگ کیوں کر رکھیں، اگر چھ ماہ کا حکم دیا جائے تو ناممکن العمل اور اگر اس سے کم تو قرآن وحدیث میں صاحب مذہب سے کہیں منقول ہونا چاہیے تھا، میں نے اس کا جواب یہ دیا کہ قانون اکثری حالت کے تابع ہوتے ہیں اور چوں کہ قطبین پر اول تو آبادی کا ہونا ثابت نہیں اور اگر ہو بھی تو چوں کہ اکثر حصص زمین کی یہ حالت نہیں؛ اس لیے اکثری حالت کے موافق احکام مقرر ہوئے، رہا نادر اور مستثنی صورتیں ان کے لیے قیاس کے ذریعہ سے خاص احکام مستنبط کر کے حکم دیا جاسکتا ہے، ہر جزئی کا حکم صراحت قرآن وحدیث میں ہونا ضروری نہیں؛ بلکہ کثیر الوقوع امور کا حکم صاحب شریعت سے منقول ہے، جو بمنزلہ اصول کے ہوسکتا ہے، جیسا کہ ان مقامات کے لیے جہاں کہ شفق تمام رات غائب نہیں ہوتی، (کتاب ہیئت کا دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ۲۲؍مئی سے لے کر ۲۱؍جولائی تک لندن کے افق سے ۱۸؍درجے نیچے آفتاب نہیں جاتا، لہذا اتنے عرصہ تک تمام رات شفق باقی رہتی ہے، لندن کا عرض البلد ا؍بٹے دو، ۵۱ درجہ ہے) بعض فقہا نے لکھا ہے کہ وہاں عشا کا وقت نہیں آتا اور ان سے عشا کی نماز ساقط ہے۔ بعض فقہا نے اختلاف بھی کیا ہے، ارض بلغار کے متعلق شامی نے بھی اس کا حکم لکھا ہے، میں نے یہ جواب تو دے دیا؛ لیکن روزہ کے متعلق عالمگیری میں تلاش کرنے سے بھی کوئی جزئی نہیں ملی؛ یعنی مثلا لندن کے لوگ کس وقت تک سحور کھا سکتے ہیں اور تراویح جو تابع عشا کے معلوم ہوتی ہے، ادا کریں، یا نہ کریں؟ کیا جواب والا کی نظر سے کوئی جزئی ایسے مقامات پر روزہ اور تراویح کے متعلق گزری ہے؟ یا قیاس کے موافق کیا حکم ہوسکتا ہے؟ نیز میرا جواب غلط، یا نامکمل تو نہیں ہے اگر ہو تو تصحیح وتکمیل فرمادیں، اگر کوئی دوسرا جواب ہوسکتا ہو تو وہ بھی تحریر فرمادیں، کتاب ہیئت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لندن میں سب سے بڑا دن ۱۶؍ایک بٹے دو گھنٹہ کا اور سب سے چھوٹی رات ۴؍ایک بٹے دو گھنٹہ کی ہوتی ہے، سینٹ پٹیر سبرگ دار السلطنت روس ۶۰؍درجہ شمال عرض البلد پر ہے، وہاں تقریبا ۱۹؍گھنٹہ کا سب سے بڑا دن ہوتا ہے، اتنا طویل روزہ ذرا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ بریں بعض ایسے مقامات آباد بھی ہیں، جہاں سب سے بڑا دن ۲۴؍گھنٹہ، یا اس سے زائد ہوتا ہے؛ یعنی آفتاب بغیر غروب کے حرکت رحوی کرتا نظر آتا ہے، چناں چہ ۶۵؍درجہ ۵۴؍دقیقہ عرض البلد شمالی پر سب سے بڑا دن ۲۴؍گھنٹہ کا اور ۶۶ درجہ ۵۳ دقیقہ پر گرمیوں میں ۳۱؍دن تک آفتاب غروب نہیں ہوتا؛ یعنی ایک دن ۳۱؍دن کے برابر ہوتا ہے، وہاں روزہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

آپ نے جو جواب دیا، بالکل کافی وکمل ہے، تمام سلطنتوں کے قوانین کلیہ پر مقامی حکام کو احکام جزئیہ کی تفریع کرنی پڑتی ہے، جن میں سے بعض میں استنباط کی بھی حاجت ہوتی ہے اور وہ سب ان ہی کلیات کے تحت میں داخل اور ان قوانین کو ان کے لیے شامل سمجھا جاتا ہے، ان جزئیات مقامیہ کے مصرحاً مذکور فی کتب القانون نہ ہونے سے ان

مقامات کے خارج عن اثر السلطنت ہونے پر کوئی بھی استدلال نہیں کرتا، جب کہ اس سلطنت کا احاطہ دلیل صحیح سے ثابت ہو اور اگر کوئی استدلال کرنے لگے تو محقق اس استدلال کو دلیل صحیح کے تابع بنادے گا، اسی طرح جب دلائل قطعیہ سے عموم بعثت معلوم ہے تو معارض کو دفع کریں گے، چناں چہ اشتمال مثال مذکور میں ہے، ایسا ہی اشتمال کلیات شرعیہ میں متحقق ہے، جس کی بنا پر فقہائے اسلام نے ان مقامات کے احکام سے تعرض بھی کیا ہے، گو اس وجہ سے کہ کسی نے کسی کلی میں داخل سمجھا اور کسی نے کسی میں باہم اختلاف بھی سمجھا؛ لیکن یہ اختلاف ہمارے لیے اصل مقصود میں قارح نہیں؛ کیوں کہ ان کلیات کی بنا پر حکم کرنے سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ شریعت محمدیہ نے ایسے کلیات مقرر کئے ہیں، جو ان مقامات کی ضرورتوں کو حاوی ہیں، گو وجہ تطبیق میں آرا مختلف ہو جاویں، جیسا ایک عدالت سے ایک حکم ایک قانون کی بنا پر ہوتا ہے اور عدالت اپیل سے دوسرے قانون کی بنا پر اس کے خلاف حکم ہو جاتا ہے، چناں چہ نماز سے فقہاء کا تعرض تو خود سوال ہی میں منقول ہے، رہا روزہ اگر بالخصوص اس سے تعرض بھی نہ ہوتا، تب بھی وہی دلائل نماز کے یہاں بھی باشتراک اصول روزہ کے لیے کافی ہوتے؛ لیکن فقہا نے اس پر کفایت نہیں کی؛ بلکہ روزہ سے؛ بلکہ اس کے علاوہ اور اعمال ومعاملات سے بھی تعرض تصریحاً فرمایا ہے۔

فی ردالمحتارعن الرملی فی شرح المنهاج: ویجری ذلک فیما لومکثت الشمس عند قوم مدة، آه.

وفیه عن إمداد الفتاح: قلت: وکذٰلک یقدر لجمیع الآجال کالصوم والزکٰوة والحج والعدة وآجال البیع والسلم والإجارة وینظر ابتداء الیوم فیقدرکل فصل من الفصول الأربعة بحسب مایکون کل یوم من الزیادة والنقص، کذا فی کتب الأئمة الشافعیة ونحن نقول بمثله، إذا صل التقدیرمقول به إجماعًا فی الصلوات، آه. (۳۷۸/۱)(۱)

وفیه بعد نصف صفحة: لم أرمن تعرض عند نا لحکم صومهم فیما إذا کان یطلع الفجر عندهم کما تغیب الشمس أوبعده بزمان لایقدر فیه الصائم علٰی أکل مایقیم بنیته ولایمکن أن یقال بوجوب موالاة الصوم علیهم؛ لأنه یؤدی إلی الهلاک فإن قلنا بوجوب الصوم یلزم القول بالتقدیر وهل یقدر لیلهم بأقرب البلاد إلیهم کما قاله الشافعیة هنا أیضًا أم یقدرلهم بما یسع الأکل والشرب أم یجب علیهم القضاء فقط دون الأداء کل محتمل فلیتأمل ولایمکن القول هنا بعدم الوجوب أصلاً کالعشاء عند القائل به فیها؛ لأن علة عدم الوجوب فیها عند القائل به عدم السبب وفی الصوم قدوجد السبب وهوشهودجزء من الشهر وطلوع فجر کل یوم هٰذا ما ظهرلی واللّٰه أعلم، آه. (۳۷۹/۱)(۲)

(۱) رد المحتار، مطلب فی فاقد وقت العشاء کأهل بلغار: ۲۲/۲-۲۳، مکتبة زکریا دیوبند، انیس
(۲) رد المحتار، کتاب الصلاة، مطلب فی طلوع الشمسمن من مغربها

اس تقریر سے اس (۱) اعتراض کا جواب تو ہوگیا۔اب یہ بات کہ ہمارے فقہا کے اقوال میں کس کوکس پر ترجیح ہے؟ اس تحقیق پر اصل جواب موقوف نہیں، ہاں خود ایک مستقل تحقیق ہے،جس کی ضرورت مسلم کے لیے ہوگی،سواحوط نماز میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انداز کر کے سب نمازیں پڑھا کریں اور روزہ میں جو مقامات ایسے ہیں، جہاں بعض ازمنہ میں لیل شرعی نہیں ہوتی،رمضان میں روزہ رکھیں کہ شہود شہر پایا گیا اور چوں کہ افطار وسحر نہار شرعی میں واقع ہوا ہے،اس لیے شبہ کے دوسرے (۲) زمانہ میں قضا بھی کرلیں اور جہاں لیل شرعی ہوتی ہے،وہاں جس جگہ نہار کا طول بقدر تحمل صوم ہواور فطرۃً ان کا تحمل ہم سے زائد ہوگا؛ **لأنهم معتادون بطول النهار وطول أكثر الأعمال فيه**، وہاں روزہ رکھیں اور ادا بھی ہوجاوے گا اور جہاں بقدر تحمل نہ ہو، وہاں انداز کر کے عدد پورا کریں اور بعد ادا اگر ایسے ایام مل جاویں،جس کا تحمل ہو سکے تو احتیاطا قضا بھی کرلیں اور اگر ایسے ایام نہ ملیں تو وہی انداز کے روزے کافی ہوجاویں گے۔

وفی ردالمحتار فی جواز فطر من لایقدر ثم قضاء ه مانصه:

وقال الرملی: وفی جامع الفتاویٰ ولوضعف عن الصوم لاشتغاله بالمعيشة فله أن يفطر ويطعم لكل يوم نصف صاع،آه.أی إذا لم يدرک عدة من أيام أخر يمكنه الصوم فيها و إلاوجب عليه القضاء وعلیٰ هٰذا الحصاد إذا لم يقدر عليه مع الصوم ويهلک الزرع بالتأخير لا شک فی جواز الفطر والقضاء إلیٰ آخر ما قيده بما إذا كان عنده ما يكفيه وعياله لايحل له الفطر...وكذا لوخاف هلاک زرعه أو سرقته ولم يجد من يعمل له بأجرة المثل وهويقدرعليها.(۳)

۲۰/جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ،ص:۳۳) (امدادالفتاویٰ جدید:۱/۵۰۱-۵۰۵)

جولوگ تراویح نہیں پڑھتے ہیں،ان کا حکم:

سوال (۱) مسلمان مسجد میں ختم تراویح،یا سورہ تراویح نہیں پڑھتے،اس سے گناہ ہوگا،یا نہیں؟

نماز تراویح مسجد میں ہونی چاہیے:

(۲) چوں کہ مسجد میں اس کا نظم نہیں ہے؛اس لیے میں مکان ہی پرادا کرلیتا ہوں،کیا یہ جائز ہے؟

---

(۱) یعنی بددین کے اعتراض کا جواب۔سعید

(۲) کذا فی الاصل،صحیح عبارت غالباً یوں ہوگی''اس لیے شبہ کے دفعیہ کے لیے دوسرے زمانہ میں،الخ۔سعید

(۳) رد المحتار، كتاب الصوم،باب ما يفسد الصوم وما لايفسده،مطلب فی حديث التوسعة علی القيام والاكتحال يوم عاشوراء:۳/۴۰۱،دارالكتب العلمية بيروت،انيس

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

(۱) تراویح نہ پڑھنے سے لوگ ترک سنت کے گنہگار رہوں گے۔(۱)

(۲) آپ کو مسجد میں جا کر سورہ تراویح پڑھنی چاہیے؛ تاکہ دوسرے جو پڑھنا چاہیں، وہ شرکت کرسکیں۔(۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۷۳/۹/۸ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۱۱-۲۱۲)

تراویح کی جماعت مسجد میں سنت مؤکدہ ہے:

سوال: ایک مسجد تنگ ہے، صحن بھی بہت چھوٹا ہے؛ مگر مسجد سے ملحق خالی جگہ ہے، اگر گرمی کی وجہ سے مسجد کی بجائے اس خالی جگہ میں تراویح کی جماعت کرلی جائے تو کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

ہر محلہ سے ایک مسجد میں تراویح کی جماعت سنت مؤکدہ ہے، لہٰذا اگر اس محلہ کی کسی دوسری مسجد میں تراویح کی جماعت ہوتی ہو تو مسجد سے باہر جماعت کی گنجائش ہے؛ مگر فرائض کی جماعت بہرصورت مسجد میں ضروری ہے۔

قال ابن عابدين رحمه الله تحت قول صاحب التنوير (والجماعة فيها سنة على الكفاية): وهل المراد أنها سنة كفاية لأهل كل مسجد من البلدة أومسجد واحد منها أومن المحلة، ظاهر كلام الشارح الأول واستظهر، ط،الثاني ويظهرلي الثالث لقول المنية: حتى لوترك أهل محلة كلهم الجماعة فقد تركوا السنة وأساؤا، آه،وظاهر كلامهم هنا أن المسنون كفاية إقامتها بالجماعة فى المسجد حتى لوأقاموها جماعة فى بيوتهم ولم تقم فى المسجد أثم الكل. (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ / محرم ۱۴۰۰ھ (احسن الفتاویٰ:۳/۵۲۴)

مسجد سے باہر تراویح کی جماعت:

سوال: نمازتراویح مسجد چھوڑ کر مکان میں، یا کسی دوسری جگہ حافظ مقرر کرکے پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۱) (التراويح سنة) مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين (للرجال والنساء) اجماعًا. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التسبيح: ۲/۴۹۳، انیس)

(۲) (والجماعة فيها سنة على الكفاية) فى الأصح، فلو تركها أهل مسجد أثموا، لا لو ترك بعضهم، وكل ما شرع بجماعة فالمسجد فيه أفضل، قاله الحلبى". (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۲/۴۹۵، انیس)

(۳) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۲/۴۹۵، انیس

الجواب ــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

فرائض مسجد کی جماعت کے ساتھ ادا کر کے صرف تراویح کی جماعت دوسری جگہ کرنا جائز ہے، بشرطیکہ محلّہ کی کسی مسجد میں بھی تراویح کی جماعت ہو، اگر محلّہ میں کسی مسجد میں بھی تراویح کی جماعت نہیں ہوئی تو سب گنہگار رہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱ رمضان ۱۳۹۱ھ (احسن الفتاویٰ: ۵۲۰/۳)

گھر میں تراویح باجماعت ادا کرے اور مسجد نہ جائے تو کیا حکم ہے:

سوال: تراویح کی نماز گھر میں باجماعت ادا کرنا اور مسجد میں نہ جانا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

اس صورت میں یہ حکم ہے کہ مسجد میں ادا کریں۔

وظاهر كلامهم هنا أن المسنون كفاية إقامتها بالجماعة في المسجد حتى لو أقاموها جماعة في بيوتهم ولم تقم في المسجد أَثِمَ الكل. (كذا في الشامي: ٥٢١)(١)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۵۱/۴)

فرضِ عشا اور تراویح گھر میں جماعت سے ادا کرنا:

سوال: ایک شخص پابند صوم وصلوٰۃ ماہ رمضان المبارک میں اپنے گھر پر نماز تراویح کے اہتمام کے ساتھ بعض مجبوریوں کے تحت نماز عشا جماعت کے ساتھ گھر پر ہی ادا کر لیتا ہے؛ کیوں کہ عام طور پر مسجد سے گھر واپس آنے میں تراویح ساتھ پڑھنے والے نمازی مسجد میں رہ جاتے ہیں تو ایسی صورت میں کیا ایسے شخص پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث پاک جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گھر پر نماز پڑھنے والوں کے لیے ان کے گھروں میں آگ لگانے دینے کو فرمایا ہے، وعید عائد ہوتی ہے؟ اور فرض عشا گھر پر ادا کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

یہ وعید تو ایسے لوگوں کے حق میں ہے، جو لا پرواہی اور سستی کی وجہ سے جماعت کا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ صورتِ

(١) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ٦٦٠/١، ظفير

لیکن اگر کوئی جماعت سے اس طرح پڑھے کہ مسجد کی جماعت بند نہ ہو تو یہ درست ہے، مگر یہ لوگ مسجد کی فضیلت سے محروم رہیں گے۔ ردالمحتار: ۶۶۰/۱ میں ہے:

وإن صلى أحد في البيت بالجماعة لم ينالوا فضل جماعة المسجد. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ٤٩٥/٢، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

مسئولہ میں اگر کوئی مجبوری ایسی ہے، جس کی وجہ سے شریعت نے ترک جماعت کی اجازت دی ہے تو یہ شخص اس وعید میں داخل نہیں ہوگا، (۱) بغیر مجبوری کے جماعت مسجد کو ترک کر دینا بڑی محرومی ہے۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند، ۱۱/۱۱/۱۳۹۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۲۶۵)

مسجدوں کو چھوڑ کر عیدگاہ میں نماز تراویح ادا کرنا:

سوال: ایک قصبہ ہے، چاروں طرف مسلم آبادی ہے، ہر محلّہ میں مسجد ہے، قصبہ کے درمیان عیدگاہ ہے، یہاں رمضان کے مہینہ میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ قصبہ کے بہت سے لوگ مسجدوں کو چھوڑ کر پنجوقتہ نماز اور تراویح اسی عیدگاہ میں پڑھتے ہیں، حالاں کہ اس کے قرب وجوار میں چار چھ مسجدیں موجود ہیں اور مسجدوں کی اذان انہیں اچھی طرح سنائی دیتی ہے، پھر بھی وہ لوگ مسجدوں کو چھوڑ کر کھلی عیدگاہ میں ہی پورے رمضان نماز پڑھتے ہیں، اگر بارش ہوتو مسجدوں کو چھوڑ کر بازو کے اسکول میں نماز ادا کرتے ہیں، ایسا کرنا کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

مسجدوں کو چھوڑ کر عیدگاہ میں پورے رمضان نماز ادا کرنا غلط طریقہ ہے، یہ مسجدوں کو ویران اور غیر آباد کرنا ہے، (۳) ایسا نہ کریں، سب اپنے اپنے محلّہ کی مسجدوں کو رمضان المبارک میں پنجگانہ اذان وجماعت سے آباد رکھیں۔ (۴) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۲۷۳-۲۷۴)

---

(۱) (والجماعة سنة مؤكدة للرجال)قال الزاهدى:أرادوا بالتاكيد الوجوب،إلا فى جمعة وعيد، فشرط... (علٰى الرجال العقلاء البالغين الأحرارالقادرين علٰى الصلاة بالجماعة من غيرحرج...فلا تجب علٰى مريض ومقعد وزمن ومقطوع يد ورجل من خلاف...ومفلوج وشيخ كبير عاجز وأعمٰى،ولا علٰى من حال بينه وبينها مطر وطين وبرد شديد وظلمة كذالک". (تنويرالأبصارمع الدرالمختار، كتاب الصلاة،باب الإمامة: ۱/۵۵۲-۵۵۶،سعيد)

(۲) قال العلامة الحلبى:"وان صلٰى فى بيته بالجماعة و لم ينا لوا فضل الجماعة فى المسجد،وهٰكذا فى المكتوبات):أى الفرائض لوصلٰى جماعة فى البيت علٰى هيئة الجماعة فى المسجد نالوا فضيلة الجماعة وهى المضاعفة بسبع وعشرين درجة،لٰكن لم ينالوا فضيلة الجماعة الكائنة فى المسجد". (الحلبى الكبير،فصل فى النوافل...التراويح،ص:۳۴۸،سهيل اكيڈمى لاهور)

(۳) قال اللّٰه تعالٰى:﴿ومن أظلم ممن منع مساجد اللّٰه أن يذكر فيها اسمه وسعىٰ فى خرابها،أولٰئک ما كان لهم أن يدخلوها الاخائفين﴾﴿وسعٰى فى خرابها﴾أى هدمها وتعطيلها،وقال الواحدى:انه عطف تفسير؛لان عمارتها بالعبادة فيها (أولٰئک)الظالمون المانعون الساعون فى خرابها". (روح المعانى مبحث فى(ومن أظلم ممن منع مساجد اللّٰه)الآية: ۱/۳۶۴،دار احياء التراث العربى بيروت)

(۴) (قوله:ومسجد حية أفضل من الجامع):أى الذى جماعته أكثرمن مسجد الحى...بل فى الخانية:لو لم يكن لمسجد منزله مؤذن،فإنه يذهب اليه ويؤذن فيه ويصلى ولو كان وحده؛لأن له حقاً عليه فيؤديه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها،مطلب فى أفضل المساجد: ۲/۴۳۳، مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

دکانوں میں تراویح پڑھنا کیسا ہے:

سوال: کسی بازار کے مصلی محض کاروبار کے نقصان کا اندیشہ خیال کر کے الگ الگ جماعت تراویح کریں، یہ فعل ان کا کیسا ہے؟

الجواب

نمازِ تراویح مسجد میں پڑھنا اور ختم تراویح مسجدوں میں سننا سنت ہے، بلا عذر مسجد میں نہ جانا اور دکانوں پر تراویح پڑھنا ترک سنت ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۶۹/۴)

میدان اور گھر میں تراویح:

سوال: ماہ رمضان المبارک میں مساجد کے علاوہ شادی خانہ، یا کسی کے مکان پر تراویح کا اہتمام کیا جارہا ہے، جس میں تین پارے، پانچ پارے بھی سنائے جاتے ہیں، کیا تراویح کی جماعت مسجد کو چھوڑ کر شادی خانہ، یا کسی کے گھر پر ادا کی جاسکتی ہے؟ (محمد عبدالسلیم، مشیرآباد)

الجواب

مساجد میں تراویح کا ادا کرنا سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے؛ یعنی اگر محلّہ کی مسجد میں تراویح کا اہتمام ہی نہ ہو پائے اور تمام لوگ اپنے اپنے گھروں میں، یا کسی میدان میں نماز ادا کرلیں تو سبھی حضرات تارک سنت سمجھے جائیں گے؛ لیکن اگر مسجد میں بھی تراویح ہورہی ہو اور کچھ لوگ اپنے گھر میں، یا کسی میدان میں تراویح کی جماعت کرلیں تو اس میں مضائقہ نہیں؛ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے لیے پوری روئے ارض کو نماز کی جگہ بنایا گیا ہے: ''جعلت لی الأرض مسجدًا وطهوراً'' (۲) یعنی پچھلی امتوں میں یہ حکم تھا کہ لوگ اپنی عبادت گاہ ہی میں نماز ادا کیا کریں؛ لیکن امت مسلمہ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ خصوصیت عطا فرمائی گئی کہ وہ روئے ارض پر کہیں بھی نماز ادا کرسکتے ہیں، تین پارے، پانچ پارے، یا چھ پارے پڑھنا شرکاءِ نماز کے نشاط پر موقوف ہے، اگر لوگ نشاط وتوجہ

(۱) (والجماعة فيها سنة على الكفاية)فی الأصح فلو تركها أهل المسجد أثموا، لا لو ترك بعضهم وكل ماشرع بجماعة فالمسجد فيه أفضل. (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۹۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

وإن صلّى أحد فی البيت بالجماعة لم ينالوا فضل جماعة المسجد. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۴۹۵/۲، ظفير)

(۲) صحيح البخاری، كتاب الصلاة، رقم الحديث: ۴۳۸، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: جعلت لي الأرض مسجدًا وطهورًا.

کے ساتھ اتنے پارے پڑھ اور سن سکتے ہوں تو تراویح میں قرآن کی اس مقدار کا پڑھنا درست ہے، اگر قرآن کی زیادہ مقدار کی وجہ سے لوگوں میں بے توجہی اور سستی پیدا ہو جائے تو ایسے لوگوں کو کم مقدار والی تراویح میں شرکت کرنی چاہیے؛ کیوں کہ قرآن کے احترام کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے کم قرآن مجید سننا بے احترامی اور بے رغبتی کے ساتھ زیادہ قرآن مجید پڑھنے اور سننے کے مقابلہ میں بہتر ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۱۱-۴۱۲) ☆

سخت گرمی کی وجہ سے خارج مسجد میں تراویح:

سوال: جس مسجد کا صحن مسجد میں داخل نہ ہو تو اگر سخت گرمی کی وجہ سے مصلی پریشان ہوتے ہوں تو اس صورت میں صحن مسجد میں تراویح پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور موجودہ صورت میں ثواب میں کسی قسم کی کمی تو نہ ہوگی؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

جو جگہ مسجد میں نہیں وہاں تراویح پڑھنے سے تراویح کی فضیلت تو حاصل ہو جائے گی؛ لیکن سنتِ کفایہ مسجد میں حاصل نہ ہوگی اور مسجد میں پڑھنے کا ستائیس درجہ ثواب ہے، وہ نہیں ملے گا۔ (کبیری)(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۲/۹/۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۲۶۶)

تراویح کس مسجد میں پڑھی جائے:

سوال: تراویح کس مسجد میں افضل ہے؟ آج کل بعض لوگ محلّہ کی مسجد چھوڑ کر دوسری مساجد میں تراویح پڑھتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟　　(سید زاہدہ فروین، یاقوت پورہ)

☆ **ملفوظات:**

(۱) جو مکروہ وقت میں نماز ہووے، اس کا اعادہ کرنا چاہیے، اگرچہ عصر کو بعد مغرب ہی پڑھے کہ جبر نقصان ہو جاتا ہے۔

(۲) امانت کو بلا اذن صرف کرنا خیانت ہے، گناہ ہوگا۔

(۳) جماعت کو چھوڑ کے دوسری مسجد میں کہ پوری نماز امام کے ساتھ ملے، ہرگز نہ جاوے کہ اعراض جماعت مسلمین سے ظاہر ہے اور دوسری جگہ کا ملنا محتمل اور اس مسجد کا حق تلف ہوتا ہے اور صورت تہمت و اعراض۔ (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۲۶)

(۱) قال العلامة الحلبی: ''وإن صلّٰی فی بیته بالجماعة ولم ینالوا فضل الجماعة فی المسجد، وهٰکذا فی المکتوبات): أی الفرائض لو صلّٰی جماعة فی البیت علٰی هیئة الجماعة فی المسجد نالو فضیلة الجماعة وهی المضاعفة بسبع وعشرین درجة، لٰکن لم ینالوا فضیلة الجماعة الکائنة فی المسجد''. (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل...التراویح، ص: ۴۰۲، سهیل اکیڈمی لاهور)

الجواب

نماز خواہ کوئی بھی ہو، مسجدِ محلّہ کا حق زیادہ ہے، البتہ اگر اس کے دوسری جگہ نماز پڑھنے کے باوجود محلّہ کی جماعت باقی رہے اور یہ مسجد جماعتِ تراویح سے محروم نہ ہوجائے، نیز اپنی کسی سہولت، یا امام کے زیادہ متقی اور اچھے ہونے، یا قرآن کے زیادہ حصہ کی تلاوت کرنے کی وجہ سے دوسری مسجد میں تراویح کی نماز ادا کرے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔
(کتاب الفتاویٰ:۲/۴۰۰)

محلّہ کے لوگوں سے کہنا کہ اپنی مسجد میں تراویح پڑھا کرو کیسا ہے:

سوال: جواب استفتا پہنچا، اس میں بڑی طوالت ہوگئی ہے اور مقدمہ عدالت میں دائر ہے اور لوگوں نے دوسری طرف سے ایک شہادت اس قسم کی دی ہے کہ میں نے اس سے کہا ہے کہ وہ جامع مسجد کی جماعت میں تراویح کے لیے شریک نہ ہو؛ بلکہ یہ محلّہ کی مسجد ہے، اس میں جماعت تراویح ہوتی ہے، اس میں قرآن پاک سنے، اگرچہ میں نے یہ الفاظ نہیں کہے؛ لیکن جب کہ حلفی شہادت ہوگئی ہے تو اس کو تسلیم کرتے ہوئے بھی مجھے ایک سوال کرنے کی ضرورت ہے کہ کسی شخص سے باستحقاق اہل محلّہ ایسا کہنے سے مسجد کے لیے ضرار کا حکم ہونا چاہیے؟

الجواب

درمختار میں ہے:

''ومسجد حيه أفضل من الجامع، إلخ''. (۱)

اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ مسجد محلّہ اہل محلّہ کے حق میں جامع مسجد سے افضل ہے۔

اور شامی نے لکھا ہے:

''لأن له حقاً عليه فيؤديه''. (۲) یعنی محلّہ والے پر مسجد محلّہ کا حق ہے، اس کو ادا کرنا چاہیے۔

پس اگر ایک محلّہ والے نے دوسرے محلّہ والے کو ایسا بھی کہا ہو کہ جامع مسجد کی جماعت تراویح میں شریک نہ ہو، محلّہ کی مسجد میں تراویح ہوتی ہے، اس میں شریک ہو اور قرآن شریف کو سنو تو یہ بات بے موقع نہیں ہے؛ بلکہ ایسا کہنا اچھا ہے اور ایسا ہی کہنے اور کرنے کا شریعت میں حکم ہے کہ محلّہ کو آباد کرنا چاہیے اور جماعت پنجگانہ اور جماعت تراویح وہاں قائم کرنا چاہیے اور دوسرے اہل محلّہ کو بھی اس کی ترغیب دینی چاہیے۔ پس مسجد ضرار کا حکم دینا مسجد مذکور کو بوجہ مذکور بالکل غلط ہے اور ایسا فتویٰ دینے والے کی جہالت اور عدم علم پر دال ہے، ایسا کلمہ مسجد کی نسبت کوئی جاہل بھی نہیں کہہ

(۱) الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد: ۱/۹۳، مكتبة زكريا ديوبند، ظفير

سکتا،اللہ تعالیٰ ہدایت فرماوے اور مسلمانوں کوتوفیق خیرواتفاق واصلاح فرماوے۔(آمین){إن أريد إلا الإصلاح وما توفيقي إلا بالله}فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۴۳/۴-۲۴۴)

جامع مسجد میں تراویح کے باوجود بغل والی مسجد میں بھی تراویح درست ہے:

سوال: جب کہ جامع مسجد شہر میں ہمیشہ سے جماعت تراویح ہوتی چلی آئی ہوتو ایک دوسری مسجد میں جو جامع مسجد کے قریب ہے، جماعت تراویح قائم کرنا کیسا ہے، کیا اس دوسری مسجد کو ضرار کا حکم ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

اس دوسری مسجد میں جو کہ جامع مسجد سے قریب ہے، جماعت تراویح قائم کرنا طریق سنت کے موافق ہے، جماعت تراویح ہر ایک مسجد میں ہونا عمدہ ہے، موجب ثواب ہے۔پس مسجد ضرار کا حکم دینا اس دوسری مسجد کو فتویٰ دینے والے کی جہالت اور عدم واقفیت ہے حکم شریعت سے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۴۲/۴-۲۴۳)

تراویح میں قرآن پڑھے جانے کے دوران الگ سے ﴿الم ترکیف﴾ سے تراویح پڑھنا:

سوال: ایک مسجد میں تراویح میں باقاعدہ ختم قرآن ہوتا ہے اور بلا اجرت؛ لیکن اسی مسجد میں کچھ لوگ ﴿الم ترکیف﴾ سے تراویح پڑھتے ہیں، یہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جب مسجد میں ایک حافظ صاحب قاعدے میں تراویح میں قرآن کریم سنا رہے ہیں تو ان کی تراویح کی موجودگی میں ﴿ألم ترکیف، الخ﴾ سے الگ تراویح بلا عذر نہ پڑھنی چاہیے۔

ہاں اگر کوئی عذر ہوتو اسے بالتفصیل لکھ کر مسئلہ دوبارہ معلوم کرلیں۔واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عنہ، ۱۶/۹/۱۳۹۷ھ (فتاویٰ عثمانی:۵۱۰/۱)

---

(۱) وهل المراد أنها سنة كفاية لأهل كل مسجد من البلدة أو مسجد واحد منها أومن المحلة ظاهر كلام الشارح الأول واستظهر الثاني ويظهرلي الثالث،إلخ.(رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل،مبحث صلاة التراويح:٦٦٠/١،ظفير)

عن السائب بن يزيد رضي الله عنه قال:كانوا يقومون على عهد عمربن الخطاب رضي الله عنه في شهر رمضان بعشرين ركعة.(سنن البيهقي،كتاب الصلاة،باب قيام شهر رمضان،باب ما روى في عدد ركعات القيام في شهر رمضان:٤٩٦/٢،رقم الحديث:٤٣٩٣،انيس)

عن يزيد بن رومان قال:كان الناس يقومون في زمان عمربن الخطاب رضي الله عنه بثلاثة وعشرين وفي رواية بإحدى عشرة.(سنن البيهقي،كتاب الصلاة،باب قيام شهر رمضان،باب ماروى في عدد ركعات القيام في شهر رمضان:٤٩٦/٢،رقم الحديث:٤٣٩٤،انيس)

ایک مسجد میں تراویح کی دوسری جماعت:

سوال: تراویح و وتر کی جماعت ہوگئی تو دوسری جماعت کریں، یا نہیں؟

الجواب

دوبارہ اس مسجد میں نہ کریں۔ (۱) فقط (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۴/ ۲۹۹-۳۰۰)

جماعتِ ثانیہ تراویح کی ایک صورت:

سوال: ہمارے یہاں رمضان المبارک کے شروع سے یہ طریقہ ہو رہا ہے کہ ایک قرآن شریف بعد نمازِ عشا تراویح میں سنا جا رہا ہے اور سامع جو کلام مجید سنتا ہے، اپنی چار رکعت تراویح باقی رکھ لیتا ہے؛ یعنی امام کے ساتھ سولہ رکعت تراویح پڑھتا ہے، بقیہ چار رکعت تراویح اسی مسجد میں امام ہو کر جس میں ایک یا دو پارہ سناتا ہے پوری کرتے ہیں، مقتدی کُل تراویح بعد نماز عشا ختم کر لیتے ہیں، جو مقتدی سننے کے شائق ہیں، ان کو گھر جا کر جگانے کا اہتمام بھی ہوتا ہے، جو قریب ۱۴، ۱۵ کے ہو جاتے ہیں، ان مقتدیوں میں بعض کی نیت نفل نماز کی اور بعض کی تہجد کی ہوتی ہے، ایسی صورت میں یہ جماعت بلا کراہت جائز ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں تو اور کونسی صورت درست ہونے کی ہو سکتی ہے؟

الجواب

جیسا کہ وہ حافظ صاحب چار رکعت تراویح میں شامل نہیں ہوتے، اسی طرح وہ مقتدی بھی چار رکعت میں شامل نہیں ہوا کریں اور پھر چار رکعت جماعت سے پڑھ لیں، **کما هو الظاهر**؛ لیکن احتیاطاً جگہ بدل دیں؛ یعنی جہاں پہلی جماعت ہوئی تھی، اس جگہ سے الگ پڑھ لیں، **كما سيأتي** اور پھر اس تراویح کی جماعت میں کچھ مقتدی نفل پڑھنے والے بھی شامل ہو جائیں تو مضائقہ نہیں؛ **لأنه اقتداء المتطوع بمن يصلي السنة وأنه جائز؛ إلخ.** (۱) (امداد الاحکام: ۲/ ۲۴۷-۲۴۸)

---

(۱) دلیل اس کی یہ ہے کہ ایک ہی مسجد میں تراویح کی متعدد جماعتوں کی وہی نوعیت لوٹ آتی ہے، جس سے بچانے کے لیے خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے متفرق طور پر پڑھنے والوں کو ایک امام کی اقتدا پر جمع فرمایا تھا۔

عن عبد الرحمٰن بن عبد القادر قال: خرجت مع عمر بن الخطاب ليلة في رمضان إلى المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلي الرجل لنفسه ويصلي الرجل فيصلي بصلاته الرهط، فقال عمر: إني أرىٰ لو جمعت هؤلاء علىٰ قارئ واحد لكان أمثل ثم عزم فجمعهم علىٰ أبي بن كعب". (الكبيري للحلبي، فصل في النوافل... التراويح، ص: ۳۴۷، دار الكتاب ديوبند، انيس)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی مسجد میں متعدد جماعتوں کا سلسلہ حسب ارشاد فاروقی طریق امثل کے خلاف ہے۔

وقال عليه الصلوٰة والسلام: "فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، ص: ۳۰، فيصل، انيس)

(۲) **بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سنن صلاة التراويح: ۱/ ۲۹۰، دار الكتاب العربي بيروت، انيس**

جماعت ثانیہ تراویح کی ایک صورت کا حکم:

سوال: یہاں پر تین چار سال سے متواتر رمضان شریف میں بعد نصف شب کے اس طرح سے قرآن شریف پڑھا جاتا ہے کہ امام جو بعد نصف شب کے قرآن شریف سناتا ہے، اول شب کی تراویح میں بجائے بیس رکعت کے ۱۶/رکعت پڑھتا ہے، چار رکعت تراویح میں بعد نصف شب قرآن شریف سناتا ہے؛ لیکن کل مقتدی تہجد کی نیت باندھتے ہیں، جن کی تعداد دس پندرہ کے قریب ہوتی ہے اور ان میں سے بعض بعض کو بلانا اور جگانا بھی پڑتا ہے؛ کیوں کہ اس جماعت میں جواز کی صورت تھی؛ اس لیے یہ عمل دوسرے قرآن شریف کا ثواب حاصل کرنے کے واسطے کیا جاتا تھا؛ کیوں کہ تنہا پڑھا نہیں جاتا، اگر ایسا نہ کیا تو اس ثواب سے محروم رہیں گے؛ لیکن اس کے ساتھ حسبِ ذیل مفسدات بھی نظر آتے ہیں، یہ جماعت اس نام سے موسوم ہے کہ (تہجد میں قرآن شریف ہوتا ہے) دوسری مسجد والوں نے ہماری جماعت دیکھ کر تہجد کی نوافل میں جماعت شروع کردی، جو مکروہ تحریمی ہے، یہ غلط فہمی جماعت مذکورۂ بالا کی وجہ سے ہوئی۔ دوم ایک ہی مسجد میں ایک پوری جماعت تراویح کی ہوکر دوسری جماعت تراویح کی ہوئی اور مقتدیوں میں کوئی تراویح پڑھنے والا نہیں ہوتا، جو امور مختلف فیہ میں سے ہے۔ سوم جو مقتدی اخیر شب کو قرآن شریف سنتے ہیں، اور رات کو زیادہ جاگنے کے عادی نہیں ہیں، ان کو جگایا جاتا ہے، بعض کی صبح کی نماز، یا صرف جماعت جاتی رہتی ہے، ممکن ہے اس جماعت کی وجہ سے صبح کی نماز، یا جماعت فوت ہوئی ہو۔ چہارم قصداً بیس رکعت ایک ساتھ نہیں پڑھی؛ بلکہ سولہ رکعت اور چار رکعت کے درمیان وقفہ دیا گیا۔ پنجم جہاں تک خیال ہے سلف میں بھی ایسا عمل نہ ہوا ہوگا، ایسی صورتوں کا خیال کرتے ہوئے کہ مفسدات بھی نظر آتے ہیں اور پابندی کے ساتھ کئی سال سے جماعت ہو رہی ہے۔ جناب والا سے گذارش ہے کہ جناب ایسی جماعت کے واسطے اجازت دیتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

قال الطحطاوی فی حاشیته علیٰ مرافی الفلاح: وکره أن یؤم فی التراویح مرتین فی لیلة واحدة وعلیه الفتوی؛لأن السنة لا تتکرر فی الوقت الواحد فتقع الثانیة نفلاً مضمرات بخلاف ما لو صلاها مأموماًمرتین حیث لایکره کما لو أم فیها ثم اقتدیٰ بآخر فی تلک الصلاةو کما لو صلّی العشاء إمامًا أو مقتدیا ثم أقیمت ثانیاً فإنه لایکره له أن یدخل فیها ثانیًا بل یستحل له،آه. (ص: ۲۳۹)(۱)

یہ صورتِ عمل فی نفسہ تو جائز تھی، جیسا کہ عبارتِ مذکورہ سے معلوم ہوا؛ مگر ان مفاسد کے انضمام سے جو سوال میں

(۱) حاشیة الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة التراویح: ٤١٢، دارالکتب العلمیة بیروت، انیس

ہیں کہ عوام اس کو جماعتِ تراویح نہیں؛ بلکہ جماعتِ تہجد سمجھتے ہیں اور دوسرے لوگوں نے اس کو دیکھ کر جماعت نوافل محضہ بھی شروع کردی، یہ قابلِ ترک؛ بلکہ واجب الترک ہے، **فإن المباح والمستحب إذا أدى إلٰى مفسدة يجب تركه صرّح به الفقهاء قاطبة والله أعلم**

غرہ رمضان ۱۳۴۵ھ (امدادالاحکام: ۲/۲۴۹-۲۵۰)

کیاایک مسجد میں دومرتبہ تراویح کی جماعت مکروہ ہے:

سوال: ایک مسجد میں دومرتبہ تراویح کی جماعت مکروہ ہے؟

الجواب

تراویح کے تکرار فی المسجد کے متعلق کوئی جزئیہ نہیں ملا، دوسری جگہ تحقیق کرلیا جاوے، محض رکن الدین پر اعتماد نہ کیا جاوے، البتہ مزید احتیاط کی بنا پر جگہ بدل لیا کریں، تا کہ تکرار مکروہ ہونے کی صورت میں بھی کراہت مرتفع ہوجاوے، اور باوجود تبدیلِ ہیئت تکرار جماعت فرض تو مکروہ ہے؛ لیکن تراویح میں بنابرقول ابو یوسف رحمہ اللہ تبدل ہیئت سے تکرار مکروہ نہ رہے گا۔

عن أبي يوسف أنه إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولٰى لا تكره وإلا تكره وهو الصحيح وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة، كذا في البزازية،آه. (ردالمحتار: ۱/۵۷۸)(۱)

اورامام ابو یوسفؒ کا قول مذکور گو عام ہے؛ لیکن فرائض میں اس پر فتویٰ نہیں دیا جاتا اور تراویح میں فرائض سے توسع ہے؛ اس لیے تراویح میں اس پر عمل کی گنجائش ہے اور یہ کلام اس تکرار میں جو امام آخر اور مقتدین آخرین کے ساتھ ہو اور اگر پہلا امام اور پہلے مقتدی ہی تکرار کریں تو وہ مطلقاً مکروہ ہے، خواہ مسجد میں ہو، یا غیر مسجد میں ہو، صرح بہ فی البدائع۔ (۱/۲۰۹)(۱)

عبدالکریم عفی عنہ، ۸/رمضان ۱۳۴۴ھ، الجواب صحیح: ظفراحمد عفی عنہ۔ (امدادالاحکام: ۲/۲۴۸)

ایک مسجد میں تراویح کی دو جماعت، یا دواماموں کامل کرتراویح پڑھانا:

سوال: ایک متوسط جامع مسجد جس میں دو حصے ہیں: اوپر، نیچے تو رمضان المبارک میں اوپر نیچے دونوں جگہ تراویح ہوسکتی ہے؛ یعنی ہر حصہ کے علاحدہ امام ہیں، دونوں ایک ہی مکتبۂ فکر کے ہیں تو ایسی صورت میں کیا اجازت ہے، جب کہ نیچے بہت جگہ ہے اور دونوں حافظوں کا کوئی سامع نہیں ہے تو یہ صورت مناسب ہے کہ ایک حافظ پڑھے اور دوسرا سنے، یا یہ صورت بہتر ہے کہ اوپر نیچے تراویح علاحدہ علاحدہ ہوجائے؟

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد: ۲/۲۸۹، مكتبة زكريا، انيس

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

تراویح دوجگہ بھی ہوسکتی ہے، بشرطیکہ آوازوں میں ٹکراؤ نہ ہو؛ مگر اچھا یہی ہے کہ امام کے پیچھے سب پڑھیں اور دوسرے حافظ سامع کی حیثیت سے پیچھے رہیں؛ تاکہ اگر لقمہ دینے کی ضرورت پیش آئے تو آسانی رہے، پھر چاہیں ایسا کریں کہ ایک شب ایک امام صاحب تراویح پڑھائیں اور دوسری شب دوسرے امام صاحب تراویح پڑھائیں، یا ۸/رکعت ایک امام صاحب پڑھائیں اور بارہ رکعت دوسرے امام صاحب پڑھائیں؛ تاکہ دونوں کو سنانے کا موقع مل جائے اور جماعت بھی ایک ہی رہے، حرم شریف میں ایسا ہی کرتے ہیں کہ دو امام پڑھاتے ہیں:

وفی الخلاصة: "إذا صلی الترويحة الواحدة إمامان كل إمام ركعتين، اختلف المشايخ فيه والأصح أنه لايستحب ولكن كل ترويحة يؤديها إمام واحد". (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۲۷۳)

ایک مسجد میں متعدد تراویح کا حکم:

سوال: ایک جامع مسجد کہ جس کا طول ۲۸/گز اور عرض ۲۱/گز ہے، اگر چاہیں کہ قرآن شریف دوجگہ مسجد مذکور میں دو حافظ بیچ تراویح کے پڑھیں اور درمیان میں کوئی آڑ روک ایسی کردی جائے کہ ایک دوسرے کی آواز سے حرج واقع نہ ہو، آیا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

ایک مسجد میں دوجگہ تراویح پڑھنا بشرطیکہ از راہ نفسانیت نہ ہو اور ایک کا دوسرے سے حرج نہ ہو جائز ہے مگر افضل یہی ہے کہ ایک ہی امام کے ساتھ سب پڑھیں۔

فی البخاری عن عبدالرحمن بن عبد القاری أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب ليلة فی رمضان إلی المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلی الرجل لنفسه ويصلی الرجل فيصلی بصلاته الرهط، فقال عمر: إنی أریٰ لو جمعت هؤلاء علیٰ قارئ واحد لكان أمثل ثم عزم فجمعهم علی أبی بن كعب. {الحديث} (المجلد الأول: ۲۶۹) (۲)

اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح متفرق پڑھنے والوں پر تشنیع نہیں فرمائی۔ (۳) پس

(۱) خلاصة الفتاویٰ، کتاب الصلاة، الفصل الثالث فی التراويح: ۱/۱٦٤، امجد اکیڈمی لاهور

(۲) صحيح البخاری، کتاب الصوم، کتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان: ۱/۲٦۹، رقم الحديث: ۱۹٦٦، أشرفی بکڈپو دیوبند، انیس

(۳) اس استنباط میں تأمل ہے؛ کیوں کہ یہ حالت اس وقت کی تھی، جب کہ جماعت کا اہتمام نہ تھا اور وجہ عدم تشنیع کی بھی یہی عدم اہتمام تھا، ==

معلوم ہوا کہ یہ جائز ہے اورایک امام کے ساتھ پڑھنے کوافضل فرمایا،اس سے معلوم ہوا کہ افضل یہی ہے۔واللہ اعلم
۲۴/ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ (امداد:۱/۹۰) (امدادالفتاویٰ جدید:۱/۴۶۹-۴۷۰)

ایک مسجد میں تراویح کی متعدد جماعتیں:

سوال: دومنزلہ مسجد کی ہرایک منزل میں تراویح کی الگ جماعت کرنا جائز ہے،یانہیں؟ اورایک ہی منزل میں مختلف جگہوں پر کچھ فاصلہ سے دوسری جماعت کا کیا حکم ہے؟ بینواتوجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصواب

مسجد میں جماعت کا تعدد مکروہ ہے اوراس کا عموم جماعت تراویح کو بھی شامل ہے،لہذا یہ بھی مکروہ ہے،خواہ ایک ہی وقت میں تراویح کی متعدد جماعتیں ہوں،یامختلف اوقات میں ہوں۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
۲۳/محرم ۱۴۰۱ھ (احسن الفتاویٰ:۳/۵۲۶)

ایک مسجد میں تراویح کی دو جماعتیں:

سوال: بعض مسجدوں میں بیک وقت تراویح کی دو جماعتیں ہوتی ہیں،ایک اوپر کی منزل میں اورایک نیچے،یا ایک اندراورایک صحن میں،ایک جگہ زیادہ قرآن پڑھا جاتا ہےاوردوسری جگہ کم،کیااس طرح تراویح کی ایک سے زیادہ جماعتیں درست ہیں؟ (محمد کبیر،شاہین نگر)

الجواب ــــــــــــ

نماز میں قرآن کی کتنی مقدار پڑھی گئی؟اس سے زیادہ اہمیت اجتماعیت کو برقرار رکھنے کی ہے،کثرت جماعت سے مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار ہوتا ہے،چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ابتداءً چھوٹی چھوٹی علاحدہ جماعتیں ہوا کرتی تھیں،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ کوختم فرما کرایک جماعت کردی اورحضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کواس کا امام مقررفرمایا۔(۲) اسی طرح فقہاءؒ نے یکے بعد دیگرے بھی ایک مسجد میں تراویح کی دو جماعتوں کومکروہ قراردیا ہے:

== اس سے حکم مذکورکا استنباط مشکل ہے،بالخصوص ایسی حالت میں جب کہ اس سے وہ مقصود فوت ہوتا ہو،جس کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اہتمام فرمایا ہو۔(تصحیح الاغلاط،ص:۵)

(۱) ويكره تكرار الجماعة،إلخ.(الدرالمختار على صدر ردالمحتار،باب الإمامة،مطلب في تكرار الجماعة في المسجد:۱/۵۱۷،انیس)

(۲) دیکھئے: صحيح البخاري،رقم الحديث:۲۰۱۰،باب فضل من قام رمضان،كتاب صلاة التراويح.محشی

"ولو صلى التراويح مرتين في مسجد واحد يكره". (۱)

لہٰذا بیک وقت دو جماعتیں تو بدرجۂ اولی مکروہ ہوں گی۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۰۱-۴۰۲)

دومنزلہ مسجد میں بیک وقت نیچے اوپر تراویح کی نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک مسجد دومنزلہ ہے، جس میں بیک وقت ایک حافظ نیچے اور دوسرے حافظ اوپر نماز تراویح الگ الگ مقتدیوں کو لے کر پڑھاتے ہیں، اس طرح علاحدہ علاحدہ تراویح کا پڑھنا حفاظ کی کثرت کی وجہ سے ہوتا ہے، واضح ہو کہ نماز عشا سبھی ایک ہی ساتھ ایک امام کے پیچھے پڑھتے ہیں، کیا اس صورت میں کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

کتب فقہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ جب کسی ایک مسجد کو دیوار وغیرہ کے ذریعہ پارٹیشن کر دیا جائے تو ہر ایک حصہ میں الگ، الگ جماعت کرنا شرعاً جائز و درست ہے۔

"أهل المحلة قسّموا المسجد وضربوا فيه حائطًا ولكل منهم إمام علٰى حدة ومؤذنهم واحد لابأس به والأولٰى أن يكون لكل طائفة مؤذن كما يجوز؛ لأهل المحلة أن يجعلوا المسجد الواحد مسجدين فلهم أن يجعلوا المسجدين واحدًا لإقامة الجماعة أما للتذكير أوللتدريس فلا، لأنه ما بنى له وإن جاز فيه. (۲)

جب ایک مسجد میں پارٹیشن کر دینے کی وجہ سے دو جماعت شرعاً جائز و درست ہے تو ایک ہی مسجد میں ضرورۃً نیچے اور اوپر تراویح کی نماز دو جماعت کے ساتھ پڑھنا یقیناً جائز و درست ہوگا، نیز کسی محلّہ کی مسجد میں دوبارہ جماعت کرنا اس لیے مکروہ وممنوع ہے کہ پہلی جماعت کی اہمیت نہ رہ جائے گی اور مقتدیوں کی تعداد کم ہو جائے گی۔

وروى عن أنس أن أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كانوا إذا فاتتهم الجماعة فى المسجد صلّوا فى المسجد فرادى، ولأن التكرار يؤدى إلى تقليل الجماعة؛ لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة يتعجلون فتكثر وإلا تأخروا. (۳)

یہ بات صورت مسئولہ میں نہیں پائی جارہی ہے؛ اس لیے کہ یہاں پر حفاظ کی کثرت کی وجہ سے دو جماعت دومنزلوں میں ہورہی ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں جب کہ حفاظ کی کثرت ہے اور مقصد یہ ہے کہ دومنزلوں میں دو جماعت ہو؛ تاکہ زیادہ سے زیادہ حفاظ کو تراویح کی نماز پڑھانے کا موقع ملے اور وہ اپنے قرآن کو یاد رکھ سکیں، نیز

(۱) الفتاوى قاضي خان علىٰ هامش الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، باب التراويح: ۱/۲۳٤، مكتبة زكريا، انيس

(۲) البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل فى أحكام المساجد: ٥/٤١٩، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۳) ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب فى المؤذن إذا كان غير مستحب فى أذانه: ۲/٦٠، مكتبة زكريا، انيس

دو جماعت سے ایک دوسرے کی نماز میں کوئی خلل بھی نہیں ہے تو مذکورہ مقصد کے تحت ایک مسجد کی دومنزلوں میں الگ الگ تراویح کی نماز باجماعت ادا کرنا شرعاً جائز ودرست ہے، البتہ چوں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ لوگ علاحدہ علاحدہ نماز تراویح ادا کررہے ہیں تو انہوں نے صحابہ کے مشورہ سے ایک ہی حافظ کے پیچھے سبھی کو نماز پڑھنے کا حکم دیا اور سبھوں کو ایک امام پر جمع کردیا، سبھی حضرات ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھنے لگے، اس لئے حضرت عمر فاروق ؓ کے اس عمل کی پیروی کرتے ہوئے افضل وبہتر یہی ہے کہ ایک مسجد میں ایک ہی حافظ کے پیچھے سبھی لوگ نماز تراویح ادا کریں، دو جماعت نہ کی جائے۔

’’عن عبد الرحمن بن عبد القاری أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب لیلة فی رمضان إلی المسجد، فإذا الناس أوزاع متفرقون یصلّی الرجل لنفسه ویصلی الرجل فیصلّی بصلاته الرهط، فقال عمر: إنی أریٰ لو جمعت هؤلاء علیٰ قارئ واحد لکان أمثل، ثم عزم، فجمعهم علی أبی بن کعب‘‘.(۱)فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۴/۲/۱۴۱۵ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۶۴-۴۶۶)

ایک ہی مسجد میں تراویح کی تین جماعتیں:

سوال: شہر نظام آباد کی ایک مشہور مسجد میں تین علاحدہ علاحدہ وقتوں میں نمازِ تراویح کا اہتمام کیا گیا ہے، بعد عشا سوا پارہ، مسجد کے بالائی حصہ میں آٹھ بج کر ۱۵/منٹ پر روزانہ تین پارے، مسجد کے نچلے حصہ میں دس بج کر چالیس منٹ سے روزانہ سوا پارہ۔ کیا یہ درست ہے؟ (محمد فہیم الدین عظمیٰ، نظام آباد)

الجواب

جیسے فرض نمازوں میں تکرار جماعت مکروہ ہے، اسی طرح فقہا نے نمازِ تراویح میں بھی مکرر جماعت کو منع فرمایا ہے؛(۲) اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے، مسجد میں ایک ہی جماعت کی جائے، باقی جماعتیں مسجد سے باہر گھر میں، یا کسی اور مقام پر کی جاسکتی ہیں۔(کتاب الفتاویٰ:۲/۳۸۹-۳۹۰)

---

(۱) الصحیح للبخاری، کتاب الصوم، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان: ۲۶۹/۱، رقم الحدیث: ۱۹۶۶، أشرفی بکڈپو، دیوبند، انیس

(۲) ولو صلی التراویح مرتین في مسجد واحد یکره، کذا فی فتاویٰ قاضی خان، إمام یصلی التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال لا یجوز، کذا فی محیط السرخسی، والفتویٰ علی ذلک، کذا فی المضمرات، والمصلی إذا صلاها فی مسجدین لابأس بهولا ینبغی أن یوتر فی المسجد الثانی.(الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱۱۶/۱، دار الفکر بیروت، انیس)

عشا کی نماز باجماعت نہ پڑھی تو تراویح بھی بلا جماعت پڑھے:

سوال: اگر کسی مسجد میں نماز عشا جماعت کے ساتھ نہ پڑھی گئی ہوتو وہاں تراویح جماعت سے پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

اگر عشا کی نماز جماعت کے ساتھ نہ ہوئی ہوتو تراویح بھی جماعت کے ساتھ نہ پڑھی جائے؛ کیوں کہ تراویح عشا کی نماز کے تابع ہے۔(۱)

البتہ اگر کچھ لوگ عشا کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ کر تراویح پڑھ رہے ہوں اور کوئی شخص بعد میں آئے تو وہ اپنی عشا کی نماز الگ پڑھ کر تراویح کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۹۵/۴)

فرض الگ پڑھنے والا وتر میں شریک ہوسکتا ہے:

سوال: اگر کوئی شخص عشا کی جماعت ہوجانے کے بعد مسجد میں داخل ہوا اور اس نے تراویح جماعت سے پڑھی تو پھر وہ وتر جماعت سے پڑھے، یا نہیں؟ کتاب رکن الدین کے مصنف نے پڑھنے کو منع کیا ہے اور شامی کا حوالہ دیا ہے۔

(المستفتی:۶۸۸، سکریٹری انجمن حفظ الاسلام (ضلع بھروچ) ۲۷/رمضان ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۴/دسمبر ۱۹۳۵ء)

الجواب

اگر کوئی کسی وجہ سے جماعت سے علاحدہ وتر پڑھ لے تو مضائقہ نہیں، اگر تراویح کی جماعت میں شریک رہا تو وتر کی جماعت میں بھی شریک رہ سکتا ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ (کفایت المفتی:۳۹۶/۳)

تنہا فرض پڑھنے والا وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے:

سوال (۱) زید بکر وغیرہ نے نماز عشا تنہا پڑھی اور تراویح باجماعت تو زید بکر وغیرہ کو وتر تنہا پڑھنا بہتر ہے، یا

---

(۱) لو تركوا الجماعة في الفرض ليس لهم أن يصلوا التراويح جماعة؛لأنها تبع للجماعة ،إلخ.(الحلبي الكبير، فصل في النوافل...التراويح،ص:۴۰۵،دارالكتاب ديوبند،انيس)

(۲) أما لو صليت بجماعة الفرض وكان رجل قد صلى الفرض وحده فله أن يصليها مع ذلك الإمام؛لأن جماعتهم مشروعة فله الدخول فيها معهم لعدم المحذور ،إلخ.(رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة الوتر:۴۹۹/۲ ،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)(وأيضا في البحر الرائق:۷۵/۲)

(۳) (ووقتها بعد صلاة العشاء)إلى الفجر(قبل الوتر وبعده)فلوفاته بعضها وقام الإمام إلى الوتر أوتر معه ثم صلى مافاته،إلخ.(التنوير وشرحه،كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل:۴۹۳/۲-۴۹۴،ط:مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

باجماعت؟ کیوں کہ فرض عشا جماعت سے نہیں پڑھی۔

(۲) نماز تراویح میں امام ومقتدی کولازم ہے کہ ہر دو رکعت کی ابتدا میں ثنا پڑھیں، یا صرف امام کا ثنا پڑھنا کافی ہوگا؟ مقتدی سکوت اختیار کریں، یا وہ بھی ضرور پڑھیں؟

الجواب

(۱) اگر تراویح کی جماعت میں شریک ہوگیا ہوتو وتر کی جماعت میں بھی شریک ہوسکتا ہے۔(۱)

(۲) اگر امام ثنا جلدی سے پڑھ کر قراءت شروع کردے تو مقتدی ثنا نہ پڑھیں اور جب تک امام قرأت شروع نہ کرے مقتدی ثنا پڑھ لیں۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۴۰۹)

عشا کے فرائض تراویح کے بعد ادا کرنے والے کی نماز کا کیا حکم ہے:

سوال: ایک صاحب عشا کے وقت مسجد میں داخل ہوئے تو عشا کی نماز ختم ہوچکی تھی، تراویح شروع تھیں، یہ حضرت تراویح میں شامل ہوگئے، بعد از تراویح عشا کی فرض نماز مکمل کی، آیا اس طرح نماز ہوگی، یا نہیں؟ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ قصداً ایسا نہیں کیا؛ بلکہ لاعلمی کی وجہ سے ایسا ہوا ہے؟

الجواب

جو شخص ایسے وقت آئے کہ عشا کی نماز ہوچکی ہو، اس کو لازم ہے کہ پہلے عشا کے فرض اور سنت مؤکدہ پڑھ لے، بعد میں تراویح کی جماعت میں شریک ہو، ان صاحب کی نماز تراویح نہیں ہوئی، تراویح کی نماز عشا کے تابع ہے، (۳) اس کی مثال ایسے ہے، جیسے بعد کی سنتیں کوئی شخص پہلے پڑھ لے تو ان کا لوٹانا ضروری ہوگا؛ مگر تراویح کی قضا نہیں۔(۴) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۱۹۴)

---

(۱) (ولولم يصلها)أي التراويح (بالإمام أوصلاها مع غيره له أن يصلي الوتر معه)،إلخ.(التنويروشرحه، كتاب الصلاة،باب الوتر و النوافل، مبحث في صلاة التراويح:۲/۴۹۹-۵۰۰،ط:مكتبة زكرياديوبند،انيس)

(۲) أدرك الإمام في القيام يثني ما لم يبدأ بالقراء ة،إلخ.(الدرالمختار،كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة،فصل في بيان تأليف الصلاة:۱/۴۸۸،ط:سعيد)

(۳) (ووقته أي وقت التراويح...وقال القاضي الإمام أبو علي النسفي الصحيح أن وقتها(بعد العشاء) لاتجوز قبلها،إلخ.(الحلبي الكبيرى،فصل في النوافل...التراويح،ص:۴۰۳،طبع سهيل اكيڈمی لاهور)

(۴) وإذا فاتت التراويح لا تقضىٰ بجماعة والأصح إنها لا تقضىٰ أصل ،إلخ.(البحرالرائق،كتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل:۲/۱۱۹،رشيدية،انيس)

عذر کی حالت میں سواری پر تراویح پڑھنے کا جواز:

سوال: رمضان شریف میں کوچ کے دن کوچ شب کو ہوگا تراویح کیوں کر پڑھیں، آیا نوافل کی طرح سواری پر پڑھ سکتے ہیں، سواری ہاتھی کی ہوگی؟

الجواب

پڑھ سکتے ہیں۔

فی ردالمحتار: بخلاف سنة التراويح؛ لأنها دونها فی التأكد فتصح قاعداً وإن خالف المتوارث وعمل السلف، كما فی البحر. (۱)

۱۵/شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد: ۱/۳۷) (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۴۷۰)

کھڑے ہوکر تراویح پڑھنے کے دوران عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھنا:

سوال: سنا ہے چاہے کوئی بوڑھا ہو یا جوان اگر وہ نماز تراویح شروع ہی سے کھڑے ہوکر پڑھنی شروع کردے تو تمام نماز تراویح کھڑے کھڑے ہی ادا کرنا ہوگا؟ کسی بھی حالت میں بیٹھ کر پوری کرنا جائز نہیں، جب کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایسا نہیں، اگر عذر ہو تو بیٹھ سکتا ہے؟

الجواب

آپ نے ٹھیک سمجھا ہے، اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تراویح کھڑے ہوکر شروع کرنے کے بعد کسی بھی حالت میں بیٹھ کر پوری کرنا جائز نہیں وہ درست نہیں کہتے۔ واقعہ یہ ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت عذر پر موقوف ہے، اگر عذر شروع ہی سے ہو تو شروع ہی سے بیٹھ کر نماز پڑھے اور اگر بیچ میں پیش آئے تو بیچ میں بیٹھ جانا بھی جائز ہے۔ (۲) واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عنہ، ۱۸/۹/۱۳۹۷ھ (فتویٰ نمبر: ۱۷۹/۲۸ ج) (فتاویٰ عثمانی: ۱/۵۱۴-۵۱۵)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الواتر والنوافل، مبحث المسائل الستة عشرية: ٢/٤٨٣، مكتبة زكريا، انيس

قلت: وأفادت المخالفة الكراهة وتجبر بالعذر فی الدر المختار فهی صلوٰة علی الدابة فتجوز فی حالة العذر إلیٰ قوله وذهاب الرفقاء. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، فصل فی النوافل: ١/٦٥٦، سعيد)

(۲) وفی مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر: ١/٢٢٩: (ولو مرض فی أثناء الصلاة بنی بماقدر) يعنی لو شرع فی الصلاة صحيحًا قائمًا فحدث به مرض يمنعه عن القيام صلیٰ مابقی قاعدًا يركع ويسجد... (ولو افتتحها قاعدًا) للعجز (يركع ويسجد، فقد علی القيام بنی قائمًا) عند الشيخين. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ١/٢٢٩، دارالكتاب العلمية بيروت، انيس)

وفيه أيضًا: ١/٢٠١: (ولو قعد بعد ما افتتحه قائما جاز) عند الإمام استحسانًا؛ لأنه أسهل من الابتداء ويكره لو بلا عذر عنده). (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، فصل باب الوتر والنوافل: ١/٢٠١، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

بغیر عذر کے تراویح بیٹھ کر پڑھنا کیسا ہے:

سوال: دیگر نفل کی طرح کیا تراویح بھی بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

تراویح بغیر عذر کے بیٹھ کر نہیں پڑھنی چاہیے، یہ خلاف استحباب ہے اور ثواب بھی آدھا ملے گا۔(۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۸۹/۴)

بیٹھ کر تراویح پڑھنا:

سوال: زید تراویح میں قرأت طویلہ کی وجہ سے قائماً نماز ادا نہیں کرسکتا، آیا وہ جماعت کے ساتھ قاعداً تراویح ادا کرسکتا ہے، یا علاحدہ قائماً تراویح ادا کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

بیٹھ کر جماعت کے ساتھ تراویح پڑھے؛ اس لیے کہ تراویح میں قیام فرض نہیں، ہاں بلا عذر بیٹھ کر تراویح پڑھنا خلاف استحباب ہے۔

قال فی البزازية: وأداؤها قاعدًا يجوز فی المختار ولو بلا عذر؛ لكن لايستحب بخلاف سنة الفجر؛ فإنه لايجوز قاعدًا. (۲)

وفی الخانية (فصل فی أداء التراويح قاعدًا): واختلفوا فی الجواز قال بعضهم: لايجوز بغير عذر واستدلوا بما روى الحسن عن أبی حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه لو صلىٰ سنة الفجر قاعدًا بغير عذر لايجوز فكذا التراويح إذ كل واحد منهما سنة مؤكدة، وقال بعضهم: يجوز أداء التراويح قاعدًا بغير عذر وفرقوا بين التراويح وبين سنة الفجر وهو الصحيح إلا أن ثوابه يكون على النصف من صلاة القائم ووجه الفرق أن سنة الفجر سنة مؤكدة لاخلاف فيها والتراويح فی التاكيد دونها فلايجوز التسوية بينهما. (۳)

وأقره ابن امير الحاج فی شرح المنية ومثله فی الظهيرية وغيرها وفی فتاوىٰ الشيخ قاسم بن قطلوبغا ناقلاً عن الإمام حسام الدين الشهيد: أجمعوا علىٰ أن ركعتی الفجر قاعدًا من غير عذر

(۱) اتفقوا علىٰ أن أداء التراويح قاعدًا لايستحب بغير عذر واختلفوا فی الجواز، قال بعضهم يجوز وهو الصحيح إلا أن ثوابه يكون على النصف من صلاة القائم. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراويح: ۱۱۸/۱)

(۲) الفتاوىٰ البزازية علىٰ هامش الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثالث فی التراويح: ۳۰/۴، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۳) الفتاوىٰ الخانية علىٰ هامش الهندية، كتاب الصوم، باب التراويح، فصل فی أداء التراويح قاعداً: ۲۴۳/۱، انيس

لاتجوز؛لأنها سنة شابهت الفرض وأما التراويح فالصحيح أنها تجوز قاعدًا بغير عذر ولكن لا تستحب.(۱)**فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم**

۱۰/رمضان ۱۴۰۰ھ (احسن الفتاویٰ:۳/۵۲۶)

تراویح میں طویل قیام کی وجہ سے پیر پر سہارا لینا:

جناب مفتی صاحب! مسئلہ ذیل میں جواب سے نوازا جائے۔

سوال: عالمگیری میں قیام فی الصلاۃ کی بحث میں یہ عبارت منقول ہے:

''ويكره التمايل علىٰ يمناه مرة،وعلىٰ يسراه أخرىٰ،كذا في الذخيرية''.ويكره التراويح بين القدمين في الصلاة،إلا بعذر وكذا القيام بإحدى القدمين،كذا في الظهيرية''.(عالمگیری: ۱/۵٦)(۲)

شامی میں یہ عبارت منقول ہے:

''ويكره القيام علىٰ إحدىٰ القدمين في الصلاة بلا عذر''.(شامی: ۱/٤١٤)(۳)

اور مراقی الفلاح میں یہ عبارت ہے:

''والتراويح مفضل من نصب القدمين،وتفسير التراويح أن يعتمد علىٰ قدم مرة وعلىٰ الأخرىٰ مرة؛لأنه أيسر وأمكن بطول القيام''.

طحطاوی نے کہا ہے:

''وروي عن الإمام:التراويح في الصلاة أحب إلّي من أن ينصب قدميه نصباً''.

نیز یہ بھی کہا ہے:

''فيما في منية المصلي من كراهة التمايل يميناً ويساراً محمول علىٰ التمايل علىٰ سبيل التعاقب من غير تخلل سكون كما يفعله بعضهم ... لا الميل علىٰ إحدى القدمين بالاعتماد ساعة، ثم الميل علىٰ الأخرىٰ كذالك،بل هو سنة،إلخ''.(۴)

---

(۱) أُطْلِقَ في التَّنَفُّلِ فَشَمَلَ السُّنَّةَ الْمُؤَكَّدَةَ وَالتَّرَاوِيحَ لَكِنْ ذكر قاضي خان في فتاواه من بَابِ التَّرَاوِيحِ الْأَصَحُّ أَنَّ سُنَّةَ الْفَجْرِ لَا يَجُوزُ أَدَاؤُهَا قَاعِدًا من غَيْرِ عُذْرٍ وَالتَّرَاوِيحُ يَجُوزُ أَدَاؤُهَا قَاعِدًا من غَيْرِ عُذْرٍ وَالْفَرْقُ أَنَّ سُنَّةَ الْفَجْرِ مُؤَكَّدَةٌ لَا خِلَافَ فيها وَالتَّرَاوِيحَ في التَّأْكِيدِ دُونَهَا انْتَهَى.

وقد نَقَلْنَاهُ في سُنَّةِ الْفَجْرِ في مَوْضِعِهَا من رِوَايَةِ الْحَسَنِ وَهَكَذَا صَحَّحَهُ حُسَامُ الدِّينِ ثُمَّ قال الصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يُسْتَحَبُّ في التَّرَاوِيحِ لِمُخَالَفَتِهِ لِلتَّوَارُثِ وَعَمَلِ السَّلَفِ.(البحر الرائق،باب الوتر والنوافل:٦٨/٢،دار المعرفة بيروت،انيس)

(۲) الفتاوىٰ الهندية،الباب السابع فيما يفسد الصلاة ومايكره فيها،الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة ومالا يكره: ١٠٨/١،رشيدية

(۳) ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٤٤٤/١،سعيد

(۴) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي،كتاب الصلاة،فصل في بيان سننها،ص:٢٦٢،قديمي

سوال (۱) کیا بغیر طول قیام کی ضرورت کے مطلقاً نماز کے قیام میں تراویح مسنون ہے؟ مفتیٰ بہ قول سے آگاہ فرمایا جائے۔

(۲)　عالمگیری اورطحطاوی کی عبارتوں میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

(۳)　نصب القدمین کوسنت اورتراویح بلاعذر کوخلاف سنت اورمکروہ کہیں گے، یانہیں؟

(۴)　تراویح، تمایل، قیام علی إحدی القدمین کی تعریف کیا ہےاورکون مکروہ ہےاورکون افضل اورمسنون ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلياً

(۱)　تراویح کوفقہا نے افضل لکھا ہےاوراس کی علت بیان کی ہے: ''لأنه أيسر و أمكن بطول القيام، إلخ''. (۱) اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ اگرطول قیام نہ ہوتوعدم تراویح اصل ہے، چناں چہ طحطاوی میں ہے: ''ثم إن هٰذة العلة لاتظهر فيما إذا كان القيام قصيراً''. (۲)

امام اعظم رحمۃ اللہ نے کعبہ مکرمہ میں داخل ہوکر قیام طویل کیا؛ یعنی دو رکعت میں قرآن پاک ختم فرمایا، پہلی رکعت میں ایک قدم پر بوجھ دیا، دوسری رکعت میں دوسرے قدم پر:

''قال السيد في شرحه: وهٰذا هو محمل ما نقل عن الإمام حين دخل الكعبة، فصلٰى ركعتين بجميع القرآن واقفاً علٰى إحدٰى قدميه في الركعة الأولٰى، وفي الثانية علٰى قدمه الأخرٰى، إلخ''. (طحطاوی) (۳)

بار بار تراویح، تمایل، قیام احدی القدمین میں شبۂ تلعب ہے، بضرورت طول قیام افضل ہے۔ اس تقریر سے آپ کےسوالات کا جواب ہوگیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۲۶۸/۷-۲۶۹)

تراویح کے تارک کاحکم:

سوال:　جولوگ تراویح نہیں پڑھتے، ان کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

تراویح عندالحنفیہ سنت مؤکدہ ہیں اور جماعت بھی تراویح میں سنت ہے، تارک اس کے مُسِئ اورآثم ہیں۔ (۴) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۵۵/۴)

---

(۱)　مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، ص: ۲٦۲، قديمي

(۲)　حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، ص: ۲٦۳، قديمي

(۳)　حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها، ص: ۲٦۲-۲٦۳، قديمي

(۴)　ونفس التراويح سنة على الأعيان عندنا إلخ والجماعة فيها سنة على الكفاية، إلخ، وإن تخلف ==

تراویح بلا عذر شرعی ترک کرنا کیسا ہے:

سوال: تراویح کو بلا عذر قصداً ترک کرنا اور یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ترک کی ہیں؛ اس لیے ہم بھی ترک کرتے ہیں، یہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

تراویح سنت مؤکدہ ہیں بلا عذر ان کو ترک کرنے والا عاصی و گناہگار ہے۔ خلفائے راشدین وجمیع صحابہؓ وسلف صالحین سے ان کی مواظبت ثابت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خود فرمایا ہے کہ مجھے خیال ہے کہ کہیں فرض نہ ہو جائیں۔(۱) یہی ایک چیز ہے کہ جس کی وجہ سے آپ نے مواظبت نہیں کی، حقیقت میں آپ کا مواظبت نہ فرمانا ہی خود ان کے اہتمام کی بیّن دلیل ہے، کسی شخص کا یہ عذر کرنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک کی ہیں، میں بھی ترک کرتا ہوں قطعاً نا قابل قبول اور ناواقفیت پر مبنی ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۸۱/۴)

تراویح چھوڑ دینے کا گناہ:

سوال: تراویح قضا کرنے سے گناہ ہوگا، یا نہیں:

الجواب

ترک سنت کا گنہ اس کو ہوگا۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۹۱/۴)

وظیفہ کی وجہ سے جماعت تراویح کا ترک درست نہیں:

سوال: ایک شخص عشا کی سنت اور وتر کے درمیان ایک وظیفہ کا عادی ہے، رمضان میں چوں کہ وتر با جماعت ہوتی

== واحد من الناس وصلا ها فی بیته فقد ترک الفضیلة.(الفتاوٰی الهندیة، کتاب الصلاة،الباب التاسع فی النوافل،فصل فی التراویح: ١/١١٦،انیس)

(قوله والجماعة فیها سنة علی الکفایة،إلخ)أفاد أن أصل التراویح سنة عین فلو ترکها واحد کره.(رد المحتار، کتاب الصلاة،مبحث صلاة التراویح: ١/٦٦٠،ظفیر)

(۱) عن زید بن ثابت أن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم اتخذ حجرةً فی المسجد من حصیر،فصلّٰی فیها لیالی،حتّٰی اجتمع علیه ناس،ثم فقدوا صوته لیلة،وظنوا أنه قد نام،فجعل بعضهم یتنحنح لیخرج إلیهم،فقال:ما زال بکم الذی رأیت من صنیعکم،حتّٰی خشیت أن یکتب علیکم،ولو کتب علیکم ما قمتم به،فصلوا أیها الناس!فی بیوتکم،فإن أفضل صلاة المرء فی بیته إلا الصلاة المکتوبة". متفق علیه".(مشکٰوة المصابیح، کتاب الصلاة،باب قیام شهر رمضان،الفصل الأول،ص: ١١٤،انیس)

(۲) وهی سنة للرجال والنساء جمیعاً...ونفس التراویح سنة علی الأعیان.(الفتاوٰی الهندیة، کتاب الصلاة،الباب التاسع،فصل فی التراویح: ١/١١٦،ظفیر)

ہے تو وظیفہ کیسا پڑھنا چاہیے؟ اگر وظیفہ پڑھتا رہے تو بارہ تراویح فوت ہوتی ہیں اور آٹھ ملتی ہیں تو وہ آٹھ تراویح پڑھ کر وتر کی جماعت میں شریک ہوجاوے، یا کیا؟ یا جماعت وتر کو چھوڑے، یا وظیفہ کو رمضان شریف میں ترک کرے؟

الجواب

وظیفہ کی وجہ سے جماعت تراویح اور جماعت وتر کو نہ چھوڑنا چاہیے اور تراویح بیس رکعت پڑھنی چاہیے۔(۱) وظیفہ اگر پڑھنا ہو تو بعد وتر کے، یا اور کسی وقت پڑھ لے۔ غرض یہ کہ اس وظیفہ کی وجہ سے کسی واجب اور سنت کو ترک نہ کرے؛ بلکہ وظیفہ ہی کو ترک کردے، یا دوسرے وقت پڑھے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۸۵-۲۸۶)

کیا تراویح کی قضا پڑھنی ہوگی:

سوال: جہاز پر ہماری ڈیوٹی رات آٹھ بجے سے بارہ بجے تک ہوتی ہے، اس وقت ہم میں سے اکثر لوگ صرف عشا کی نماز قضا کرتے ہیں، کیا اس وقت ہم صرف عشا پڑھیں، یا قضا تراویح بھی پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب

عشا کا وقت صبح صادق تک باقی رہتا ہے، اگر آپ ڈیوٹی سے پہلے عشا نہیں پڑھ سکتے تو ڈیوٹی سے فارغ ہوکر بارہ بجے کے بعد جب عشا کی نماز پڑھیں گے تو ادا ہی ہوگی؛ کیوں کہ عشا کو اس کے وقت کے اندر آپ نے ادا کرلیا، (۲) اور تراویح کی نماز کا وقت بھی عشا سے لے کر صبح صادق سے پہلے تک ہے؛ اس لیے آپ لوگ جب عشا کی نماز پڑھیں تو تراویح بھی پڑھ لیا کریں، اس وقت تراویح بھی قضا نہیں ہوگی؛ بلکہ ادا ہی ہوگی، (۳) اگر کوئی شخص صبح صادق سے پہلے تراویح نہیں پڑھ سکا، اس کی تراویح قضا ہوگئی، اب اس کی قضا نہیں پڑھ سکتا؛ کیوں کہ تراویح کی قضا نہیں۔ (۴)

(آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۱۹۵)

(۱) والجماعة فيها سنة على الكفاية ،إلخ،وهي عشرون ركعة ،إلخ،بعشر تسليمات. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل،مبحث صلاة التراويح:۱/۶٦٠،ظفير)

(۲) وأما آخر وقت العشاء فحين يطلع الفجر الصادق،إلخ. (البدائع الصنائع،كتاب الصلاة،فصل في شرائط الأركان:۱/۱۲٤،دار الكتب العلمية،انيس)/وأيضا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۳٦۱،مطلب في الصلاة الوسطىٰ)

(۳) وقال عامتهم وقتها ما بعد العشاء إلى طلوع الفجر فلا تجوز قبل العشاء؛لأنها تبع للعشاء،إلخ. (بدائع الصنائع،فصل في مقدار التراويح: ۱/۲۸۸،دار الكتب العلمية ،انيس)/وأيضًا في الدر المختار مع رد المحتار: ۲/٤٤، باب الوتر والنوافل،مبحث صلاة التراويح)

(۴) والصحيح أنها لاتقضى؛لأنها ليست بآكد من سنة المغرب والعشاء وتلك لاتقضى فكذٰلك هٰذه(البدائع الصنائع،كتاب الصلاة،فصل في بيان أدائها،دار الكتب العلمية بيروت: ۱/۲۹۰،انيس)/وأيضًا في الدر المختار مع الشامي: ۲/٤٤، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح)

تراویح کی قضا:

سوال: اگر کسی شخص کی تراویح قضا ہوجائے تو وہ کس طرح اس کی قضا پڑھے؟ (عابد علی، قلعہ گولکنڈہ)

الجواب

اگر تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھ سکا، تو اسی شب میں صبح ہونے سے پہلے پہلے کسی بھی وقت تراویح ادا کرلے، جب رات گزرگئی اور اگلا دن شروع ہوگیا تو اب تراویح کی قضا کی گنجائش نہیں، نہ تنہا اور نہ جماعت کے ساتھ، اب اپنی کوتاہی کے لیے استغفار کرے۔

"**إذا فاتت التراويح لاتقضى بجماعة ولابغيرها وهو الصحيح**". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۴۰۴-۴۰۵)

تراویح کے متعلق چند سوالات:

سوال (۱) رمضان شریف میں کلام مجید بلا سامع کے پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

(۲) پانی پت ضلع کرنال میں رواج ہے کہ دو حافظ کلام مجید پڑھتے ہیں، دس رکعت میں ایک حافظ اور دس رکعت میں ایک حافظ، اس طرح جائز ہے، یا نہیں؟

(۳) اگر تراویح میں حافظ غلطی سے تیسری رکعت کے واسطے کھڑا ہوگیا اور تیسری رکعت میں یاد آنے کے بعد چوتھی رکعت بھی ادا کی تو یہ چار رکعتیں مانی جاویں گی، یا دو؟ اگر دو مانی جاویں گی، جیسا کہ اشتہار میں ہے تو آخری دو رکعت میں جو کلام مجید پڑھا ہے، اس کو لوٹانے کی ضرورت ہے، یا نہیں؟

(۴) اگر حافظ نے کلام مجید شروع کیا اور کسی وجہ سے درمیان میں ایک دو روز نہ پڑھا، مثلاً دس پارے تک پڑھا، بعد اس کے دوسرے حافظ نے پندرہ پارہ تک پڑھا تو اب حافظ سابق جو شروع کرے تو گیارہویں پارہ سے، یا سولہویں پارہ سے شروع کرے؟

الجواب

(۱) اگر قرآن شریف خوب یاد ہو، بلا سامع کے بھی پڑھنا درست ہے، اگر کہیں بھولا، یا شبہ ہو تو بعد سلام کے دیکھ لیوے اور اگر غلطی ہو تو لوٹا لیوے؛ مگر بہتر یہ ہے کہ سامع ہو؛ تاکہ اطمینان رہے۔

(۲) اور پانی پت میں جیسا رواج ہے، یہاں بھی بعض مساجد میں ایسا ہوتا ہے، یہ بھی جائز ہے۔ (۲)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع فى النوافل، فصل فى التراويح: ۱/۱۱۷، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) والأفضل أن يصلى التراويح بإمام واحد فإن صلوها بإمامين فالمستحب أن يكون انصراف كل واحد علىٰ كمال الترويحة، فإن انصرف علىٰ تسليمة لايستحب ذلك فى الصحيح. (الفتاوىٰ الهندية، الباب التاسع فى النوافل، فصل فى التراويح: ۱/۱۱۶، ظفير)

(۳) اور بصورت چار رکعت پڑھنے کے جوقرآن شریف آخر کی دو رکعت میں ہوا، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔(۱)

(۴) اور جب پہلے حافظ نے دس پارے پڑھے، پھر دوسرے نے پندرہ تک پڑھےتو پہلا حافظ جب آوے تو اختیار ہےخواہ سولھویں سے پڑھے، یا گیارھویں سے؛ لیکن اپنا قرآن پورا کرنے کے لیے بہتر ہے کہ گیارھویں سے شروع کرے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۵۴/۴-۲۵۵)

تنہا تراویح بآواز پڑھے، یا آہستہ:

سوال: مرد تراویح جماعت سے پڑھیں، یا علاحدہ علاحدہ؟ اگر تنہا پڑھیں تو بلند آواز سے، یا آہستہ آہستہ؟

الجواب

''والجماعة فيها سنة على الكفاية ''.(۲)

''ويخير المنفرد في الجهر إن أدى(إلٰى قوله)(كمتنفل بالليل)منفردًا''.(۳)

مرد جماعت سے پڑھیں، اگرکوئی شخص جماعت سے رہ جاوے اورتنہا پڑھےتو آہستہ پڑھے، یا بلند آواز سے دونوں درست ہے؛ مگرآواز سے بہتر ہے۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۲۹۹/۴-۳۰۰)

منفرد تراویح اور تہجد میں قرأت جہریہ کرسکتا ہے:

سوال: اسی طور پر جب اکیلا تراویح اور تہجد میں بھی پڑھتا ہوتو قرأت جہر سے پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

پڑھ سکتا ہے، ودليله مامر۔(۴)

۶رشوال ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ، ص:۹۵)(امدادالفتاویٰ جدید:۴۸۵/۱)

---

(۱) وعن أبي بكر الإسكاف أنه سئل عن رجل قام إلى الثالثة في التراويح ولم يقعد في الثانية قال إن تذكر في القيام ينبغي أن يعود ويقعد ويسلم وإن تذكر بعد ما سجد للثالثة فإن أضاف إليها ركعة أخرىٰ كانت هذه الأربعة عن تسليمة واحدة(الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب التاسع في النوافل،فصل في التراويح:۱۱۸/۱،انيس)

وإذا فسد الشفع وقد قرأ فيه لايعتد بما قرأ فيه ويعيد القراء ة ليحصل له الختم في الصلاة الجائزة.(الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب التاسع في النوافل،فصل في التراويح:۱۱۸/۱،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۲) الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل،باب التراويح: ۹۸/۱،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(۳) الدرالمختار،كتاب الصلاة،فصل ويجهر الإمام: ۷۹/۱،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(۴) یہ اشارہ سوال:۳۸۲ کے جواب میں درج شدہ دلیل کی طرف ہے، اصل میں یہ دونوں جواب ایک ساتھ تھے، ترتیب میں الگ الگ مقاموں پر رکھے گئے ہیں۔سعید

لاؤڈاسپیکر سے تراویح کی نماز پڑھنا کیسا ہے:

سوال: تراویح کی نماز میں کلام پاک لاؤڈاسپیکر سے پڑھنا ازروئے شرع جائز ہے، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگرمقتدی کی کثرت ہواورامام صاحب کی آواز مقتدیوں تک نہ پہونچتی ہوتو اس حالت میں لاؤڈاسپیکر کا استعمال کیاجاسکتا ہے؛ لیکن تراویح کے اندر لاؤڈاسپیکر کا اس طرح استعمال کہ قرآن شریف کے پڑھے جانے کی آواز باہر کی آبادی تک جائے مناسب نہیں ہے؛ کیوں کہ اس طرح تمام آبادی والوں کوقرآن کے ان آداب کی رعایت کرنا جوقرآن پاک کے سنے جانے کی حالت میں ضروری ہے، بہت مشکل ہےاورقرآن کی بےادبی ہوگی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری، ۱۴۰۱/۱۰/۲۱ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۴۶۲/۲)

نمازتراویح لاؤڈاسپیکر پر پڑھنا:

سوال: لاؤڈاسپیکر میں جونمازتراویح بوجہ ضرورت پڑھی جاتی ہے، اس میں کیا کوئی کراہت ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

ضرورت کی بناپر ہوتو کوئی کراہت نہیں؛ لیکن ضرورت کی چیز بقدرضرورت ہی اختیار کی جاتی ہے، لہٰذا لاؤڈاسپیکر کی آواز مسجد تک محدودرہنی چاہیے، تراویح میں اوپر کے اسپیکر کھول دینا جس سے پورے محلے کا سکون غارت ہوجائے، جائز نہیں۔(۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۹۶/۴)

تراویح کے درمیان گرین لائٹ جلانا:

سوال: ہمارے پاس والی مسجد میں تراویح کے درمیان گرین لائٹ جلادی جاتی ہے، جس کی وجہ سے مصلیان پر نیندکا غلبہ ہوتا رہتا ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ (محمد جاویداقبال، ناندیڑ)

(۱) لایقرأ جهرًا عند المشتغلین بالأعمال ومن حرمة القرآن أن لایقرأ فی الأسواق وفی موضع اللغو كذا فی القنیة.(الفتاوی الهندیة، كتاب الكراهیة، الباب الرابع فی الصلاة والتسبیح وفی قراءة القرآن: ۳۱٦/٥، مكتبة زكریا، انیس)

(۲) قال فی الدر: ویجهر الإمام وجوبا بحسب الجماعة فإن زاد علیه أساء.(الدرالمختار، كتاب الصلاة، فصل ویجهر الإمام: ۷۹/۱، مكتبة زكریا دیوبند، انیس)

وفی الشامیة تحت قوله فإن زاد علیه أساء: وفی الزاهدی عن أبی جعفر لوزاد علی الحاجة فهو أفضل إلا إذا أجهد نفسه أو آذی غیره، قهستانی.(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة: ۲٤۹/۲، مكتبة زكریا دیوبند، انیس)

الجواب ـــــــــــــــــــ

اسلام میں اس کی اہمیت نہیں کہ نماز کے وقت لائٹ جلائی جائے، یا نہ جلائی جائے اور جلائی جائے تو کس رنگ کی؟ اہمیت اس بات کی ہے کہ اس نماز کو اس کے آداب اور خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھی جائے؛ اس لیے یہ نماز پڑھنے والوں کی سہولت اور منتظمین کی صواب دید سے متعلق ہے؛ تاہم ایسی باتوں کو باہمی اختلاف اور انتشار کا سبب نہ بننے دیجئے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۰۵)

فرض سے پہلے تراویح پڑھنا:

سوال: اگر کوئی شخص عشا کی فرض نماز نہ پڑھے اور تراویح کی جماعت ہو رہی ہو تو وہ شخص فرض پڑھنے سے پہلے جماعت میں شریک ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

عشا کی فرض نماز پڑھنے سے پہلے تراویح پڑھنا درست نہیں، نہ تنہا پڑھے، نہ تراویح کی جماعت میں شریک ہو، **كذا في الدر المختار**.(۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ:۷/۲۶۴)

جنازہ پہلے، یا تراویح پہلے:

سوال: رمضان کے مہینہ میں عشا کے وقت اگر جنازہ آجائے تو نمازِ جنازہ فرض نماز کے بعد ادا کرنا چاہیے، یا تراویح کے بعد؟ (محمد جہانگیرالدین طالب، باغ امجدالدولہ)

الجواب ـــــــــــــــــــ

فقہا نے لکھا ہے کہ اگر نماز مغرب کے وقت جنازہ آجائے تو مغرب کی فرض نماز کے بعد اور سنت سے پہلے نماز جنازہ ادا کی جائے۔

”حضرت وقت صلاة المغرب جنازة تقدم صلاة الجنازة علىٰ سنة المغرب“.(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ فریضۂ عشا کے بعد اور نمازِ تراویح سے پہلے نمازِ جنازہ ادا کرنی چاہیے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۴۰۱)

---

(۱) (ووقتها بعد صلاة العشاء)إلىٰ الفجر(قبل الوتروبعده)في الأصح.(الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل: ۱/۹۸،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۲) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة،فصول الفصل الخامس في الصلاة على الميت: ۱/۱٦٤،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

سنت بعد تراویح شروع کریں:

سوال: رمضان شریف میں اگر تراویح شروع ہوگئیں تو دوسنت جو بعد فرض کے ہیں یہ پڑھ کر تراویح میں شریک ہو، یا بعد میں پڑھے؟

الجواب

فرض اور سنت پڑھ کر تراویح میں شامل ہو۔

"ووقتها بعد صلاة العشاء". (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۹۹/۴-۳۰۰)

تراویح وتر سے پہلے بہتر ہے اور بعد میں جائز ہے:

سوال: تراویح وتر سے پہلے پڑھنی چاہیے، یا بعد وتر کے؟ ایک شخص پہلے وتر پڑھ کر پھر تراویح پڑھتا ہے؟

الجواب

طریق مشروع دربارہ تراویح یہ ہے کہ عشا کے بعد وتر سے پہلے تراویح پڑھ کر پھر وتر پڑھیں؛ لیکن اگر تراویح بعد وتر کے پڑھے تو یہ بھی صحیح ہے۔ درمختار میں ہے:

"ووقتها بعد صلاة العشاء إلى الفجر قبل الوتر وبعده في الأصح". (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۸۳/۴-۲۸۴)

تراویح اور اس کے ضروری مسائل:

سوال: مسئلہ (۱) کل تراویح حنفیہ کے نزدیک بیس رکعت ہیں، (۳) اور ان کو جماعت سے پڑھنا سنت ہے، اگر تمام اہل محلّہ تراویح چھوڑ دیں تو سب ترک سنت کے وبال میں گرفتار ہوں گے۔ (کبیری) (۴)

مسئلہ (۲) اکثر اہل محلّہ نے تو تراویح جماعت سے پڑھی، مگر اتفاقاً ایک دو شخص نے جماعت سے نہیں پڑھی؛ بلکہ اپنے مکان میں تنہا پڑھی، تب بھی سنت ادا ہوگئی۔ (کبیری) (۵)

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، فصل في التراويح: ۴۹۳/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) الدرالمختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۶۵۹/۱، ظفير

(۳) قال العلامة الحلبي: "(تنبيه)...أن التراويح عندنا عشرون ركعة بعشر تسليمات، وهو مذهب الجمهور". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، تنبيه، ص: ۴۰۶، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۴) أن الجماعة فيها سنة (على سبيل الكفاية، حتى لو ترك أهل محلة كلهم الجماعة) وصلوا في بيوتهم، فقد تركوا السنة، و قد أساؤا في ذلك". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح، ص: ۴۰۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۵) قال العلامة الحلبي: "(وإن أقيمت التراويح) في المسجد بالجماعة (وتخلف عنها) رجل (من افراد الناس وصلى في بيته، فقد ترك الفضيلة لا السنة)". (الحلبي الكبير، فصل في النوافل، التراويح: ۴۰۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

مسئلہ(۳) گھر پرتراویح کی جماعت کرنے سے بھی فضیلت حاصل ہوجائے گی؛ لیکن مسجد میں پڑھنے کا جوستائیس درجہ ثواب ہے، وہ نہیں ملے گا۔ (کبیری)(۱)

مسئلہ(۴) تراویح کی جماعت عشا کی جماعت کے تابع ہے، (لہٰذا عشا کی جماعت سے پہلے جائز نہیں) اور جس مسجد میں عشا کی جماعت نہیں ہوئی، وہاں پر تراویح کو بھی جماعت سے پڑھنا درست نہیں۔ (کبیری)(۲)

مسئلہ(۵) ایک شخص تراویح پڑھ چکا امام بن کر یا مقتدی ہوکر، اب اسی شب میں ان کو امام بن کر تراویح پڑھنا درست نہیں، البتہ دوسری مسجد میں تراویح کی جماعت ہو رہی ہو تو وہاں (بنیت نفل) شریک ہونا بلا کراہت جائز ہے۔ (کبیری)(۳)

مسئلہ(۶) ایک امام کے پیچھے فرض اور دوسرے کے پیچھے تراویح اور وتر پڑھنا بھی جائز ہے۔ (کبیری)(۴)

مسئلہ(۷) کسی مسجد میں ایک مرتبہ تراویح کی جماعت ہوچکی تو دوسری مرتبہ ہی شب میں وہاں تراویح کی جماعت جائز نہیں لیکن تنہا تنہا پڑھنا درست ہے۔ (بحر)(۵)

---

(۱) (وان صلٰی)أحد (فی بیته بالجماعة)حصل لهم.ثوابها وادركوا فضلها،ولكن(لم ینالوا فضل الجماعة)التی تكون(فی المسجد)لزیادة فضیلة المسجد،وتكثیر جماعته،واظهار شعائر الاسلام.(الحلبی الكبیر،فصل فی النوافل، التراویح،ص:۴۰۲،سهیل اكیڈمی لاهور)

(۲) قال العلامة الحلبی:"وفی القنیة:لو تركوا الجماعة فی الفرض،لیس لهم ان یصلوا التراویح جماعةً؛لانها تبع للجماعة".(الحلبی الكبیر،فصل فی النوافل،التراویح فروع،ص:۴۱۰،سهیل اكیڈمی لاهور)

(۳) (ولو أم)رجل(فی التراویح،ثم اقتدیٰ بآخر فی تراویح تلك اللیلة)أیضاً(لایكره)له ذلك،كما لو صلیٰ المكتوبة اماماً ثم اقتدیٰ فیها متنفلاً بامام آخر،وهٰذا لان صلاة النفل غیرالتراویح...ولوام فی التراویح مرتین فی مسجد واحد كره،وكذا لو صلاها مرتین مأموماً فی مسجد واحد،وان فی مسجدین اختلف فیه:حكی عن ابی بكر الإسكاف أنه لایجوز:یعنی لا یجوزتراویح أهل المسجدالثانی،واختاره أبوالليث رحمه الله تعالٰی.وقال أبو نصر:یجوز لأهل المسجدین جمیعاً كما لوأذن وأقام وصلٰی فی مسجدین فإنه لایكره وإنما یكره إذا أذن وأقام ولم یصل،فكذا فی التراویح،والظاهرأن هٰذا بناء علٰی صحة التراویح بنیة النفل المطلق وعدمها".(الحلبی الكبیر،فصل فی النوافل،التراویح،ص:۴۰۸،سهیل أكیڈمی لاهور)

(۴) لم أجد فی الحلبی عبارة منطبقة علٰی هٰذه المسئلة،سقد ظفرت علیها فی الفتاویٰ الهندیة،قال فیها: "جازأن یصلی الفریضة أحدهما والتراویح الآخر،وقد كان عمر رضی الله تعالٰی عنه یؤمهم فی الفریضة والوتر،وكان أبی رضی الله تعالٰی عنه یؤمهم فی التراویح،كذا فی السراج".(البحر الرائق،فصل فی التراویح:۱۱۶/۱،رشیدیة)

(۵) ولو صلوا التراویح،ثم أرادوا أن یصلوا ثانیاً،یصلون فرادیٰ.انتهٰی. (البحرالرائق،كتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل:۱۲۰/۲،رشیدیة)

مسئلہ(۸) نابالغ کوتراویح کے لئے امام بنانا درست نہیں، (کبیری)(۱) البتہ اگر وہ نابالغوں کی امامت کرے تو جائز ہے۔ (خانیہ)(۲)

مسئلہ(۹) اگر اپنی مسجد کا امام قرآن شریف غلط پڑھتا ہوتو دوسری مسجد میں تراویح پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ (عالمگیری)(۳)

مسئلہ(۱۰) اجرت مقرر کرکے امام کوتراویح کے لئے بلانا مکروہ ہے۔ (عالمگیری)(۴)

مسئلہ(۱۱) ہر ترویحہ پر یعنی چار رکعت پڑھ کر اتنی دیر یعنی چار رکعت کے موافق جلسۂ استراحت مستحب ہے، (اسی طرح پانچویں ترویحہ کے بعد وتر سے پہلے بھی جلسہ مستحب ہے)؛ لیکن اگر مقتدیوں پر اس سے گرانی ہوتو نہ بیٹھے، (عالمگیری)(۵) اور اتنی دیر تک اختیار ہے کہ تسبیح، قرآن شریف، نفلیں جو دل چاہے پڑھتا رہے، اہل مکہ کا معمول طواف کرنے اور دو رکعت نفل پڑھنے کا ہے اور اہل مدینہ کا معمول چار رکعت پڑھنے کا ہے۔ (کبیری)(۶)

اور دعا بھی منقول ہے:

"سبحان ذی الملک والملکوت، سبحان ذی العزة والعظمة و القدرة والکبریاء والجبروت،

---

(۱) قال العلامة الحلبی: (وإذا بلغ الصبی عشر سنین فام) البالغین (فی التراویح یجوز، وذکر فی بعض الفتاوی أنه لایجوز وهو المختار). (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل التراویح، تنبیه، ص: ۳۵۳-۳۵۴، دارالکتاب دیوبند، انیس)

وقال شمس الأئمة السرخسی: هو الصحیح". (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، التراویح، تنبیه، ص: ۴۰۸، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۲) "إن أم أی الصبیان یجوز؛ لأن صلاة الإمام مثل صلاة المقتدی". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصوم، باب التراویح، فصل فی إمامة الصبیان فی التراویح: ۲۴۳/۱، رشیدیة)

(۳) قال الإمام: إذا کان إمامه لحاناً، فلا بأس بأن یترک مسجده ویطوف. (الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱۱۶/۱، رشیدیة)

(۴) ویکره للرجال أن یستأجروا رجلاً یؤمهم فی بیتهم؛ لأن استئجار الإمام فاسد. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱۱۶/۱، رشیدیة)

(۵) ویستحب الجلوس بین الترویحتین قدر ترویحة، وکذا بین الخامسة والوتر، کذا فی الکافی، وهکذا فی الهدایة. ولوعلم أن الجلوس بین الخامسة والوتر یثقل علی القوم، لایجلس، هکذا فی السراجیة. (الفتاویٰ الهندیة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراویح: ۱۱۵/۱، رشیدیة)

(۶) قال العلامة الحلبی: (فیجلس بین کل ترویحتین مقدار ترویحة)... وهومخیر فیه إن شاء جلس ساکتاً وإن شاء هلل أوسبح أوقرأ أوصلی نافلة منفرداً... فإن عادة أهل مکة أن یطوفوا بعد کل أربع أسبوعاً، و یصلوا رکعتی الطواف وعادة أهل المدینة أن یصلوا أربع رکعات". (الحلبی الکبیر، فصل فی النوافل، التراویح، ص: ۴۰۴، سهیل اکیڈمی لاهور)

سبحان الملک الحی الذی لایموت،سبوح،قدوس،رب الملائکة والروح،لا إلٰه إلا الله،نستغفر الله نسألک الجنة،ونعوذ بک من النار". (ردالمحتار)(۱)

مسئلہ (۱۲) دس رکعت پر جلسۂ استراحت کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (کبیری)(۲)

مسئلہ (۱۳) ہر شفعہ کے بعد دورکعت علاحدہ علاحدہ پڑھنا بدعت ہے۔ (کبیری)(۳)

مسئلہ (۱۴) دورکعت ایک سلام سے پڑھنا افضل ہے اور چار میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، آٹھ رکعت بھی ایک سلام سے پڑھنا مکروہ نہیں؛ (مگر ہر ترویحہ پر جلسۂ استراحت کی فضیلت حاصل نہ ہوگی)، البتہ اس سے زائد خلاف اولیٰ اور مکروہ ہے۔ (کبیری)(۴)

مسئلہ (۱۵) کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہونچا کہ تراویح کی جماعت شروع ہوچکی تھی تو اس کو چاہیے کہ پہلے فرض اور سنتیں پڑھے، اس کے بعد تراویح میں شریک ہو اور چھوٹی ہوئی تراویح دوترویحوں کے درمیان جلسہ کے وقت پوری کرلے، اگر موقع نہ ملے تو وتروں کے بعد پڑھے اور وتروں، یا تراویح کی جماعت چھوڑ کر تنہا نہ پڑھے۔ (کبیری)(۵)

مسئلہ (۱۶) اگر بعد میں معلوم ہوا کہ کسی وجہ سے عشا کے فرض صحیح نہیں ہوئے، مثلاً امام نے بغیر وضو پڑھائے، یا کوئی رکن چھوڑ دیا تو فرضوں کے ساتھ تراویح کا بھی اعادہ کرنا چاہیے، اگرچہ یہاں وہ وجہ موجود نہ ہو۔ (کبیری)(۶)

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث: صلاة التراويح: ٤٩٧/٢، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) وإن استراح علىٰ خمس تسليمات): أى عقيب عشر ركعات (قال بعضهم: لابأس به): أى لا يكره، (وقال أكثر المشائخ: لايستحب) ذلک لمخالفة عمل أهل الحرمين. وقوله: (لايستحب كنايةً عن الكراهة التنزيهية. (الحلبى الكبير، فصل فى النوافل، التراويح، ص: ٤٠٤، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۳) قال العلامة الحلبى: "ومن المكروه ما يفعله بعض الجهال من صلاة ركعتين منفرداً بعد كل ركعتين؛ لأنها بدعة". (الحلبى الكبير، فصل فى النوافل، التراويح، ص: ٤٠٤، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۴) من مذهب أبى حنيفه رضى الله تعالىٰ عنه كل ركعتين عن تسليمة، وعند البعض يجوز الكل عن تسليمة واحدة، وفى ظاهر الرواية عنه: يجوز عن أربع تسليمات بناءً علىٰ أن الزيادة علىٰ الثمان بتسليمة واحدة يكره. (الحلبى الكبير، فصل فى النوافل، التراويح، ص: ٤٠٥، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۵) لو دخل بعد ما صلىٰ الإمام الفرض، وشرع فى التراويح، فإنه يصلى الفرض أولاً وحده، ثم يتابعه فى التراويح. (الحلبى الكبير، فصل فى النوافل، التراويح، ص: ٤١٠، سهيل اكيڈمى لاهور)

(إن فاتته) مع الإمام (ترويحة أو ترويحتان) أو أكثر هل يقضيها قبل الوتر أو يوتر ثم يقضيها؟ (ذكره فى الذخيرة) فقال: اختلف مشائخ فى زماننا قال بعضهم: يوتر مع الإمام ثم يقضى) ما فاته من التراويح احرازاً لفضيلة الوتر بالجماعة مع أن التراويح تجوزه بعده. (وقال بعضهم: يصلى التراويح المتروكة ثم يوتر) بناءً علىٰ أن وقتها قبل الوتر، فيلزم تقديمها عليه". (الحلبى الكبير، فصل فى النوافل، التراويح، ص: ٤٠٤، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۶) قال العلامة الحلبى: ولو صلىٰ العشاء بإمام): أى مع إمام أو مقتدياً بإمام (وصلىٰ التراويح بإمام آخر، ==

مسئلہ(۱۷) قیام لیلِ رمضان، یا تراویح، یا سنتِ وقت، یا صلوٰۃ امام کی نیت کرنے سے تراویح ادا ہوجائیں گی۔ (خانیہ)(۱)

مسئلہ(۱۸) مطلقاً نماز، یا نوافل کی نیت پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے۔ (خانیہ)(۲)

مسئلہ(۱۹) اگر کسی نے عشا کی سنتیں نہیں پڑھی تھیں اور امام تراویح کے پیچھے سنتِ عشا کی نیت کر کے اقتدا کیا تو یہ جائز ہے۔ (خانیہ)(۳)

مسئلہ(۲۰) اگر امام دوسرا، یا تیسرا شفعہ پڑھ رہا ہے اور کسی مقتدی نے اس کے پیچھے پہلے شفعہ کی نیت کی تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (خانیہ)(۴)

مسئلہ(۲۱) اگر تراویح کسی وجہ فوت ہوجائیں تو ان کو کی قضا نہیں، نہ جماعت کے ساتھ، نہ بغیر جماعت کے، اگر کسی نے قضا کی تو تراویح نہ ہوں گی؛ بلکہ نفلیں ہوں گی۔ (بحر)(۵)

مسئلہ(۲۲) اگر یاد آیا کہ گزشتہ شب کوئی شفعہ تراویح کا فوت ہوگیا، یا فاسد ہوگیا تھا تو اس کو بھی جماعت کے ساتھ تراویح کی نیت سے قضا کرنا مکروہ ہے۔ (خانیہ)(۶)

== ثم علم أن الإمام) الأول كان قد(صلى العشاء على غير وضوءٍ)أوعلم فسادها بوجه من الوجوه؛فإنه(يعيد العشاء)لفسادها(و) يعيد (التراويح)تبعاً لها كما يعيد سنتها،ولا يلزمه اعادة الوتر.(الحلبي الكبير،فصل في النوافل، التراويح،ص:٤٠٣، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۱) إن نوى التراويح أوسنة الوقت أوقيام الليل في رمضان،جاز".(فتاوىٰ قاضي خان علىٰ هامش الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصوم،باب التراويح،فصل في نية التراويح:٢٣٦/١،رشيدية)

(۲) "ان التراويح لا تتادىٰ الا بنية التراويح او بنية السنة في هٰذا الوقت".(الخانية علىٰ هامش الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصوم،باب التراويح،فصل في نية التراويح:٢٣٧/١،رشيدية)

(۳) ولو اقتدىٰ بإمام في التراويح،والمقتدي نوىٰ سنة العشاء بأن لم يكن صلى السنة بعد العشاء حتىٰ قام الإمام إلى التراويح،جاز.(فتاوىٰ قاضي خان علىٰ هامش الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصوم،باب التراويح،فصل في نية التراويح :٢٣٧/١،رشيدية)

(۴) لو اقتدىٰ بإمام يصلي التسليمة الثانية أوالعاشرة والمقتدي نوىٰ التسليمة الأولىٰ أوالخامسة، جاز؛لأن الصلاة واحدة،وليس عليه أن ينوي التسليمة الأولىٰ أوالثانية".(فتاوىٰ قاضي خان علىٰ هامش الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصوم،باب التراويح،فصل في نية التراويح:٢٣٧/١،رشيدية)

(۵) وإذا فاتت التراويح لا تقضىٰ بجماعة،والأصح أنها لاتقضىٰ أصلاً،فإن قضاها وحده،كان نفلاً مستحباً لا تراويح كسنة المغرب والعشاء.(البحر الرائق،كتاب الصلاة،باب الوتر و النوافل:١١٩/٢،رشيدية)

(۶) وإن تذكر في الليل أنه فسد عليهم شفع من الليلة الماضية فأراد القضاء بنية التراويح،يكره.(فتاوىٰ قاضي خان علىٰ هامش الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصوم،باب التراويح،فصل في وقت التراويح:٢٣٦/١،رشيدية)

مسئلہ(۲۳) اگرامام نے دورکعت پرقعدہ نہیں کیا؛ بلکہ چار پڑھ کر قعدہ کیا تو یہ اخیر کی دورکعت شمار ہوں گی۔(کبیری)(۱)

مسئلہ(۲۴) اگروتر پڑھنے کے بعدیادآیا،ایک شفعہ مثلاًرہ گیاتواس کوبھی جماعت کےساتھ پڑھناچاہیے۔(۲)

مسئلہ(۲۵) اگر بعد میں یادآیا کہ ایک مرتبہ صرف ایک ہی رکعت پڑھی گئی اور شفعہ پورانہیں ہوااورکل تراویح انیس ہوتی ہیں تو دورکعت اور پڑھ لی جائے؛ یعنی صرف شفعہ فاسدہ کا اعادہ ہوگا اوراس کے بعد کی تمام تراویح کااعادہ نہ ہوگا۔(کبیری)(۳)

مسئلہ(۲۶) جب شفعۂ فاسدہ کا اعادہ کیا جائے تو اس میں جس قدر قرآن شریف پڑھا تھا،اس کا بھی اعادہ کرنا چاہیے؛ تاکہ تمام قرآن شریف صحیح نماز میں ختم ہو۔(خانیہ)(۴)

مسئلہ(۲۷) ایک شخص تراویح سمجھ کر نماز میں شریک ہوا، پھر معلوم ہوا کہ امام وتر پڑھ رہا ہے تو اس کو چاہیے کہ امام کے سلام کے بعد چوتھی رکعت بھی اپنی رکعت میں ملالے؛ لیکن اگر امام کے ساتھ سلام پھیر دیا اور چوتھی رکعت نہیں ملائی،تب بھی اس کے ذمہ اس کی قضانہیں۔(۵)

---

(۱) قال العلامة الحلبي:(وإن صلى أربع ركعات بتسليمة واحدة و)الحال(أنه سلم يعقد على ركعتين)منها قدر التشهد (تجزى)الأربع (عن تسليمة واحدة):أي عن ركعتين عند أبي حنيفة وأبي يوسف(وهوالمختار)...فإذا تركها،كان ينبغي أن تفسد صلاته أصلاً...وهوالقياس،وإنما جاز على قول أبي حنيفة وأبي يوسف استحساناً،فأخذنا بالقياس في فساد الشفع الأول،وبالاستحسان في حق بقاء التحريمة،وإذابقيت صح شروعه في الشفع الثاني،وقد أتمه بالقعدة،فجازعن تسليمة واحدة.(الحلبي الكبير،فصل في النوافل،التراويح:٤٠٨،سهيل اكيڈمی لاهور،انيس)

(۲) (ولو تذكروا تسليمة)كانوا قد سهوا عنها،فتذكروها(بعد)ماصلوا صلاة(الوتر)...قال أبوبكر(بن الفضل: لا يصلون) (بجماعة)؛لأنها فأتت عن محلها،والجماعة إنما شرعت في التراويح إذا كانت في محلها،(وقال الصدر الشهيد:يجوز أن يقال: تصلى)تلك التسليمة (بجماعة)؛ لأن وقتها باق؛لأنه الليل كله بعد العشاء وبعد الوتر.(الحلبي الكبير،فصل في النوافل،التراويح،ص:٤٠٨،سهيل اكيڈمی لاهور،انيس)

(۳) قال العلامة الحلبي:(ولوسلم الإمام على رأس ركعة ساهياً في الشفع الأول)من التراويح(ثم صلى ما بقى) منها(على وجهها)قبل:أن يعيد ذلك الشفع (قال مشايخ بخارىٰ:يقضي الشفع الأول لاغير)؛لأن كل شفع صلاة على حدة". (الحلبي الكبير،فصل في النوافل،التراويح،ص:٤٠٩،سهيل اكيڈمی لاهور،انيس)

(۴) وإذا فسد الشفع من التراويح وقد قرأ فيه هل يعتد بما قرأ؟قال بعضهم:لا يعتد،ليحصل الختم في الصلوات الجائزة". (فتاوىٰ قاضي خان،كتاب الصوم،باب التراويح،فصل في مقدار القراءة في التراويح: ٢٣٨/١،رشيدية)

(۵) قال الحلبي:"اقتدىٰ به على ظن أنه في التراويح،فإذا هوفي وتر،يتمه معه ويضم إليها رابعة ولوأفسدها،لاشئ عليه". (الحلبي الكبير،فصل في النوافل،التراويح،ص: ٤١٠-٤١١،سهيل اكيڈمی لاهور،انيس)

مسئلہ(۲۸)اگر تمام نمازیوں اور امام کو شک ہوا کہ ۱۸ر تراویح ہوئی، یا بیس پوری ہوگئی تو دو رکعت بلا جماعت اور پڑھ لی جائیں۔(کبیری)(۱)

مسئلہ(۲۹)اگر تمام مقتدیوں کو تو شک ہوا؛ لیکن امام کو شک نہیں ہوا؛ بلکہ کسی ایک بات کا یقین ہے تو وہ اپنے یقین پر عمل کرے اور مقتدیوں کے قول کی طرف کوئی توجہ نہ کرے۔(کبیری)(۲)

مسئلہ(۳۰)اگر بعض کہتے ہیں کہ بیس پوری ہوگئی اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں؛ بلکہ اٹھارہ ہوئی ہیں تو جس طرف امام کا رجحان ہو، اس پر عمل کرے۔(کبیری)(۳)

مسئلہ(۳۱)اگر اٹھارہ پڑھ کر امام سمجھا کہ بیس پوری ہوگئی اور وتروں کی نیت باندھ لی؛ مگر دو رکعت پڑھ کر یاد آیا کہ ایک شفعہ تراویح کا باقی رہ گیا ہے، جب ہی دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو شفعہ تراویح کا شمار نہ ہوگا۔(خانیہ)(۴)

مسئلہ(۳۲)اگر کسی کی صبح کی نماز قضا ہوگئی تھی، اس کی نیت سے تراویح پڑھی ادا نہ ہوگی۔(خانیہ)(۵)

مسئلہ(۳۳)اگر تین رکعت پر سلام پھیر دیا تو دو رکعت پر اگر بیٹھ چکا تھا، تب تو ایک شفعہ صحیح ہوگیا اور چوں کہ دوسرا شفعہ شروع کر چکا تھا؛ اس لیے اس کی قضا ہوگی۔(۶)

---

(۱) (وذا شكوا):أي الإمام والقوم (في أنهم صلوا تسع تسليمات ففيه اختلاف والصحيح أنهم يصلون بتسليمة) أخرىٰ...(فرادىٰ)للاحتياط في الموضعين اكمال التراويح بيقين والاحترازعن التنفل الزائد عليها بالجماعة، هٰذا إذا اتفق الكل علىٰ الشك.(الحلبي الكبير،فصل في النوافل،التراويح،ص:٤٠٥،سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) إذا كان الإمام وحده في طرف وهومتيقن،عمل بما عنده ولا يلتفت إلىٰ قول الجماعة.(الحلبي الكبير،فصل في النوافل،التراويح،ص:٤٠٦،سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) فإن اختلفوا وكان الإمام مع بعضهم،رجح إذا ادعىٰ كل فريق اليقين.(الحلبي الكبير،فصل في النوافل،التراويح،ص:٤٠٥،سهيل اكيڈمی لاهور)

(۴) ولو صلىٰ من التراويح تسع تسليمات،وشرع في الوتر فاقتدىٰ به رجل في الوتر،ثم علم الإمام أنه صلىٰ تسع تسليمات،لم يجز للمقتدي ما نوىٰ؛لأنه نوىٰ التراويح،والإمام نوى الوتر...هٰذا بناء علىٰ أن التراويح لا تتأدىٰ إلا بنية التراويح أوبنية السنة في هٰذا الوقت.(فتاوىٰ قاضي خان علىٰ هامش الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصوم،باب التراويح،فصل في نية التراويح:٢٣٧/١، رشيدية)

(۵) ولو صلىٰ التراويح بنية الفوائت من صلاة الفجر،لم تكن محسوبة عن التراويح.(فتاوىٰ قاضي خان علىٰ هامش الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصوم،باب التراويح،فصل في نية التراويح:٢٣٧/١،رشيدية)

(۶) وإن صلىٰ ثلاث ركعات بتسليمة واحدة،فهوعلىٰ وجهين:إما إن قعد في الثانية أولم يقعد،فإن قعد جازعن تسليمة واحدة ويجب عليه قضاء ركعتين؛لأنه شرع في الشفع الثاني بعد إكمال الشفع الأول،فإذا أفسد الشفع الثاني بترك الرابعة،كان عليه قضاء ركعتين.(فتاوىٰ قاضي خان علىٰ هامش الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصوم،باب التراويح،فصل في السهو:٢٤٠/١،رشيدية)

مسئلہ(۳۴) اگر دو رکعت پر نہیں بیٹھا تو پہلا شفعہ بھی صحیح نہیں ہوا، لہٰذا اس کی قضا ضروری ہے۔ (خانیہ)(۱)

مسئلہ(۳۵) بلا عذر بیٹھ کر پڑھنے سے تراویح ادا ہو جائے گی؛ مگر ثواب نصف ملے گا۔ (عالمگیری)(۲)

مسئلہ(۳۶) اگر امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پڑھائے، تب بھی مقتدیوں کو کھڑے ہو کر پڑھنا مستحب ہے۔ (خانیہ)(۳)

مسئلہ(۳۷) امام جب تشہد کے لیے بیٹھا تو ایک مقتدی سو گیا، امام نے سلام پھیر کر دوسرا شفعہ پڑھا اور جب تشہد کے لیے بیٹھا، تب یہ سونے والا جاگا۔ پس اگر اس کو معلوم ہے کہ یہ دوسرا شفعہ ہے تو سلام پھیر کے دوسرے میں شریک ہو جائے اور امام کے سلام کے بعد کھڑا ہو کر مسبوق کی طرح دو رکعت پڑھے، پھر امام کے ساتھ تیسرے شفعہ میں شریک ہو۔ (عالمگیری)(۴)

مسئلہ(۳۸) جماعت ہو رہی ہے اور ایک شخص بیٹھا رہتا ہے، جب امام رکوع میں جاتا ہے تو فوراً یہ بھی نیت باندھ کر امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جاتا ہے، یہ فعل مکروہ ہے، تشبہ بالمنافقین ہے۔ (کبیری)(۵)

مسئلہ(۳۹) جس شخص پر نیند کا غلبہ ہو اس کو چاہیے کہ کچھ دیر سو رہے، اس کے بعد تراویح پڑھے۔ (شامی)(۶)

---

(۱) وإن لم يقعد في الثانية ساهياً أوعامداً... تفسد صلا ته،ويلزمه قضاء ركعتين لاغير. (فتاوى قاضيخان على هامش الفتاوىٰ الهندية ،كتاب الصوم،باب التراويح،فصل في السهو: ۲٤۱/۱ ،رشيدية)

(۲) اتفقوا على أن أداء التراويح قاعداً لا يستحب بغيرعذر، واختلفوا في الجواز، قال بعضهم: يجوز وهو الصحيح، إلا أن ثوابه يكون على النصف من صلاة القائم. (الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱۱۸/۱ ،رشيدية)

(۳) يصح اقتداء القائم بالقاعد في التراويح عند الكل،وهو الصحيح... الحاصل أن الإمام إذا كان قاعداً يستحب القيام للقوم. (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصوم،باب التراويح،فصل في أداء التراويح قاعداً: ۲٤۳/۱ـ ۲٤٤ ،رشيدية)

(۴) رجل شرع في صلاة التراويح مع الإمام،فلما قعد الإمام ،نام هو،وسلم الإمام،فأتى بالشفع الآخر وقعد للتشهد،فانتبه الرجل،إن علم ذلك ،يسلم ويدخل مع الإمام ويوافقه في التشهد،فإذا سلم الإمام يقوم و يأتي بالركعتين سريعاً،ويسلم ويدخل مع الإمام في الشفع الثالث،كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،الباب التاسع في النوافل،فصل في التراويح: ۱۱۹/۱ ،رشيدية)

(۵) ”ويكره للمقتدي أن يقعد في التراويح،فإذا أراد الإمام يركع يقوم؛لأن فيه إظهار التكاسل،التشبه بالمنافقين“. (الحلبي الكبير،فصل في النوافل التراويح،ص: ۴۱۰،سهيل اكيڈمی لاهور)

(۶) قال في التاتارخانية: وكذا إذا غلبه النوم،يكره له أن يصلي،بل ينصرف حتى يستيقظ. (ردالمحتار، كتاب الصلاة،باب الوترو النوافل،مبحث صلاة التراويح: ۲/٤۹۹ ،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

مسئلہ(۴۰) تراویح کو شمار کرتے رہنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ یہ اکتا جانے کی علامت ہے۔(خانیہ)(۱)

مسئلہ(۴۱) مستحب یہ ہے کہ شب کا اکثر حصہ تراویح میں خرچ کیا جائے۔(بحر)(۲)

مسئلہ(۴۲) ایک مرتبہ قرآن شریف ختم کرنا (پڑھ کر، یا سن کر) سنت ہے، دوسری مرتبہ فضیلت ہے اور تین مرتبہ افضل ہے، لہٰذا اگر ہر رکعت میں تقریباً دس آیتیں پڑھی جائیں تو ایک مرتبہ بسہولت ختم ہو جائے گا اور مقتدیوں کو بھی گرانی نہ ہوگی۔(خانیہ)(۳)

مسئلہ(۴۳) جو لوگ حافظ ہیں، ان کے لیے فضیلت یہ ہے کہ مسجد سے واپس آکر بیس رکعت اور پڑھا کریں؛ تاکہ دو مرتبہ ختم کرنے کی فضیلت حاصل ہو جائے۔(خانیہ)(۴)

مسئلہ(۴۴) ہر عشرہ میں ایک مرتبہ ختم کرنا افضل ہے۔(بحر)(۵)

مسئلہ(۴۵) اگر مقتدی اس قدر ضعیف اور کاہل ہوں کہ ایک مرتبہ بھی پورا قرآن شریف نہ سن سکیں بلکہ اس کی وجہ سے جماعت تک چھوڑ دیں تو پھر جس قدر سننے پر راضی ہوں اس قدر پڑھ لیا جائے، یا ''ألم تر کیف'' سے پڑھ لیا جائے۔(بحر)(۶) لیکن اس صورت میں ختم کی سنت کے ثواب سے محروم رہیں گے۔(خانیہ)(۷)

---

(۱) ویکره عد الركعات في التراويح لما فيه من إظهار الملالة.(فتاویٰ قاضی خان، کتاب الصوم، باب التراويح، فصل فی أداء التراويح قاعداً: ۱/ ۲۴۴، رشيدية)

(۲) ''ويستحب تأخير التراويح إلٰى ثلث الليل، والأفضل استيعاب أكثر الليل بالتراويح''.(البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۲/۱۱۹، رشيدية)

(۳) وقال بعضهم-وهو رواية الحسن عن أبي حنيفة-: يقرأ فی كل ركعة عشر آيات، وهو الصحيح، لأن فيه تخفيفاً علٰى الناس، وبه تحصل السنة، وهی الختم مرة واحدة... فإذا قرأ فی كل ركعة عشر آيات يحصل الختم فی التراويح والفضيلة فی الختم مرتين.(فتاویٰ قاضی خان، کتاب الصوم، باب التراويح، فصل فی مقدار القراء ة فی التراويح: ۱/۲۳۷-۲۳۸، رشيدية)

والسنة فی التراويح إنما هو الختم مرة... والختم مرتين فضيلة، والختم ثلاث مرات أفضل، كذا فی السراج الوهاج.(الفتاویٰ الهندية، کتاب الصلاة، الباب التاسع فی النوافل، فصل فی التراويح: ۱/۱۱۷، رشيدية)

(۴) قال فی الخانية:''ينبغی للإمام وغيره اذا صلٰى التراويح وعاد إلٰى منزله، وهو يقرأ القرآن أن يصلی عشرين ركعة فی كل ركعة عشر آيات احرازاً للفضيلة، وهی الختم مرتين''.(فتاویٰ قاضی خان، کتاب الصوم، باب التراويح، فصل فی مقدار القراء ة فی التراويح : ۱/۲۳۸، رشيدية)

(۵) وثلاث مرات فی كل عشر مرة افضل.(البحر الرائق، کتاب الصلاة، سباب الوتر والنوافل: ۲/۱۲۱، رشيدية)

(۶) وذكر فی المحيط والاختيار ان الافضل ان يقرأ فيها مقدار ما لا يؤدی إلٰى تنفير القوم فی زماننا؛ لأن تكثير الجمع أفضل من تطويل القراء ة. وفی المجتبٰى: والمتأخرون كانوا يفتون فی زماننا بثلاث آيات قصاراً أو آية طويلة حتٰى لا يمل القوم ولا يلزم تعطيلها، وهٰذا أحسن ... وبعضهم اختاروا قراء ة سورة الفيل إلی آخر القرآن، وهٰذا حسن''.(البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل : ۲/ ۱۲۱، رشيدية)

(۷) قال فی الخانية: ولو قرأ بعض القرآن فی سائر الصلوات بأن كان القوم يملون من القراء ة فی التراويح، ==

مسئلہ(۴۶) ستائیسویں شب کو ختم کرنا مستحب ہے۔(بحر)(۱)

مسئلہ(۴۷) اگر اپنی مسجد کا امام قرآن شریف ختم نہ کرے تو پھر کسی دوسری مسجد میں جہاں ختم ہو، تراویح پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں؛ (کبیری)(۲) کیوں کہ ختم کی سنت وہیں حاصل ہوگی۔

مسئلہ(۴۸) تراویح میں ایک مرتبہ سورت کے شروع میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کو بھی زور سے تمام قرآن شریف کی طرح پڑھنا چاہیے، آہستہ پڑھنے سے امام کا پورا قرآن شریف پورا ہو جائے گا، مگر مقتدیوں کا پورا نہ ہوگا۔(احکام البسملۃ)(۳)

مسئلہ(۴۹) اگر کوئی آیت چھوٹ گئی اور کچھ حصہ آگے پڑھ کر یاد آیا کہ فلاں آیت چھوٹ گئی ہے تو اس کے پڑھنے کے بعد آگے پڑھے ہوئے حصہ کا اعادہ بھی مستحب ہے۔(عالمگیری)(۴)

مسئلہ(۵۰) امام نے جب سلام پھیرا تو مقتدیوں میں اختلاف ہوا کہ دو رکعت ہوئی ہیں، یا تین؟ تو جس طرف امام کا رجحان ہو، اس پر عمل کرے۔(خانیہ)(۵)

مسئلہ(۵۱) کسی چھوٹی سورت کا فصل کرنا دو رکعت کے درمیان فرائض میں مکروہ ہے، تراویح میں مکروہ نہیں۔(بحر)(۶)

== فلا بأس به،لٰكن يكون لهم ثواب الصلاة،لا ثواب الختم.(فتاویٰ قاضيخان،كتاب الصوم،باب التراويح، فصل في مقدار القراءة في التراويح: ۲۳۸/۱،رشيدية)

(۱) ويختم في الليلة السابع والعشرين لكثرة الأخبار أنها ليلة القدر.(البحر الرائق،كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل: ۱۲۰/۲،رشيدية)

(۲) وإذا كان إمام مسجد حية لايختم،فله أن يترك إلٰى غيره، انتهٰى.(الحلبي الكبير، فصل في النوافل التراويح، ص: ۴۰۷،سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) لوقرأ تمام القرآن في التراويح ولم يقرأ البسملة في ابتداء سورة من السور سوا ما في "النملة" لم يخرج من عهدة السنية، ولو قرأها سراً خرج من العهدة، لكن لم يخرج المقتدون عن العهدة.(أحكام القنطرة في أحكام البسملة، مجموعة رسائل اللكنوي: ۷۱/۱،ادارة القرآن كراچی)

(۴) وإذا غلط في القراءة في التراويح،فترك سورة أو آية وقرأ ما بعدها،فالمستحب له أن يقرأ المتروكة ثم المقروأة،ليكون علٰى الترتيب،كذا في فتاویٰ قاضيخان.(الفتاویٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح: ۱۱۸/۱،رشيدية)

(۵) إذا سلم الإمام في ترويحة،فقال بعض القوم:صلٰى ثلاث ركعات،وقال بعضهم:صلٰى ركعتين،يأخذ الإمام بما كان عنده في قول أبي يوسف رحمه الله تعالٰى،ولا يدع علمه بقول الغير. (فتاویٰ قاضي خان علٰى هامش الهندية، كتاب الصوم،باب التراويح،فصل في الشك في التراويح: ۲۳۹/۱،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۶) و ليس فيه كراهة في الشفع الأولٰى من الترويحة الأخيرة بسبب الفصل بين الركعتين بسورة واحدة؛لأنه خاص بالفرائض،كما هوظاهر الخلاصة وغيرها.(البحر الرائق،كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل: ۱۲۱/۲،رشيدية)

مسئلہ(۵۲) اگر مقتدی ضعیف اور سست ہوں کہ طویل نماز کا تحمل نہ کر سکتے ہوں تو درود کے بعد دعا چھوڑ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں؛ لیکن درود کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔ (عالمگیری)(۱)

مسئلہ(۵۳) کوئی شخص ایسے وقت جماعت میں شریک ہوا کہ امام قرأت شروع کر چکا تھا تو اب اس کو ''سبحانک اللھم'' نہیں پڑھنا چاہیے۔ (کبیری)(۲)

مسئلہ(۵۴) اگر مسبوق نے امام کے ساتھ یا امام سے کچھ پہلے بھول کر سلام پھیر دیا تو اس پر سجدہ سہو واجب نہیں اور امام کے لفظ ''السلام'' کہنے کے بعد سلام پھیرا ہے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہے۔ (محیط)(۳)

مسئلہ(۵۵) مسبوق اپنی نماز تنہا پوری کرنے کے لیے نہ اٹھے، جب تک کہ امام کی نماز ختم ہونے کا یقین نہ ہو جائے؛ (محیط)(۴) کیوں کہ بعض دفعہ امام سجدہ سہو کے لیے سلام پھیرتا ہے اور مسبوق اس کو ختم کا سلام سمجھ کر اپنی نماز پوری کرنے کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں فوراً لوٹ کر امام کے ساتھ شریک ہو جانا چاہیے۔ (۵)

مسئلہ(۵۶) اگر کوئی شخص ایسے وقت آیا کہ امام رکوع میں تھا، یہ فوراً تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں شریک ہوا اور جب ہی امام نے رکوع سے سر اٹھا لیا، پس اگر سیدھا کھڑا ہو کر تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں گیا تھا اور رکوع میں جھکنے سے پہلے پہلے اللہ اکبر کہہ چکا تھا اور کمر کو رکوع میں برابر کر لیا تھا، اس کے بعد امام نے رکوع سے سر اٹھایا ہے، تب تو رکعت مل گئی، تسبیح اگر چہ ایک مرتبہ بھی نہ کہی ہو اور اگر امام کے سر اٹھانے سے پہلے رکوع میں کمر کو برابر نہیں کر سکا تو

---

(۱) السنة في التراويح إنما هو الختم مرة،فلا يترك لكسل القوم،كذا في الكافي،بخلاف ما بعد التشهد من الدعوات،فإنه يتركها إذا علم أنه يثقل على القوم،لكن ينبغي أن يأتي بالصلاة على النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم،هٰكذا في النهاية.(الفتاوىٰ الهندية،الباب التاسع في النوافل،فصل في التراويح: ۱۱۷/۱،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۲) قال العلامة الحلبي:(وذا أدرك)الشارع في الصلاة عند شروعه (الإمام وهو يجهر)بالقراءة(لا يأتي بالثناء بل يستمع وينصت)للآية.(الحلبي الكبير،صفة الصلاة،ص: ۳۰۴،سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) إذا سلم المسبوق حتىٰ سلم الإمام ساهياً بنى على صلاته،وعليه سجود السهو...وأما وجوب سجدة السهو فلأنه متىٰ سلم الإمام صارهو كالمنفرد وقد سها حتىٰ يسلم قبل هٰذا،فتلزمه سجدة السهو قبل هٰذا إذا سلم بعد الإمام ،فأما إذا سلم مع الإمام فلا سهوعليه؛لأن الإمام لم يخرج عن الصلاة بعد،فكان كأنه سها خلف الإمام.(المحيط البرهاني،كتاب الصلاة،الفصل السابع عشر في سجود السهو،نوع آخر من هٰذا الفصل في المتفرقات: ۷۹/۲، غفارية كوئٹة)

(۴) ولا ينبغي للمسبوق أن يقوم إلىٰ قضاء ما سبق به قبل سلام الإمام.(المحيط البرهاني،كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر في التغني والالحان: ۴۲۸/۲،غفارية كوئٹة)

(۵) ثالثها أنه لو قام إلىٰ قضاء ما سبق به وعلى الإمام سجدتا سهو قبل أن يدخل معه،كان عليه أن يعود فيسجد معه ما لم يقيد الركعة بسجدة.(الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب الخامس في الإمامة،الفصل السابع في المسبوق واللاحق: ۹۲/۱،رشيدية)

رکعت نہیں ملی اور اگر تکبیر سیدھے کھڑے ہوکر نہیں کہی؛ بلکہ جھکتے ہوئے کہی اور رکوع میں پہونچ کر ختم کی ہے تو یہ شروع کرنا ہی صحیح نہیں ہوا۔(۱)

مسئلہ(۵۷)اگر کوئی شخص رکوع میں شریک ہوا؛ مگر رکوع اس کو نہیں ملا، تب بھی سجدہ میں امام کے ساتھ شریک ہونا اس پر واجب ہے؛ لیکن اگر سجدہ میں شریک نہیں ہوا؛ بلکہ سجدہ کے بعد امام کے ساتھ شریک ہوا، تب بھی اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔(بحر)(۲)

مسئلہ(۵۸)اگر قیام میں امام کے ساتھ شریک ہوگیا مگر رکوع امام کے ساتھ نہیں کیا؛ بلکہ سجدہ کے بعد امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد کیا، تب بھی رکعت مل گئی۔(محیط)(۳)

مسئلہ(۵۹)اگر رکوع میں امام کے ساتھ آ کر شریک ہوا اور صرف ایک ہی تکبیر کہی، تب بھی نماز صحیح ہوگئی، اگر چہ اس تکبیر سے رکوع کی تکبیر کی نیت کی ہو اور تکبیر تحریمہ کی نیت نہ کی ہو، اس نیت کا اعتبار نہ ہوگا۔(فتح القدیر)(۴) بشرطیکہ تکبیر کھڑے ہوکر کہی ہو رکوع میں نہ کہی ہو۔

مسئلہ(۶۰) آیت سجدہ پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے۔(محیط)(۵)

---

(۱) قال أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ عنه: لو وقع تكبيرة الافتتاح قائماً وهو مستوى أيضاً صح الشروع، وإن وقع وهو منحط عنه غير مستوى لا يجوز، وإن ركع المسبوق وسوىٰ ظهره صار مدركاً للركعة قدر علىٰ التسبيح أولم يقدر، وإن لم يقدر علىٰ تسوية الظهر في الركوع حتىٰ رفع الإمام رأسه فاته الركوع ولو كبر والإمام راكع واشتغل هو بالثناء ولم يركع حتىٰ رفع الإمام رأسه، ثم ركع هو لم يصر مدركاً للركعة. (المحيط البرهاني، كتاب الصلاة، الفصل الحادي والأربعون في بيان حكم المسبوق واللاحق: ۲۱۱/۲، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲) ثم اعلم أنه إذا لم يكن مدركاً للركعة، فإنه يجب عليه أن يتابع الإمام في السجدين وإن لم يحتسبا له كما لو اقتدىٰ بالإمام بعد ما رفع الإمام رأسه من الركوع... وصرح في الذخيرة بأن المتابعة فيهما واجبة، ومقتضاه أنه لو تركهما، لا تفسد صلاته. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ادراك الفريضة: ۱۳۵/۲، مكتبة رشيدية)

(۳) ولو كبر قبل ركوع الامام، ولم يركع معه، حتىٰ رفع الامام رأسه من الركوع، ثم ركع هو صار مدركاً للركعة. (المحيط البرهاني، الفصل الحادي والأربعون في بيان حكم المسبوق واللاحق: ۲۱۱/۲-۲۱۲، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۴) ومدرك الامام في الركوع لا يحتاج إلىٰ تكبيرتين خلافاً لبعضهم، ولو نوىٰ بتلك التكبيرة الواحدة الركوع، لا الافتتاح، جاز ولغت نيته. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب ادراك الفريضة: ۴۸۳/۱، مصطفىٰ البابي الحلبي)

(۵) فنقول: التالي لآية السجدة تلزمه السجدة بتلاوته إذا كان أهلاً لوجوب الصلاة عليه... وكذا لك الحكم في حق السامع من كان أهلاً لوجوب الصلاة عليه، تلزمه السجدة بالسماع. ومن لا يكون أهلاً لوجوب الصلاة عليه نحو الحائض، أو الكافر، أو الصبي، أو المجنون، لا تلزمه السجدة بالسماع. (المحيط البرهاني، الفصل التاسع والعشرون في سجدة التلاوة، نوع آخر في بيان من تجب عليه هٰذه السجدة: ۷/۲، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

مسئلہ(۶۱) سورہ حج میں پہلا سجدہ واجب ہے، دوسرا نہیں۔(محیط)(۱)

مسئلہ(۶۲) اگر خارج نماز آیت سجدہ کی تلاوت کی؛ مگر سجدہ نہیں کیا، نماز میں وہی آیت پڑھی اور سجدہ کیا تو یہ سجدہ دونوں دفعہ کی تلاوت کے لیے کافی ہے، اگر پہلے سجدہ کرلیا تھا تو اب دوبارہ بھی سجدہ کرنا چاہیے۔(محیط)(۲)

مسئلہ(۶۳) اگر امام نے آیت سجدہ پڑھ کر سجدہ کیا اور کوئی شخص آیتِ سجدہ سن کر امام کے ساتھ اس سجدہ کے بعد اسی رکعت میں شریک ہوگیا تو اس کے ذمہ سے یہ سجدہ ساقط ہوگیا، اگر اس رکعت میں شریک نہیں ہوا تو اس خارج صلاۃ علاحدہ سجدہ کرنا چاہیے۔(محیط)(۳)

مسئلہ(۶۴) آیتِ سجدہ کے بعد فوراً ہی سجدہ کرنا افضل ہے؛ لیکن اگر نماز میں آیت سجدہ کے بعد سجدہ نہ کیا؛ بلکہ رکوع کیا اور اس میں اس سجدہ کی نیت کرلی، تب بھی سجدہ ادا ہوجائے گا، اگر رکوع میں نیت نہیں کی تو اس کے بعد سجدہ نماز سے بلا نیت بھی ادا ہوجائے گا، یہ جب ہے کہ آیتِ سجدہ کے بعد تین آیتوں سے زیادہ نہ پڑھا ہو، اگر آیتِ سجدہ کے بعد تین آیتوں سے زیادہ پڑھ چکا ہو تو اب اس سجدہ کا وقت جاتا رہا، نہ نماز میں ادا ہوسکتا ہے نہ خارج نماز میں، توبہ واستغفار کرنا چاہیے۔(محیط)(۴)

---

(۱) عندنا سجدة التلاوة فی سورة الحج واحدة،وهی الأولیٰ.(المحيط البرهانی،كتاب الصلاة،الفصل الحادی والعشرون فی سجدة التلاوة: ۲/ ۱۰۶،غفارية كوئٹة)

(۲) وإن قرأها فی غير صلاة وسجد،ثم افتتح الصلاة فی مكانه،فقرأها،فعليه سجدة أخریٰ...وإن لم يكن سجد أولا،ثم شرع فی الصلاة فی مكانه، فقرأها،يسجد لهما جميعاً، اجزأه عنهما ظاهر الرواية.(المحيط البرهانی، الفصل التاسع والعشرون فی سجدة التلاوة نوع آخر فی تكرار آية السجدة: ۲/ ۱۲،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

(۳) إذا قرأ الإمام آية السجدة،سمعها رجل ليس معه،ثم دخل الرجل فی صلاة الإمام،فهٰذه المسئلة علیٰ وجهين: الأول:أن يكون اقتدائه قبل أن يسجد الإمام،وفی هٰذا الوجه عليه أن يسجد مع الإمام...و إذا سجد مع الإمام،سقط عنه لزمه بحكم سماعه قبل الإمام؛لأنه لما اقتدیٰ به،صارت قراءة الإمام قراءة له.الوجه الثانی:إذا اقتدیٰ به بعد ما سجد،فليس عليه أن يسجد ها فی الصلاة كيلا يصير ،مخالفاً للإمام...فأما إذا أدرك الإمام فی الركعة الأخریٰ،كان عليه أن يسجد ها بعد الفراغ".(المحيط البرهانی،كتاب الصلاة،الفصل التاسع والعشرون فی سجدة التلاوة،نوع آخرفی سماع المصلی آية السجدة ممن معه فی الصلاة أوليس معه: ۲/ ۱۵،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

(۴) قال فی الأصل: وإذا قرأ آية السجدة فی صلا ته وهی فی آخرالسورة إلا آيات يعنی،فإن شاء ركع لها،وإن شاء سجدلها. واعلم أن هٰذه المسئلة علیٰ أوجه:أما إن كانت السجدة قريبة من آخر السورة وبعدها آيتان إلیٰ آخر السورة، فالجواب ما ذكرناه أنه بالخيارإن شاء ركع لها وإن شاء سجد...والحكم فی هٰذه الوجوه،كلها ما ذكرنا فی الوجه الأول،فلوأنه فی هٰذه الوجوه لم يركع لها ولم يسجدعلیٰ الفور،ولكن قرأ ما بقی من السورة أو خرج إلیٰ سورة أخریٰ وقرأ منها شيئاً آخر إن قرأ بعد ها أنه...يجزئه الركوع وسجدة الصلاة عن سجدة التلاوة،أما إذا قرأ بعدها ثلاث أوكانت السجدة فی وسط السورة لم يجز الركوع عن السجود؛لأنه إذا قرأ ثلاث آيات بعد آية السجدة، ==

مسئلہ(۶۵) اگر آیتِ سجدہ (جو کہ سورت کے ختم پر ہے) پڑھ کر سجدہ کیا تو اب اس سجدہ سے اٹھ کر فوراً رکوع نہ کیا جائے، (اس خیال سے کہ سورت تو ختم ہو ہی گئی)؛ بلکہ تین آیت کی مقدار (قرآن کی سورت) پڑھ کر رکوع کرنا چاہیے۔ (محیط)(۱) (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۲۸۱-۲۹۷)

تراویح میں رکوع تک الگ بیٹھے رہنا مکروہ فعل ہے:

سوال: تراویح میں جب حافظ نیت باندھ کر قرأت کرتا ہے تو اکثر نمازی یونہی پیچھے بیٹھے، یا ٹہلتے رہتے ہیں اور جیسے ہی حافظ رکوع میں جاتا ہے تو لوگ جلدی جلدی نیت باندھ کر نماز میں شریک ہوجاتے ہیں، یہ حرکت کہاں تک درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

تراویح میں ایک بار پورا قرآن مجید سننا ضروری اور سنت مؤکدہ ہے،(۲) جو لوگ امام کے ساتھ شریک نہیں ہوتے ان سے اتنا حصہ قرآن کریم کا فوت ہوجاتا ہے؛ اس لیے یہ لوگ نہ صرف ایک ثواب سے محروم رہتے ہیں؛ بلکہ نہایت مکروہ فعل کے مرتکب ہوتے ہیں؛ کیوں کہ ان کا یہ فعل قرآن کریم سے اعراض کے مشابہ ہے۔ (۳) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۴/۱۸۹)

☆ ☆ ☆

== فقد صارت السجدة ديناً في ذمته،لفوائت محل الأداء؛لأن وقتها وقت وجوبها.(المحيط البرهاني،كتاب الصلاة،الفصل التاسع والعشرون في سجدة التلاوة،نوع آخر فيما إذا تلا آية السجدة وأرادوا أن يقيم ركوع الصلاة مقام السجود: ۲/۱۶-۱۷-۱۸،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

(۱) ولو سجد يعود إلى القيام؛لأنه يحتاج إلى الركوع،والركوع لها يكون من القيام،ويقرأ بقية السورة–ليس–ثم يركع إن شاء،كيلا يصير ثان الركوع على السجدة،ولوشاء ضم إليها من السورة الأخرىٰ آية حتىٰ يصير ثلاث آيات،قال الحاكم الشهيد :وهوأحب إلي،وهٰذه القرآءة بعد السجدة بطريق الندب لا بطريق الوجوب، حتىٰ أنه لولم يقرأ جعلها". (المحيط البرهاني،كتاب الصلاة،الفصل التاسع والعشرون في سجدة التلاوة،نوع آخر فيما اذا تلا آية السجدة وأراد أن يقيم ركوع الصلاة مقام السجود: ۲/ ۱۶،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

(۲) السنة في التراويح إنما هو الختم مرة فلا يترك لكسل القوم،كذا في الكافي. (الفتاویٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب التاسع في النوافل،فصل في التراويح : ۱/۱۱۷،مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

(۳) وفي البحر عن الخانية: يكره للمقتدي أن يقعد في التراويح فإذا أراد الإمام أن يركع يقوم؛لأن فيه إظهار التكاسل في الصلاة والتشبه بالمنافقين، قال تعالىٰ:﴿وإذا قاموا إلى الصلاة قاموا كسالىٰ﴾إلخ.(ردالمحتار،كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل،مبحث صلاة التروايح:۲/۴۹۹، مكتبة زكريا ديوبند،انيس)

رکعات تراویح سے متعلق مسائل ☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کتنی رکعت پڑھیں:

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر میں تراویح کتنی رکعت پڑھی ہیں؟

☆**مسئلہ**: رمضان کے مہینے میں تراویح کی نماز بھی سنت ہے، اس کی بھی تاکید آئی ہے، اس کا چھوڑ دینا اور نہ پڑھنا گناہ ہے، عشا کے فرض اور سنتوں کے بعد بیس رکعت تراویح پڑھے چاہے دو رکعت کی نیت باندھے چاہے چار چار کی مگر دو دو رکعت پڑھنا افضل ہے۔ جب بیس رکعتیں پڑھ چکے تو وتر پڑھے۔

مسئلہ: وتر کو بعد تراویح کے جماعت سے پڑھنا بہتر ہے، اگر پہلے پڑھ لے تو بھی درست ہے۔

مسئلہ: نماز تراویح میں چار رکعت کے بعد اتنی دیر تک بیٹھنا جتنی دیر میں چار رکعتیں پڑھی گئی ہیں، مستحب ہے، ہاں اگر اتنی دیر تک بیٹھنے سے لوگوں کو تکلیف ہو اور جماعت کے کم ہو جانے کا خوف ہو تو اس سے کم بیٹھنے میں اختیار ہے، چاہے تنہا نوافل پڑھے، یا تسبیح وغیرہ پڑھے، چاہے چپ بیٹھا رہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص عشا کی نماز کے بعد تراویح پڑھ چکا ہو اور بعد پڑھ چکنے کے بعد معلوم ہو کہ عشا کی نماز میں کوئی ایسی بات ہو گئی تھی، جس کی وجہ سے عشا کی نماز نہیں ہوئی تو اس عشا کی نماز کے اعادہ کے بعد تراویح کا بھی اعادہ کرنا چاہیے۔

مسئلہ: اگر عشا کی نماز جماعت سے نہ پڑھی گئی ہو تو تراویح بھی جماعت سے نہ پڑھی جائے؛ اس لیے کہ تراویح عشا کے تابع ہے، ہاں جو لوگ جماعت سے عشا کی نماز پڑھ کر تراویح جماعت سے پڑھ رہے ہوں، ان کے ساتھ شریک ہو کر اس شخص کو بھی تراویح کا جماعت سے پڑھنا درست ہو جائے گا، جس نے عشا کی نماز بغیر جماعت کے پڑھی ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچے کہ عشا کی نماز ہو چکی ہو تو اسے چاہیے کہ پہلے عشا کی نماز پڑھے، پھر تراویح میں شریک ہو کر اگر اس درمیان میں تراویح کی کچھ رکعتیں ہو جائیں تو ان کو بعد وتر پڑھنے کے بعد پڑھے اور یہ شخص وتر جماعت سے پڑھے۔

مسئلہ: مہینے میں ایک مرتبہ قرآن مجید کا ترتیب وار تراویح میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے اور لوگوں کا کاہلی، یا سستی سے اس کو ترک نہ کرنا چاہیے۔ ہاں اگر یہ اندیشہ ہو کہ اگر پورا قرآن مجید پڑھا جائے تو لوگ نماز میں نہ آئیں گے اور جماعت ٹوٹ جائے گی، یا ان کو بہت ناگوار ہوگا، بہتر ہے کہ جس قدر لوگوں کو گراں نہ گزرے، اسی قدر پڑھا جائے، الم ترکیف سے اخیر تک دس سورتیں پڑھ دی جائیں، ہر رکعت میں ایک سورت پھر جب دس رکعتیں ہو جائیں تو ان سورتوں کو دوبارہ پڑھ دے اور جو سورتیں چاہیں پڑھے۔

مسئلہ: ایک قرآن مجید سے زیادہ نہ پڑھے، تاوقتیکہ لوگوں کا شوق نہ معلوم ہو جائے۔

مسئلہ: ایک رات میں پورے قرآن مجید کا پڑھنا جائز ہے، بشرطیکہ لوگ نہایت شوقین ہوں کہ ان کو گراں نہ گزرے اور اگر ناگوار ہو تو مکروہ ہے۔

مسئلہ: تراویح میں کسی سورت کے شروع میں ایک مرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھ دینا چاہیے؛ اس لیے کہ بسم اللہ بھی قرآن مجید کی ایک آیت ہے، اگر چہ کسی سورۃ کا جزو نہیں، پس اگر بسم اللہ بالکل نہ پڑھی جائے تو قرآن مجید کے پورا ہونے میں ایک آیت کی کمی رہ جائے گی اور اگر آہستہ آواز سے پڑھی جائے گی تو مقتدیوں کا قرآن پورا نہ ہوگا۔ ==

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

بیس تراویح پر اجماع ہے اور احادیث سے ثابت ہے، پس بیس رکعت تراویح پڑھنی چاہیے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۴/۲۷۲)

تراویح کی کتنی رکعتیں مسنون ہیں:

سوال: تراویح کی نماز میں کتنی رکعتیں مسنون ہیں، ہمارے یہاں بیس رکعات پڑھنے کا معمول ہے، بعض حضرات آٹھ رکعات پڑھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ احادیث سے بیس رکعات پڑھنے کا ثبوت نہیں ہے، آپ مدلل مفصل جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جمہور صحابہ، محدثین اور فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ نماز تراویح بیس رکعت پڑھنا مسنون ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں صحابہ کرام کا بیس رکعت پر اتفاق ہوا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو امام بنا کر ان کے پیچھے بیس رکعت پڑھنے کا حکم دیا، اس دور میں بھی اس پر مسلمانوں کا عمل ہوتا رہا اور اس وقت سے اب تک امت کا عمل اسی پر چلا آ رہا ہے۔

”عن عبد الرحمن بن عبدن القاری أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب ليلة فی رمضان إلى المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلی الرجل لنفسه ويصلی الرجل فيصلی بصلاته الرهط، فقال عمر: إنی أری لو جمعت هؤلاء علٰى قارئ واحد لكان أمثل ثم عزم فجمعهم على أبی بن كعب ثم خرجت معه ليلة أخرٰی والناس يصلون بصلاة قارئهم، قال عمر: نعم البدعة هٰذه، والتی تنامون عنها أفضل من التی تقومون يريد آخر الليل وكان الناس يقومون أوله“.(۲)

== **مسئلہ**: تراویح کا رمضان کے پورے مہینے میں پڑھنا سنت ہے، اگر چہ قرآن مجید مہینہ تمام ہونے سے قبل ختم ہو جائے، مثلاً پندرہ روز میں پورا قرآن مجید پڑھ دیا جائے تو باقی دیوں میں بھی تراویح کا پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔

مسئلہ: صحیح یہ ہے کہ قل ہو اللہ کا تراویح میں تین مرتبہ پڑھنا جیسا کہ آج کل دستور ہے، مکروہ ہے۔ (دین کی باتیں)

(۱) وهی عشرون ركعة حكمته مساواة المكمل للمكمل (بعشر تسليمات)...هو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقًا وغربًا. (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث التراويح:۲/۴۹۵، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بیس رکعت تراویح پڑھی، مصنف ابن ابی شیبہ، طبرانی اور بیہقی میں یہ حدیث موجود ہے۔ كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلی فی رمضان عشرين ركعةً سوى الوتر۔ راوی عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔(ظفیر)

(۲) الصحيح للبخاری، كتاب الصوم، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان: ۱/۲۶۹، رقم الحديث: ۱۹۶۶، أشرفی بكڈپو، انيس

سائب بن یزید سے مروی ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ماہ رمضان میں بیس رکعت پڑھتے تھے:

عن السائب بن يزيد قال كانوا يقومون علىٰ عهد عمربن الخطاب فى شهر رمضان بعشرين ركعة ''. (۱)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا عمل بھی یہی تھا، چناں چہ ایک حدیث میں ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں پانچ ترویحوں سے بیس رکعت پڑھائے:

''أن على بن أبى طالب أمر رجلاً أن يصلى بالناس خمس ترويحات عشرين ركعة ''. (۲)

حضرت عمر فاروق اور حضرت علی دونوں حضرات خلفاء راشدین میں سے ہیں اور خلفاء راشدین کی اتباع لازم ہے، جس طرح تمام مسلمانوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع لازم وضروری ہے۔

''فعليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ''. (۳)

(یعنی تم پر لازم ہے کہ میرے اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کو لازم جانو اور اسی طریقہ پر بھروسہ رکھو اور اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔)

حضرت شتیر بن شکل جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، رمضان میں امامت کرتے تھے اور بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھاتے تھے۔

''عن شتيربن شكل أنه كان يصلى فى رمضان عشرين ركعة الوتر''. (۴)

حضرت نافع بن عمر فرماتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ ہم لوگوں کو رمضان المبارک میں بیس رکعت پڑھاتے تھے:

''كان ابن أبى مليكة يصلى بنا فى رمضان عشرين ركعة ''. (۵)

حضرت عبدالعزیز بن رفیع فرماتے ہیں کہ ابی بن کعب لوگوں کو مدینہ میں ماہ رمضان المبارک میں بیس رکعت پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر۔

''عن عبد العزيز بن رفيع قال: كان أبى بن كعب يصلى بالناس فى رمضان بالمدينة عشرين ركعة ويوتر بثلاث''. (۶)

---

(۱) السنن الكبرى للبيهقى، بابما روى فى عدد ركعات القيام فى شهر رمضان: ۴۹۶/۲، رقم الحديث: ۴۸۰۱، انيس

(۲) السنن الكبرى للبيهقى، باب ما روى فى عدد ركعات القيام: ۴۹۶/۲، رقم الحديث: ۴۸۰۵، انيس

(۳) مشكوٰة المصابيح، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثانى، ص: ۳۰، فيصل بكڈپو، انيس

(۴) مصنف ابن أبى شيبة، كتاب الصلاة، كم يصلى فى رمضان من ركعة: ۳۹۳/۲، رقم الحديث: ۷۷۶۲، انيس

(۵) مصنف ابن أبى شيبة، كم يصلى فى رمضان من ركعة: ۳۹۳/۲، رقم الحديث: ۷۷۶۵، انيس

(۶) مصنف ابن أبى شيبة، كتاب الصلاة، كم يصلى فى رمضان من ركعة: ۳۹۳/۲، رقم الحديث: ۷۷۶۶، انيس

حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کو رمضان المبارک کی رات میں بیس رکعت پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر۔

''عن أبی إسحاق عن الحارث أنه كان يؤم الناس فی رمضان بالليل بعشرين ركعة ويوتر بثلاث ويقنت قبل الركوع'' .(۱)

غرضیکہ ماہ رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھنے پر صحابہ کا اجماع تھا۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح میں بیس رکعت تراویح پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے۔

''لكن أجمع الصحابة علىٰ أن التراويح عشرون ركعة ''.(۲)

مرقاۃ ہی میں ہے کہ بیس رکعت تراویح پر اتفاق ہوا اور یہی متوارث ہے۔

''ثم استقرار الأمر على العشرين فإنه المتوارث''.(۳)

مسلم شریف کی شرح فتح الملہم میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ صحابہ میں سے کسی نے بھی بیس رکعت سے اختلاف نہیں کیا، تمام حضرات بیس رکعت پر متفق تھے۔

''وهو الصحيح عن أبی بن كعب من غير خلاف من الصحابة ''.(۴)

ظاہر ہے کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ سمجھنے والے صحابہ تھے، اس پر عامل بھی سب سے زیادہ صحابہ تھے اور صحابہ کسی غلطی پر جمع نہیں ہو سکتے ہیں تو جب بیس رکعت پر صحابہ کرام نے عمل کیا اور ان کا اس پر اتفاق بھی ہے تو پھر ہمارے لیے اس سے انحراف، یا صحابہ پر کسی طرح کی انگشت نمائی کا کیا حق ہوتا ہے۔

نیز ائمۂ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک و امام احمد بن حنبل میں سے کوئی بھی بیس رکعت سے کم کے قائل نہیں ہیں۔

واختلفوا فی المختار من عدد الركعات التی يقوم بها الناس فی رمضان فاختار مالک فی أحد قوليه وأبو حنيفة والشافعی وأحمد وداؤد القيام بعشرين ركعة سوى الوتر''.(۵)

علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی رمضان میں بیس رکعت تراویح کو سنت قرار دیا ہے، انہوں نے مجموعۂ فتاویٰ ابن تیمیہ میں لکھا ہے:

''حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ صحابہ کو رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر، پس

(۱) مصنف ابن أبی شيبة، كتاب الصلاة كم يصلی فی رمضان من ركعة: ۳۹۳/۲، رقم الحديث: ۷۷۶۷، انيس

(۲) مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان: ٤٤١/٤، انيس

(۳) مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب قيام شهر رمضان: ٤٣٩/٤، انيس

(۴) فتح الملهم: ۳۲۰/۲، كراتشی

(۵) بداية المجتهد، كتاب الصلاة الثانی، الباب الخامس فی قيام رمضان: ۲۱۰/۱، انيس

بہت سے علما کا مسلک یہ ہے کہ یہی سنت ہے؛ کیوں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے مہاجرین اور انصار کی موجودگی میں بیس رکعتیں پڑھائی اور کسی بھی صحابی نے اس پر نکیر نہیں فرمائی''۔

''قد ثبت أن أبی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعة فی قیام رمضان ویوتر بثلاث. فرأی کثیر من العلماء أن ذلک هو السنة، لأنه أقامه بین المهاجرین والأنصار ولم ینکره منکر''.(۱)

خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بیس رکعت پڑھنا بعض روایات سے ثابت ہے، گرچہ اس روایت پر بعض حضرات نے کلام کیا ہے اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے؛ لیکن مؤید بالاجماع و التعامل ہونے کی بنا پر اس میں قوت آجاتی ہے۔ ملاحظہ ہو، حدیث شریف:

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنه قال: ''کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یصلی فی شهر رمضان فی غیر جماعة بعشرین رکعة والوتر''.(۲)

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین، حضرت عمر فاروق وحضرت علی اور دیگر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بیس رکعت تراویح کا ثبوت ملتا ہے۔ لہٰذا بیس رکعت تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، اسی پر عمل کیا جائے اور اس مسئلہ کو باہمی اختلاف وانتشار کا ذریعہ نہ بنایا جائے، تمام مسلمان کلمۂ واحدہ کی بنیاد پر متحد ومتفق ہوکر زندگی گذاریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۴۵۷-۴۶۰)

رکعاتِ تراویح:

سوال: حوالہ اخبار البرید مورخہ ۲۵ / جون ۱۹۱۸ء مطابق ۱۵ / رمضان المبارک از کانپور (تراویح کا بیان) بعد نماز عشا؛ یعنی فرض وسنت کے بعد بیس رکعتیں تراویح پڑھنا مسنون ہے، جو لوگ آٹھ، یا گیارہ مع وتر بتاتے ہیں، غلط ہے۔ اگر آٹھ رکعات تراویح غلط ہے تو اس کے کیا معنی ہیں؟ جو شیخ ابن الہمام حنفی فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

فتحصل من هٰذا کله أن قیام رمضان سنة إحدی عشر رکعة بالوتر فی جماعة فعله علیه السلام ثم ترکه لعذر... وکونها عشرین سنة الخلفاء الراشدین.(۳)

افسوس کہ اگر آپ جواز کا فتویٰ نہ دیتے تو غلط بھی نہ کہتے؛ کیوں کہ کسی بات کو بغیر تحقیق غلط کہہ دینا انسانیت سے بعید ہے۔ اب فدوی آں جناب سے ملتمس ہے کہ اگر واقعی آٹھ رکعت ثابت نہ ہوں تو مع دلیل تحریر فرماویں اور ماسوا

(۱) الفتاویٰ الکبریٰ لإبن تیمیة، کتاب الصلاة، مسألة هل قنوت الصبح دائماً سنة: ۲/۲۴۷، انیس

(۲) السنن الکبری للبیهقی، کتاب الصلاة، باب ماروی فی عدد رکعات القیام: ۲/۴۹۶، رقم الحدیث: ۴۷۹۹، انیس

(۳) فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب النوافل، فصل فی قیام رمضان: ۱/۴۸۵-۴۸۶، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

اس کے بیس رکعت کا ثبوت کسی صحیح حدیث سے ہم کو بتائیں؛ تا کہ اس کے ثواب سے ہم بھی محروم نہ رہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے تو اس کا ثبوت صحیح روایت سے پیش کریں؟

الجواب

جمہور حنفیہ تمام بیس رکعات تراویح کو سنت مؤکدہ فرماتے ہیں اور یہی محقق وراجح ہے۔لہٰذا اس بارے میں علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کا قول بمقابلہ جمہور حنفیہ کے قابل تسلیم نہیں ہے،(۱) اور البرید کے حوالہ سے جو آپ نے یہ نقل کیا ہے کہ جو لوگ آٹھ، یا گیارہ مع وتر، الخ، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ محض آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہیں اور لوگوں کو اسی کا حکم کرتے ہیں اور اس سے زیادہ کو بدعت جانتے ہیں اور اس سے منع کرتے ہیں یہ غلط ہے تو اس میں امام ابن ہمام رحمہ اللہ کی تغلیط نہیں ہے؛ بلکہ غیر مقلدوں کی تغلیط مقصود ہے، جو بیس رکعت کو بدعت عمری بتلاتے ہیں۔(والعیاذ باللہ)

قال عليه الصلاة والسلام: "فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين" فكيف تكون سنة الخلفاء بدعةً؟ فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۲۴۰/۴-۲۴۲)

---

(۱) (وهي عشرون ركعة) إلخ (بعشر تسليمات). (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۹۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

وهو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقاً وغرباً، وعن مالك ست وثلاثون، وذكر في الفتح أن مقتضى الدليل كون المسنون منها ثمان والباقي مستحبًا وتمامه في البحر وذكرت جوابه فيما علقته عليه (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۴۹۵/۲، دار الكتب العلمية، انيس)

وذكر في الاختيار: أن أبا يوسف سأل أبا حنيفة عنها وما فعله عمر، فقال: التراويح سنة مؤكدة ولم يتخرجه عمر من تلقاء نفسه ولم يكن فيه مبتدعًا ولم يأمر به إلا عن أصل لديه وعهد من رسول الله صلى الله عليه وسلم. (البحر الرائق، باب الوتر والنوافل: ۶۶/۲)

ماحصل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے بیس رکعت صحابہؓ کے اجماع سے تراویح رائج کیں، سوچنا یہ ہے کہ بغیر کسی اصل کے ایسا حکم آپ کیسے کر سکتے تھے، پھر مصنف بن ابی شیبہ، طبرانی اور بیہقی میں یہ حدیث موجود ہے، جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔

عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلي في رمضان عشرين ركعة سوى الوتر. (معجم الطبراني: ۱۹۳/۱، رقم الحديث: ۸۰۲، انيس)

ایک راوی کی وجہ سے جو یقیناً عہد صحابہؓ کے بعد کے ہیں، سے ضعیف قرار دے کر بیس رکعت کا انکار کسی طرح درست نہیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو رمضان وغیر رمضان دونوں سے متعلق ہے، اس سے استدلال کسی طرح درست نہیں؛ اس لیے کہ تراویح صرف دو تین رات پڑھی گئی، پھر اس بیس رکعت رکعت والی حدیث کے ساتھ اجماع صحابہ ہے اور یہ مسلم ہے کہ آٹھ رکعت تراویح کی بدعت صرف سو سال سے غیر مقلدوں نے جاری کی ہے، اس سے پہلے تراویح آٹھ رکعت کہیں جماعت کے ساتھ پڑھنا ثابت نہیں، پھر حدیث عائشہؓ میں چار چار رکعت ایک سلام سے مذکور ہے اور غیر مقلدین دو دو رکعت ایک سلام سے پڑھتے ہیں، اس کے لیے آپ حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ (مرحوم) کا رسالہ "رکعات تراویح" ذیل پڑھیں، جو مدرسہ مفتاح العلوم مئو ضلع اعظم گڈھ سے شائع ہوا ہے، رکعات تراویح پر اس سے بہتر کتاب اب تک دیکھنے میں نہیں آئی۔(ظفیر)

عدد رکعات تراویح:

سوال: تراویح کی نماز خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعتیں پڑھی ہیں، یا زیادہ، خلفا راشدین کے زمانہ میں تراویح کی نماز کتنی رکعتیں پڑھی گئی ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

تراویح کے متعلق حدیث میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو، تین روز رمضان میں تراویح پڑھائی، جس میں بعض روایتوں میں بیس رکعتوں کا پڑھنا مروی ہے، بعض میں آٹھ رکعتوں کا پڑھنا بھی، تیسرے یا چوتھے دن بہت بڑا مجمع مسجد میں ہوگیا؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے، صبح کو آپ نے فرمایا کہ میں اس وجہ سے نہیں آیا کہ میں نے خطرہ محسوس کیا کہ تم پر یہ تراویح فرض نہ ہوجائے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھنا حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے اور یہ روایتیں بیہقی اور طبرانی میں ہیں، صحابہ تراویح کی نماز رمضان میں پڑھا کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں متفرق جماعتوں میں لوگوں کو تراویح پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ ان سب کو کیوں نہ میں ایک امام کے پیچھے جمع کردوں، چناں چہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں سب کو جمع فرمادیا اور صحابہ ان کے پیچھے تراویح پڑھتے رہے۔(۱)

حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خلافت میں بھی برابر تراویح پڑھتے رہے اور آج تک مسلمانوں میں یہ سنت جاری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جو جماعت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں قائم کرائی، اس کے متعلق بھی دونوں طرح کی روایتیں ہیں، بعض روایتوں میں گیارہ رکعتیں مع وتر ہیں، بعض میں تئیس رکعتیں مع وتر ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک تئیس رکعت مع وتر؛ یعنی بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر کی روایتیں زیادہ صحیح ہیں؛ اس لیے ان کا اس پر عمل ہے۔

---

(۱)　عن عبد الرحمن بن عبد ن القاری أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب لیلة فی رمضان إلی المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون یصلی الرجل لنفسه ویصلی الرجل فیصلی لصلاته الرهط، فقال عمر: إنی أری لو جمعت هولاء علٰی قارئ واحد لکان أمثل، ثم عزم فجمعهم علٰی أبی بن کعب ثم خرجت معه لیلة أخریٰ والناس یصلّون بصلاة قارئهم، قال عمر: نعم البدعة هٰذه، والتی تنامون عنها أفضل من التی تقومون یرید آخر اللیل وکان الناس یقومون أوّله. (الصحیح للبخاری، کتاب الصوم، کتاب صلاة التراویح، باب من قام رمضان: ۲۶۹/۱، رقم الحدیث: ۱۹٦٦، أشرفی بکڈپو، انیس)

ان باتوں میں عوام کونہیں پڑنا چاہیے؛ کیوں کہ وہ فضول لڑائی جھگڑا کریں گے اوراس سے نقصان کے سوا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اب اس کا حل نہ کسی فتوی سے ہوسکتا ہے اور نہ بحث ومباحثہ سے؛اس لیے اس کواپنی حالت پر چھوڑ دینا چاہیے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی،۲۲/۱۲/۶۹ ۱۳ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۱۰-۲۱۱)

رکعات تراویح اورابن ہمامؒ:

سوال: حضرت آپ نے اس فتویٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ علامہ ابن ہمام علیہ الرحمہ کا یہ قول بمقابلہ جمہور حنفیہ کے قابل تسلیم نہیں ہے،(بہت خوب)،ہم پوچھتے ہیں کہ علامہ ابن ہمامؒ کے اس قول کی تردید جمہور حنفیہ کس دلیل سے کرتے ہیں" **علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین**" والی حدیث پر ہمارا بھی صاد ہے،مگرسوال یہ ہے کہ کسی صحیح حدیث یا روایت سے ثابت بھی ہے،یا یوں ہی زبانی خرچ ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم آٹھ رکعت کا ثبوت ایسا دیں گے کہ آپ کوانکار کی گنجائش نہ ہوگی،بشرطیکہ بنظر انصاف ملاحظہ فرمائیں۔لیجئے سردست ایک حدیث عاجز نقل کرتا ہے۔پہلی حدیث صحیح بخاری میں ہے:

قیام النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ:عن أبی سلمة بن عبد الرحمٰن أنه أخبرہ أنه سأل عائشة رضی اللّٰه عنه کیف کانت صلاۃ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی رمضان؟ فقالت:ما کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علیٰ إحدیٰ عشرۃ رکعةً یصلی أربعاً، فلا تسئل عن حسنهن وطولهن، ثم یصلی أربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلثاً، قالت عائشة:فقلت:یارسول اللّٰه! أ تنام قبل أن توتر؟ فقال:یا عائشة! "إن عینی تنامان ولاینام قلبی".(۱)

ہاں یہ تو فرمائیں کہ غیر مقلدوں کی تغلیط کیوں کر ہوئی،ابھی آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ بمقابلہ جمہور حنفیہ کے ابن ہمام کا قول قابل تسلیم نہیں اور پھر لکھتے ہیں کہ اس سے تغلیط غیر مقلدین کی ہوئی نہ کہ ابن ہمام کی۔مولانا ارشاد خداوندی پر بھی تو عمل کیا کریں،جب بولا کروانصاف سے۔

الجواب

قال فی شرح المنیة: تنبیه:علم من هذه المسئلة أن التراویح عندنا عشرون رکعةً بعشر تسلیمات وهومذهب الجمهوروعند مالک ست وثلثون رکعةً احتجاجاً بعمل أهل المدینة،و

(۱) صحیح البخاری،کتاب التهجد،باب قیام النبی صلی اللّٰه علیه وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ: ۱/۱۵۴، رقم الحدیث: ۱۱۳۶،مکتبة أشرفیه دیوبند،انیس

للجمهور مارواه البيهقي بإسناد صحيح عن السائب بن يزيد قال: كانوا يقومون علىٰ عهد عمر بعشرين ركعة وعلىٰ عهد عثمان وعلىٰ مثله،إلخ.(۱)

اس سے خلفائے راشدین کا طریقہ معلوم ہو گیا اور جمہور حنفیہ کا مذہب بھی معلوم ہو گیا اور حدیث بخاری کا جواب یہ ہے کہ وہ تہجد کی نماز کا بیان ہے تراویح کا نہیں ہے، جیسا کہ لفظ "ولافی غیرہ" اس پر دال ہے؛ کیوں کہ غیر رمضان میں تراویح نہیں، لہٰذا اس سے ایسی نماز مراد لی جاوے گی، جو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں ہو، سو وہ نماز تہجد ہے۔

وفي الدرالمختار: التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين،إلخ،وهي عشرون ركعةً.(۲)

قال في رد المحتار: قوله وهي عشرون ركعةً هو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقاً وغرباً،إلخ.(۳)

وقبيله: وكيف لا وقد ثبت عنه صلى الله عليه وسلم: "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضّوا عليها بالنواجد"، كما رواه أبو داؤد.(۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۴/۲۴۴-۲۴۵)

تراویح آٹھ رکعت ہے، یا بیس رکعت:

سوال: تراویح کی آٹھ رکعت پڑھنی چاہیے، یا بیس رکعت؟ مشرح ومدلل تحریر فرمائیے اور فاتحہ خلف الامام وآمین بالجہر میں کیا حکم ہے؟ صاف تحریر فرماویں اور وتر کی تین رکعتیں کیا اس طرح ہیں کہ دو رکعت پر قعود اولیٰ ہے؟

الجواب

فتح القدیر میں ہے:

" نعم ثبتت العشرون من زمن عمر في الموطأ: عن يزيد بن رومان قال: كان الناس يقومون في زمن عمر بن الخطاب بثلاث وعشرين ركعةً. وروى البيهقي في المعرفة عن السائب بن يزيد قال: كنا نقوم في زمن عمر بن الخطاب رضي الله عنه بعشرين ركعة والوتر. قال النووي في الخلاصة: إسناده صحيح. وفي الموطأ رواية بإحدىٰ عشرة وجمع بينهما بأنه وقع أولاً ثم استقر الأمر على العشرين فإنه المتوارث فتحصل من هٰذا كله أن قيام رمضان سنة إحدىٰ عشرة ركعة بالوتر في جماعة فعله عليه الصلاة والسلام ثم تركه لعذر،إلخ،فيكون سنة وكونها عشرين سنة الخلفاء الراشدين،وقوله عليه الصلاة والسلام: "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين ندب إلىٰ سنتهم (إلىٰ أن قال) فتكون العشرون مستحباً،إلخ.(۵)

(۱) غنية المستملي،فصل في النوافل: التراويح،ص: ۳۵۱-۳۵۲،دارالكتاب ديوبند،انيس
(۲) الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل: ۹۸/۱،مكتبة زكريا ديوبند،انيس
(۳) رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل،مبحث صلاة التراويح: ۶۶۰/۱،ظفير
(۴) رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۴۹۳/۲،مكتة زكريا ديوبند،ظفير
(۵) فتح القدير،كتاب الصلاة،باب النوافل،فصل في قيام رمضان: ۴۸۵/۱-۴۸۶،دارالكتب العلمية، انيس

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ سنت خلفاء راشدین بیس رکعت تراویح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت خلفاء راشدین کے اتباع کا حکم فرمایا ہے، پس کہنا غیر مقلدین کا کہ بیس رکعت بدعت عمری ہے، جہالت ہے۔

اور شامی میں ہے:

قوله: وهي عشرون ركعةً هو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقاً وغرباً، الخ. (۱)

الغرض اس میں کچھ تأمل نہیں ہے، **کما مر عن فتح القدیر**، پس حنفیہ کے لیے یہ دلیل کافی ہے، پس اگر بالفرض یہ بات ثابت ہو کہ زمانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بیس رکعت تراویح کا ہونا صحیح حدیث سے ثابت نہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے تو بالاتفاق صحیح طریق سے ثابت ہے اور سنت خلفاء راشدین خود واجب الاتباع ہے، پھر بیس رکعت کا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتا ہے۔

الرأی انجیح والحق الصریح، نیز ایضاح الادلۃ مولوی سید اصغر حسین صاحب سے بذریعہ ویلو طلب فرمالیں، پہلے دونوں رسالوں میں تراویح کی پوری تحقیق ہے اور حق الامر ظاہر فرمادیا ہے اور ایضاح الادلۃ مصنفہ حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ میں مسائل اختلاف ''رفع الیدین'' و''فاتحہ خلف الامام'' و''آمین بالجہر'' وغیرہ خوب تشریح کے ساتھ مذکور ہیں۔ کتب مذکورہ ضرور منگا کر مطالعہ فرمائیں، بندہ کو فرصت اول ان دلائل کے نقل کرنے کی نہیں اور کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے، بدوں مطالعہ کتب مذکورہ غیر مقلدین کی دھوکہ دہی سے بیچارے مقلدین نجات نہ پاویں گے

تین وتروں میں درمیانی قعدہ کا ثبوت ایسا بدیہی ہے کہ اس کا انکار اہل حق اور اہل دین کا کام نہیں، یہ جرأت غیر مقلدین ہی کو ہے۔

''صلاة الليل مثنٰى مثنٰى فإذا خشي الصبح صلّٰى واحدة فأوترله ما صلّٰى''. (۲)

حدیث صحیح ہے، اس سے ثابت ہے کہ بعد دو رکعت کے تشہد ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

''وأخرج الحاكم، قيل للحسن: إن ابن عمر كان يسلم في الركعتين من الوتر، فقال: كان عمر أفقه منه وكان ينهض في الثانية''. (۳)

اس میں دو رکعت کے بعد نہوض مصرح ہے، اور نہوض بعد بیٹھنے کے ہوتا ہے۔

نیز فتح القدیر میں ہے:

(۱)　ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاۃ التراویح: ۲/۴۹۵-۴۹۶، مکتبۃ زکریا دیوبند، انیس

(۲)　فتح القدیر، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الوتر: ۱/۴۴۱-۴۴۲، دار الکتب العلمیۃ بیروت، انیس

(۳)　فتح القدیر، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الوتر: ۱/۴۴۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت، انیس

"قال الطحاوی: حدثنا أبو بکر حدثنا أبو داؤد حدثنا أبو خالد قال: سألت أبا العالیة عن الوتر؟ فقال: علمنا أصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أن الوتر مثل صلاۃ المغرب هٰذا وتر اللیل وهٰذا وتر النهار". (۱)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وتر مثل صلوٰۃ مغرب ہیں۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۲۸۹/۴-۲۹۰)

حضور سے کتنی رکعات تراویح ثابت ہے:

سوال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان المبارک میں نماز تراویح کتنی رکعتیں پڑھائی ہیں؟ ثبوت مستند حدیث سے ہو۔

(المستفتی: ۳۷۷۲، مولانا اختر شاہ صدر مدرسہ امدادالاسلام میرٹھ، ۷/شعبان ۱۳۶۲ھ)

الجواب

نماز تراویح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین دن جماعت سے پڑھائی ہے، چوتھے دن باوجود صحابہ کے اجتماع اور اس کوشش کے کہ حضور حجرے سے نکلیں اور نماز پڑھائیں، حضور تشریف نہیں لائے اور فرمایا کہ مجھے یہ خوف ہوا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ ہوجائے، (۲) چناں چہ تراویح کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ نہ اس رمضان کے باقی ایام میں حضور نے پڑھائی نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ مبارک میں جماعت سے پڑھی گئی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں بھی کئی سال ایک جماعت کا اہتمام نہیں ہوا، پھر حضرت عمرؓ نے جماعت تراویح کا اہتمام کیا اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو تراویح پڑھانے پر متعین فرمادیا۔ (۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرے روز صبح صادق کے قریب تک تراویح کی نماز پڑھائی اور اس بات میں اختلاف ہے کہ حضور نے کتنی رکعتیں پڑھائیں؛ مگر یہ بات متفق علیہ ہے کہ تیسری رات قریب صبح صادق تک نماز پڑھی

(۱) فتح القدیر، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الوتر، بحث التراویح: ۴۴۲/۱، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

(۲) عن عائشة رضی اللّٰه عنها أنه صلی اللّٰه صلی فی المسجد فصلی بصلاته ناس ثم صلی من القابلة فکثر الناس ثم اجتمعوا من الثالثة فلم یخرج إلیهم فلما أصبح قال؛ "قد رأیت الذی صنعتم فلم یمنعنی من الخروج إلیکم إلا أنی خشیت أن تفترض علیکم. (الحلبی الکبیر، باب النوافل، ص: ۴۰۱، ط: سهیل، انیس)

(۳) عن عبد الرحمن بن عبد القاری خرجت مع عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه لیلة فی رمضان إلی المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون، یصلی الرجل لنفسه ویصلی الرجل فیصلی بصلاته الرهط فقال عمر رضی اللّٰه عنه: إنی أریٰ لو جمعت هؤلاء علی قاری واحد لکان أمثل ثم عزم فجمعهم علی أبی ابن کعب رضی اللّٰه عنه ثم خرجت معه فی لیلة أخریٰ، والناس یصلون بصلاة قارئهم، قال عمر رضی اللّٰه عنه: "نعم البدعة". {الحدیث} (آثار السنن، کتاب الصلاۃ، فی جماعة التراویح ص: ۱۹۹، مکتبة حقانیة ملتان، انیس)

گئی، صحابی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ خوف پیدا ہو گیا کہ آج سحری کھانے کا موقع بھی ملتا ہے، یا نہیں؟

اکثر روایتوں سے حضور کا آٹھ رکعتیں پڑھنا ثابت ہوتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیس رکعتیں ثابت ہوتی ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ والی روایت کو محدثین ضعیف بتاتے ہیں؛ مگر اس کا ضعف خلفائے راشدین اور جمہور امت محمدیہ کے عمل سے دور ہو جاتا ہے،(۱) حضرت عمر حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ عنہم کے زمانۂ ہائے مبارکہ میں تراویح کی بیس رکعتیں پڑھی جاتی رہیں اور اسی پر تمام امت کا عمل رہا اور اب تک ہے کہ بیس سے کم رکعتیں نہیں، بیس سے زیادہ کے تو امام مالکؒ قائل بھی ہیں ۔(۲)

غرض بیس رکعت والی روایت کو تلقی امۃ بالقبول کی قوت حاصل ہے اور اس وجہ سے ضعف سند مضر نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی:۳/۴۰۷-۴۰۸)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی رکعات ثابت ہیں:

سوال: کیا حضور علیہ السلام سے نماز تراویح رمضان شریف میں گیارہ رکعت مع وتر ثابت ہے، یا کہ بیس رکعت؟

(المستفتی:۱۱۸۸، عبدالعزیز مشین والا (ضلع سیالکوٹ) ۲۸/ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ، مطابق ۱۶/ستمبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

تراویح کی رکعات کی تعداد میں ایک روایت سے بیس اور دوسری روایت سے گیارہ رکعتیں معلوم ہوتی ہیں، امت کا عمل صحابۂ کرام کے زمانے سے بیس، یا اس سے زیادہ رکعتوں پر رہا ہے۔(۳)

وقال الشامي: هو قول المجهور وعليه عمل الناس شرقا وغربا، إلخ.(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۴۰۱)

---

(۱) وهي إن كان ضعيفة لكنها تقوىٰ حديث ابن عباس رضي الله عنه فلا شک في كونه حسناً، إلخ.(التعليق الحسن علىٰ آثار السنن، كتاب الصلاة، أبواب قيام شهر رمضان، باب فضل قيام رمضان، ص:۱۹۷، انيس)

(۲) وقال في التنوير هي عشرون ركعة، إلخ.(تنوير الأبصار)

قال الشامي: "هو قول المهور، وعليه عمل الناس شرقًا وغرباً.(رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح:۲/۴۹۵-۴۹۶، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۳) وهي عشرون ركعة بعشر تسليمات، إلخ.(تنوير الأبصار على صدر ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل:۱/۹۸، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

والتراويح عشرون ركعة بعشر تسليمات بعد العشاء في ليالي رمضان وصلاة الوتر على قولهما. (الأشباه والنظائر، السنن الرواتب في اليوم والليلة، ص:۴۳، انيس)

(۴) ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح:۲/۴۹۵-۴۹۶، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

تراویح کی رکعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ ثابت ہیں، یا بیس:

سوال: آٹھ رکعت تراویح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنی ثابت ہے، یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو بیس رکعت کیوں پڑھتے ہیں اور ترجیح کس کو ہے؟

الجواب

تحقیق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز تراویح کی تعداد رکعات قولاً عملاً کسی صحیح ومعتبر حدیث سے ثابت نہیں اور آٹھ رکعات کا جن روایات صحیحہ میں ذکر ہے، وہ تراویح کے متعلق نہیں؛ بلکہ تہجد کے متعلق ہے، البتہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے اجماع سے بیس رکعت تراویح پڑھا جانا ثابت ہے؛ اسی لئے تمام ائمہ اربعہ نے بیس سے کم تراویح کو اختیار نہیں کیا۔ مسئلہ کی تفصیل دیکھنا ہو تو "**رسالة التنقیح فی عدد رکعات التراویح**" ملاحظہ فرمائیں۔ (امداد المفتین: ۳۱۲/۲-۳۱۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت تراویح ثابت ہے، یا نہیں:

سوال (۱) حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعت تراویح کی کوئی حدیث صحیح ہے، یا نہیں؟

(۲) موجد تراویح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب وتمیم داری رضی اللہ عنہما کو رمضان میں جماعت کو کتنے رکعت تراویح کا حکم دیا تھا؟

(۳) یزید بن رومان نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے، یا نہیں؟ چوں کہ کبیری شرح منیۃ المصلی میں، نیز مجلی شرح موطا امام مالک میں ہے کہ یزید بن رومان نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

(المستفتی: ۶۳۱، عبد الستار ضلع بلاری ۲۹ رجمادی الثانی ۱۳۵۴ھ، ۲۸ ستمبر ۱۹۳۵ء)

الجواب

(۱) و (۳) یزید بن رومان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح کا ثبوت سائب بن یزید، محمد بن کعب قرظی، یزید بن رومان، اعمش عن عبد اللہ، مسعود عن فحلہ، عطاء وغیرہم سے ثابت ہے۔ (قیام اللیل)(۱)

(۱) عن سائب بن یزید قال: کانوا یقومون علیٰ عهد عمر بن خطاب فی شهر رمضان بعشرین رکعة. (الحدیث) وقال الشعرانی فی کشف الغمة: "وکانوا یصلونها فی أول زمان عمر بثلاث عشرة رکعة، إلخ، وکان إمامهم أبی ابن کعب وتمیما الداری، ثم أن عمر رضی اللّٰه عنه أمر بفعلها ثلاثا وعشرین رکعة ثلاث منها وتر واستقر الأمر علیٰ ذلک فی الأمصار. (التعلیق الحسن علیٰ آثار السنن، کتاب الصلاة، باب فی التراوح بعشرین رکعات، ص: ۲۰۲، حقانیة ملتان، انیس) ==

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجد تراویح نہیں ہیں؛ کیوں کہ تراویح کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجد جماعت ہیں؛ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح جماعت سے پڑھائی ہے،(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صرف اتنا کیا ہے کہ مسجد میں متعدد جماعتیں ہوتی تھیں، ان کو ایک جماعت کی صورت میں جمع کر دیا،(۲) حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعت کا حکم دیا تھا، یہ ایک روایت سے ثابت ہے؛ لیکن انھیں کے زمانے میں بیس رکعتیں پڑھے جانے کا بھی ثبوت موجود ہے اور سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین میں بیس رکعت سے زیادہ کے قائل تو موجود ہیں؛ مگر تراویح میں بیس رکعت سے کم کے قائل نہیں، یا بہت کم ہیں۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۹۵/۳-۳۹۶)

تراویح میں آٹھ رکعت والی حدیث راجح ہے، یا بیس والی:

سوال: رکعات تراویح میں ہر دو احادیث کا مقابلۃً کیا حال ہے؟ آٹھ رکعت والی حدیث جو ''کتاب قیام اللیل'' امام محمد بن نصر مروزی میں ہے اور بیس رکعات ''مصنف ابن ابی شیبہ'' میں عام مشہور ہے؟

== محمد بن كعب القرظي قال: كان الناس يصلون في زمان عمر بن الخطاب رضي الله عنه في رمضان عشرين ركعة يطيلون فيها القراءة ويوترون بثلاث. (مختصر قيام الليل وقيام رمضان للمروزي، باب عدد ركعات التي يقوم بها الإمام: ۲۲۰/۱، حديث اكيدمي فيصل آباد، انيس)

عن يزيد بن رومان أنه قال: كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان بثلاث وعشرين ركعة. (موطأ الإمام مالك رواية يحى الليثي، باب ماجاء في قيام رمضان، رقم الحديث: ۲۵۲، انيس)

عن عطاء قال: أدركت الناس وهم يصلون ثلاثة وعشرين ركعة بالوتر. (مصنف بن أبي شيبة، كم يصلي في رمضان من ركعة، رقم الحديث: ۷۷۷۰/تنبيه القاري على تقوية ما ضعفه الألباني: ۴۳/۱، انيس)

عن عبدالعزيز بن رفيع قال: كان أبي بن كعب يصلي بالناس في رمضان بالمدينة عشرين ركعة ويوتر بثلاث. (مصنف بن أبي شيبة، كم يصلي في رمضان من ركعة، رقم الحديث: ۷۷۶۶، انيس)

(۱) عن عروة أن عائشة رضي الله عنها أخبرته أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج ليلة من جوف الليل فصلىٰ في المسجد و صلىٰ رجال بصلاته فأصبح الناس فتحدثوا فاجتمع أكثرمنهم فصلىٰ فصلوا معه. (الحديث) (آثار السنن، باب في جماعة التراويح، ص: ۱۹۹، ط: امدادية)

(۲) فقال عمر رضي الله عنه: إني أرىٰ لو جمعت هؤلاء علىٰ قاري واحد لكان أمثل، ثم عزم فجمعهم علىٰ أبي بن كعب. (الحديث) (آثار السنن، كتاب الصلاة، أبواب قيام شهر رمضان، باب جماعة التراويح، ص: ۱۹۹، ط: امدادية، انيس

(۳) قالي في التنوير: وهي عشرون ركعة بعشر تسليمات''، إلخ.

وفي الشامية: هو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقًا و غربًا. (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۴۹۵/۲-۴۹۶، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

الجواب

بیس رکعت تراویح والی حدیث امت مرحومہ نے معمول بہ ٹھہرائی ہے، لہٰذا وہی اولیٰ بالعمل ہے اور سنت بیس تراویح ہیں۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۲۶۹/۴)

تراویح کی رکعات:

سوال: بیس رکعت تراویح کے سلسلہ میں کیا کوئی صحیح حدیث ہے؟ اور یہ صرف احناف کا مسلک ہے، یا دوسرے ائمہ کا بھی؟ واضح ہو کہ ہمارے شہر کی ایک مسجد میں کچھ لوگ آٹھ رکعت پڑھنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بیس رکعت کا کوئی ثبوت نہیں اور زیادہ تر لوگ بیس رکعت پڑھنے والے ہیں، اس کی وجہ سے آپس میں سخت جھگڑے کی صورت پیدا ہوگئی ہے۔ (رفیق الدین، ظہیرآباد)

الجواب

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور سے بیس رکعت تراویح کا معمول ہے اور اسی پر سلف صالحین کا عمل رہا ہے، چناں چہ یزید بن رومان رحمہ اللہ سے بسند صحیح منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں ۲۳/ رکعت پڑھی جاتی تھی۔

"كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان بثلٰث وعشرين ركعة".(۲)

۲۳/رکعت سے مراد ۲۰/رکعت تراویح اور ۳/رکعت نماز وتر ہے، یہ صرف امام ابوحنیفہؒ کا نقطۂ نظر نہیں؛ بلکہ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے اور زیادہ تر سلف صالحین کی یہی رائے تھی۔ حافظ ابن رُشد لکھتے ہیں:

(۱) التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين إلخ وهي عشرون ركعةً بعشر تسليمات، إلخ.(الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۹۸/۱، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

وهي عشرون ركعةً هو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقاً وغرباً.(رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، مبحث صلاة التراويح: ۴۹۵/۲-۴۹۶، انيس)

اس مسئلہ کے لیے دیکھا جاوے رسالہ ''رکعات تراویح'' مصنفہ شیخ الحدیث حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، شائع کردہ مفتاح العلوم مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڈھ۔(ظفیر)

ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک بیس رکعت سے کم تراویح نہیں ہے، بیس، یا اس سے زیادہ رکعتیں ہیں، آٹھ رکعتوں پر عمل صرف ہندوستان کے غیر مقلدوں کا ہے اور وہ بھی صرف سو سال سے، ورنہ ساری امت میں بیس یا زیادہ رکعتوں پر عمل جاری رہا اور اب بھی ہے۔(ظفیر)

(۲) المؤطا للإمام مالك، العمل في القراءة، رقم الحديث: ۲۵۴، باب ماجاء في قيام رمضان، ص: ۴۰، أشرفية ديوبند، انيس)

نیز دیکھئے: جمع الفوائد، رقم الحديث: ۲۲۸۲، باب قيام رمضان و تراويح

''وسن في رمضان عشرون ركعة بعد العشاء قبل الوتر ''.(البحر الرائق: ۱۱۵/۲)

’’واختلفوا في المختار من عدد الركعات التي يقوم بها الناس في رمضان فاختار مالك في أحد قوليه وأبو حنيفة والشافعي وأحمد وداؤد القيام بعشرين ركعة سوى الوتر‘‘.(۱)

(رمضان کی نماز تراویح کی رکعات کے سلسلہ میں کتنی رکعتیں پڑھنی چاہیے؟ اس میں فقہا کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام داؤد ظاہریؒ اور ایک قول کے مطابق امام مالکؒ نے وتر کے علاوہ بیس رکعت کی رائے اختیار کی ہے۔)

تاہم ان مسائل میں باہم جدال ونزاع مناسب نہیں، اگر کچھ لوگ آٹھ رکعت پڑھنا چاہتے ہوں اور کچھ لوگ بیس رکعت تو آٹھ رکعت پڑھنے والے آٹھ رکعت پر اکتفا کرلیں اور باقی حضرات بیس رکعت پوری کرلیں، اس طرح دونوں گروہوں کا اپنے نقطۂ نظر پر عمل ہوجائے گا، یوں تو امت کا اتحاد ہر حال میں ضروری ہے؛ لیکن موجودہ حالات میں اگر مسلمانوں نے ایک دوسرے کی رائے کا احترام اور اختلاف رائے کے باوجود اتحاد کا سبق نہیں سیکھا تو سخت نقصان اٹھائیں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں وقت کے تیور کو پہچاننے اور اختلاف رائے کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۳۹۳-۳۹۵)

تراویح کی رکعات:

سوال: تراویح آٹھ رکعت سنت ہے، یا بیس رکعت؟　　(محمد صلاح الدین، معین باغ)

الجواب

حدیث کی ایک اہم کتاب مصنف ابن ابی شیبہ ہے، اس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں بیس رکعت اور نماز وتر ادا فرمایا کرتے تھے، اس روایت میں گو کچھ کلام ہے؛ لیکن یہ بات صحیح سند سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح کا اہتمام ہوتا تھا، امام مالک یزید بن رومان سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ رمضان المبارک میں بیس رکعت پڑھا کرتے تھے، (۲) یعنی بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر کسی صحابی رضی اللہ عنھم نے نکیر نہیں فرمائی؛ بلکہ دوسرے خلفاء راشدین رضی اللہ عنھم کے عہد میں بھی اسی پر عمل رہا، (۳) حالانکہ اس زمانہ میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین موجود تھے، اس سے اس روایت کو تقویت پہونچتی ہے،

(۱) بداية المجتهد، كتاب الصلاة الثاني، الباب الخامس في قيام رمضان: ۱/۲۸۸، ط: دار المعرفة بيروت، انيس

(۲) المؤطا للإمام مالك، العمل في القراءة، رقم الحديث: ۲۵۴، باب ماجاء في قيام رمضان، ص: ۴۰، أشرفية ديوبند

(۳) عن أبي الحسناء أن علي بن أبي طالب رضي الله عنه أمر رجلاً ليصلي بالناس خمس ترويحات عشرين ركعة‘‘. (كنز العمال، رقم الحديث: ۲۳۴۷۴، باب صلاة التراويح)

جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیس رکعت تراویح پڑھنے کا ذکر ہے، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میرے طریقہ اور خلفاء راشدین کے طریقہ کو اختیار کرو۔

''**عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين**''.(۱)

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء راشدین کی اس متفقہ سنت سے اعراض نہ ہونا چاہیے، آٹھ رکعت کے بہ طور تراویح پڑھنے کا حدیث میں ذکر نہیں، ہاں نماز تہجد میں آٹھ رکعت کا معمول ثابت ہے،(۲) چنانچہ ائمہ اربعہ بیس رکعت تراویح پر متفق ہیں؛(۳) بلکہ علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے کہ اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔(۴)(کتاب الفتاویٰ:۴۰۹/۲-۴۱۰) ☆

تراویح کی بیس رکعت کا ثبوت:

سوال: تراویح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دو دفعہ مسجد میں آنا معلوم ہے اور آٹھ تراویح پڑھانا، آیا باقی تمام رمضان گھر میں گذارا تھا اور بیس کا ثبوت نبی علیہ السلام سے ہے، یا نہیں؟

الجواب

ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ صلوٰۃ تراویح بجز معدودے چند راتوں کے نہیں پڑھیں اور اس کی وجہ بھی بتلادی کہ یہ نماز اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، مجھے اس کا التزام کرنے میں اندیشہ ہے کہ یہ فرض نہ ہو جائے، پس

(۱) دیکھئے:سنن ابن ماجة المقدمه،رقم الحديث:٤٢ - ٤٣،باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، ص: ٥، مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(۲) عن أبي سلمة بن عبد الرحمن أنه أخبره:أنه سأل عائشة رضي الله تعالىٰ عنها كيف كانت صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان ؟ فقالت:ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد في رمضان و لافي غيره علىٰ إحدىٰ عشرة ركعة، يصلي أربعًا، فلا تسئل عن حسنهن وطولهن، ثم يصلي أربعًا،فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ،ثم يصلي ثلاثاً''.(صحيح البخاري، كتاب التهجد،رقم الحديث:١١٣٦،باب قيام النبي صلى الله عليه وسلم بالليل في رمضان و غيره:١٥٤/١)

(۳) دیکھئے:تقریر ترمذی،ازمولانا محمود حسن،ص:۲۴

(۴) بدائع الصنائع:٦٤٤/١

☆ تراویح کی بیس رکعتیں:

سوال: رمضان میں تراویح کیسے رکعات پڑھنی چاہیے؟

الجواب

بیس رکعت تراویح پڑھنی چاہیے۔(وهي عشرون ركعةً.(الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل:٦٦٠/١،ظفير)فقط(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۴۶/۴)

ہر شخص اپنے گھر میں پڑھ لیا کرے۔اس سے ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی گھر میں ضرور پڑھتے ہوں گے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صاف طور سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی راتوں میں بیس رکعات پڑھتے تھے۔(رواہ ابن أبی شیبة وسندہ حسن کما ذکرتہ فی الأعلاء)واللہ تعالیٰ اعلم

۵؍شوال ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام:۲؍۲۷۷)

تراویح ووتر کی رکعات وکیفیت:

سوال (الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعت تراویح پڑھائی اور امت کو کتنی رکعت پڑھنے کا حکم دیا؟

(ب) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کی کتنی رکعتیں پڑھیں اور ایک سلام کے ساتھ، یا دو سلام کے ساتھ؟

(احمد محی الدین ہاشمی، عثمانیہ یونیورسٹی)

الجواب ــــــــــــــــــــ

(الف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ کہیں نماز تراویح واجب نہ ہو جائے، صرف دو تین دنوں جماعت کے ساتھ تراویح کی نماز پڑھی ہے؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعت تراویح پڑھی؟ اس بارے میں کوئی صحیح روایت منقول نہیں؛ لیکن حضرت عمر رضی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے آج تک بیس رکعت کا معمول رہا ہے، یہ احادیث سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کسی ایسی بات پر متفق نہیں ہو سکتے، جو دین میں ثابت نہ ہو، اس سلسلہ میں مولانا حبیب الرحمان اعظمیؒ کی ''رکعات التراویح'' کا مطالعہ مفید ہوگا۔

(ب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تین رکعت نمازِ وتر پڑھنے کا تھا، بعض روایتوں میں پانچ، یا سات، یا ایک رکعت کا بھی ذکر ہے؛ لیکن ان کے بارے میں محقق علماء کا خیال ہے کہ اس حدیث کا منشأ وتر اور اس کے ساتھ دو رکعت یا چار رکعت نفل کی ادائیگی ہے اور ایک رکعت سے وتر پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ دو کے ساتھ ایک رکعت ملا کر اس سے طاق عدد بنایا جاتا تھا؛ کیوں کہ آپ کے ارشادات اور زیادہ تر معمولات میں تین ہی رکعت کا ذکر ہے۔

یہ تین رکعت ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھی جائے گی، حضرت ثابتؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں تعلیم دینے کے لئے تین رکعت وتر پڑھائی، اور صرف اخیر میں سلام پھیرا:

عن ثابت قال: صلّٰی بی أنس رضی اللّٰہ عنہ الوتر وأنا عن یمینہ وأم ولدہ خلفنا ثلاث رکعات لم یسلم إلا فی آخرھن ظننت أنہ یرید أن یعلمنی.{رواہ الطحاوی وإسنادہ صحیح}(۱)

(کتاب الفتاویٰ:۲؍۳۹۱-۳۹۲)

(۱) آثار السنن، أبواب صلاۃ الوتر، باب الوتر بثلاث رکعات: ۱۶۵، رقم الحدیث: ۶۲۰، مکتبۃ حقانیۃ دیوبند، انیس

بیس رکعت تراویح کا ثبوت:

سوال: حنفیہ وتر کے علاوہ تراویح کی بیس رکعت پڑھتے ہیں، حالاں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت صحیحہ مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زائد نہ پڑھتے تھے تو بیس رکعت کی دلیل کیا ہے؟

الجواب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نماز تہجد کے بارے میں ہے کہ رمضان اور غیر رمضان اس لحاظ سے مساوی تھے اور یہ گیارہ رکعت کی مقدار وتر کو ملا کر ہوتی تھی اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اس روایت کے راوی ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ وتر سے پہلے سو جاتے ہیں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اے عائشہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور قلب نہیں سوتا۔ (بخاری ومسلم)(۱)

اور اس وقت کا عرف عام یہ تھا کہ تراویح کو قیام رمضان سے تعبیر کیا جاتا تھا اور صحاح ستہ میں روایات صحیحہ مرفوعہ سے قیام رمضان کی تعداد کا تعین معلوم نہیں ہوتا، صرف یہ الفاظ ملتے ہیں:

قالت عائشة رضی اللّٰه عنها: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یجتهد فی العشر والأواخر ما لایجتهد فی غیره. (رواه مسلم)(۲)

لیکن مصنف ابن ابی شیبۃ اور سنن بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یصلی فی شهر رمضان فی غیر جماعة بعشرین رکعة والوتر. (۳)

وروی البیهقی فی سننه بإسناد صحیح عن السائب بن یزید قال: کانوا یقومون علٰی عهد عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه فی شهر رمضان بعشرین رکعة. (۴)(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۴۲-۲۴۳)

---

(۱) عن أبی سلمة بن عبد الرحمٰن أنه أخبره أنه سأل عائشة رضی اللّٰه عنه کیف کانت صلاة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی رمضان؟ فقالت: ما کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیره علٰی إحدٰی عشرة رکعةً یصلی أربعاً، فلا تسئل عن حسنهن وطولهن، ثم یصلی أربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلٰثاً، قالت عائشة: فقلت: یارسول اللّٰه! أ تنام قبل أن توتر؟ فقال: یا عائشة! "إن عینی تنامان ولاینام قلبی". (صحیح البخاری، باب قیام النبی صلی اللّٰه علیه وسلم باللیل فی رمضان وغیره: ۱/۱۵٤، رقم الحدیث: ۱۱۳٦، مکتبة أشرفیه دیوبند/ صحیح لمسلم، باب صلاة اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، رقم الحدیث: ۷۳۸، انیس)

(۲) کتاب الاعتکاف، باب الاجتهاد فی العشر والأواخر من شهر رمضان: ۱/۳۷۲، أشرفی بکڈپو دیوبند، انیس

(۳) سنن البیهقی الکبریٰ، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان: ۲/٤۹٦، رقم الحدیث: ٤۳۹۱، انیس

(۴) سنن البیهقی الکبریٰ، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان: ۲/٤۹٦، رقم الحدیث: ٤۳۹۳، انیس

بیس رکعت تراویح پر ائمہ اربعہ کا اتفاق:

سوال: زید وبکر کا جھگڑا یہ ہے کہ زید کہتا ہے کہ تراویح کی نماز صرف آٹھ رکعت ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہ تو بیس رکعتیں پڑھیں اور نہ پڑھنے کا حکم کیا۔شرع سے ثبوت دینے پر میں بھی بیس رکعت پڑھوں گا، اب آپ کی خدمت میں بکر کی عرض یہ ہے کہ مذکور سوال کا جواب شرع سے دیں، کوئی حدیث تحریر فرمائیں تو کتاب کا نام اور صفحہ بھی درج فرمائیں؟

(المستفتی: ۲۱۷۱، عبدالرحمٰن صاحب، گاندھولہ ضلع گنٹور مدراس، ۲/ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ، ۵/جنوری ۱۹۳۸ء)

الجواب

تراویح کی بیس رکعتیں ہیں، بیس سے کم کا چاروں اماموں میں سے کوئی قائل نہیں، بیس سے زیادہ کے امام مالک اور امام شافعی قائل ہیں۔(۱)

آٹھ رکعت والی روایت نماز تہجد کے متعلق ہے اور نماز تہجد تراویح سے جدا ہے۔ موطا امام مالکؒ میں یہ روایت ہے:

عن يزيد بن رومان أنه قال: كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب في رمضان بثلٰث وعشرين ركعة. (۲)

یعنی یزید بن رومان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تیئس رکعتیں پڑھتے تھے، (یعنی بیس تراویح اور تین وتر)۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۳/۴۰۶-۴۰۷)

تراویح کی بیس رکعت ہونے کے دلائل:

سوال: رمضان کی بیس تراویح کی اصل حدیث سے تحریر فرمائیں اور ایک حدیث سے نہیں؛ بلکہ کئی ایک حدیثیں تحریر فرماویں؟ کیوں کہ اس جگہ پر آٹھ تراویح پڑھی جاتی ہیں، ان کو بیس تراویح کا ثبوت اور یقین دلانا بھی ضروری ہے اور اس کے اندر اور بات خیال نہ فرماویں۔

الجواب

عن يزيد بن حفيفة عن السائب بن يزيد رضي اللّٰه عنه قال: كانوا يقومون علٰى عهد عمر بن

(۱) وهي عشرون ركعة، إلخ. (تنوير الأبصار) قال الشامي: "وهو قول الجمهور، وعليه عمل الناس شرقًا وغربًا. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مبحث صلاة التراويح: ۴۹۵/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) موطا الإمام مالک العمل في القراء ة، باب ماجاء في قيام رمضان، ص: ۴۰، أشرفي بكڈپو ديوبند، انيس

الخطاب رضی اللّٰہ عنه فی شهر رمضان بعشرین رکعة.(رواه البیهقی وإسناده صحیح)(۱)

وعن یزید بن رومان أنه قال: کان الناس یقومون فی زمان عمربن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة.(رواه مالک وإسناده مرسل قوی)

وعن عبدالعزیزبن رفیع قال: کان أبی بن کعب رضی اللّٰہ عنه یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة ویوتربثلاث.(أخرجه أبوبکر بن أبی شیبة فی مصنفه وإسناده مرسل قوی)(۲)

ان سب احادیث سے تراویح کی بیس رکعات کا ثبوت ظاہر ہے اور آثار السنن میں ان کے علاوہ اور بھی بہت احادیث مذکور ہیں اور اگر ان احادیث میں حضور کا عمل مذکور نہیں؛ بلکہ صحابہ کا عمل مذکور ہے؛ مگر ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ اپنے عمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے متبع تھے، پس ان کا ایسا عمل جس پر بعد میں سب نے اتفاق کرلیا ہو، یقیناً حجت ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کے پاس اس عمل کی کوئی دلیل ضرور موجود تھی۔

قال ابن قدامة فی المغنی: ولنا أن عمررضی اللّٰہ عنه لما جمع الناس علی أبی ابن کعب کان یصلی لهم عشرین رکعة...وعن علیٰ أنه أمر رجلاً یصلی بهم فی رمضان عشرین رکعة وهٰذا کالإجماع إلیٰ أن قال: ما فعله عمر وأجمع علیه الصحابة فی عصره أولیٰ بالإتباع، آه.(۸۰۳/۱)(۳)

پس ان آثار موقوفہ سے اس حدیث مرفوع کی تقویت ہوگئی، جس کو ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہے:

حدثنا یزیدبن هارون قال: أخبرنا إبراهیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما أنّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر، آه، وإبراهیم بن عثمان جدّ الإمام أبی بکر بن شیبة وهوضعیف.(۴)

اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی بہ نفسِ نفیس بیس رکعت پڑھنا معلوم ہوا؛ مگر اس میں صرف ایک راوی ضعیف ہے، جس کا ضعف آثار قویہّ مذکورۂ سابقہ سے منجبر ہوگیا۔ واللہ اعلم

۲۲ ر رمضان شریف ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۲/ ۲۵۰-۲۵۱)

تراویح کی رکعتوں میں اختلاف کا فیصلہ:

سوال: فریق اول کہتا ہے کہ نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت تھی جیسا کہ

---

(۱) رقم الحدیث: ۷۷۹، انیس

(۲) آثار السنن، أبواب قیام شهر رمضان، باب فی التراویح بعشرین رکعات، ص: ۲۰۱-۲۰۳، مکتبة حقانیة ملتان، انیس

(۳) المغنی فی فقه الإمام احمد بن حنبل، مسألة وفصول: حکم صلاة التراویح: ۸۳۳/۱، انیس

(۴) التعلیق الحسن علیٰ آثار السنن، باب فی التراویح بعشرین رکعات، ص: ۲۰۴، مکتبة حقانیة ملتان، انیس

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے، تراویح وغیرہ سب اس میں داخل ہے۔فریق ثانی کہتا ہے کہ تراویح علاحدہ نماز ہے وتر وتہجد نہیں؛اس لیے بیس رکعت پڑھنا چاہیے،اس میں حق بات کیا ہے؟

الجواب

گیارہ رکعت جوحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آئی ہے،وہ تہجد اور وتر کی نماز ہے،جیسا غیر رمضان کا لفظ اس کا قرینہ صاف موجود ہے؛ کیوں کہ غیر رمضان میں تراویح نہیں ہوتی ،تراویح بیس رکعت ہیں اوراجماع صحابہ اس پر ہے۔

قال في رد المحتار :(قوله:عشرون ركعةً)هوقول الجمهوروعليه عمل الناس شرقاً وغرباً.(۱)

موطأ امام مالکؒ میں یہ حدیث موجود ہے:

حدثنا مالک عن يزيد بن رومان أنه قال: كان الناس يقومون في زمان عمربن الخطاب في رمضان بثلٰث وعشرين ركعةً.(۲)

(قوله بثلٰث وعشرين ركعةً)قال البيهقي: والثلٰث هو الوتر ولا ينافيه الرواية السابقة فإنه وقع أولاً ثم استقر الأمر على العشرين، فروى البيهقي بإسناد صحيح أنهم يقومون في عهد عمر بعشرين ركعةً وفي عهد عثمان وعلي مثله. (۳)فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۹۱/۴-۲۹۲)

کوئی بیس رکعت تراویح تسلیم کرےاور پھر کبھی تیرہ،یااکتالیس پڑھ لےتو گناہ گار ہوگا،یانہیں:

سوال: اگر کوئی شخص بیس رکعات تراویح کے سنت ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے کبھی گیارہ، تیرہ، اکتالیس رکعتیں پڑھ ڈالےتو کیا گناہ گار ہوگا؟ نیز کیا اعداد مذکورہ احادیث میں آئی ہے؟

الجواب

تراویح بیس رکعت سنت مؤکدہ ہیں،اس کا خلاف کرنے والا حنفیہ کے نزدیک تارک سنت ہے،(۴)اورسنت کے

---

(۱) رد المحتار،باب الوتروالنوافل،مبحث صلاة التراويح:۴۹۵/۲-۴۹۶،مكتبة زكريا ديوبند،انيس

(۲) مؤطا إمام مالک العمل في القراءة ما جاء في قيام رمضان،ص:۴۰،أشرفية ديوبند،انيس

(۳) غنية المستملي،ص:۳۸۸ (سنن البيهقي الكبرىٰ،باب ماروي في عدد ركعات القيام في شهر رمضان:۴۹۶/۲، رقم الحديث:۴۳۹۳،انيس)

(۴) وهي عشرون ركعةً بعشرتسليمات.(الدرالمختار،باب الوتر والنوافل:۹۸/۱،مكتبة زكريا ديوبند،انيس) وهوقول الجمهوروعليه عمل الناس شرقاً وغرباً.(رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل،مبحث صلاة التراويح:۶۶۰/۱،ظفير)

خلاف کرنا برا ہے۔(۱) اور اعداد مذکورہ حدیث میں آئے ہیں، مگر حنفیہ کے نزدیک تمام احادیث پر پوری بصیرت کے ساتھ غور کرنے کے بعد یہی بیس راجح ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تحریک سے اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۹۶/۴-۲۹۷)

تراویح کی رکعات کو کم نہ کرنا:

سوال: اگر کوچ (سفر) آٹھ نو بجے رات کو شروع کریں تو تراویح تعداد میں کم پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟ اور کہاں تک کمی ہوسکتی ہے؟

الجواب

جب سواری پر جائز ہے پھر کم کرنے کی ضرورت نہیں، جس قدر کوچ سے پہلے پڑھ سکیں، اس کا بقیہ سواری پر پڑھ لیں۔ فقط

۱۵/شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد:۳۸/۱) (امدادالفتاویٰ جدید:۴۷۰/۱-۴۷۱)

عذر کی حالت میں تراویح کی رکعات کو مختصر پڑھنا:

سوال: اگر کوئی شخص بسبب شکایت ضعف جسمانی، یا دیگر امراض تراویح کی بیس رکعتیں نہ پڑھ سکے اور صرف ۸/ یا ۱۲/ پڑھ لے تو گنہ گار تو نہ ہوگا؟

الجواب

بیس کو سنت مؤکدہ لکھا ہے، اس سے کم کا پڑھنے والا سنت مؤکدہ کا تارک ہوگا، پس جو عذر ترک سنت مؤکدہ کے لیے معتبر ہے، وہ اس میں بھی معتبر ہوگا ورنہ اگر کھڑے ہوکر دشوار ہو تو بقدر دشواری کے بیٹھ کر پڑھ لے۔

۸/رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ،ص:۴۷) (امدادالفتاویٰ جدید:۴۹۵/۱)

جو نماز تراویح کی آٹھ (۸) رکعت پڑھے:

سوال: آٹھ رکعت تراویح پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟ جیسا کہ بعض آدمی پڑھتے ہیں۔

الجواب

جو لوگ آٹھ رکعت پڑھتے ہیں، وہ تارک فضیلت سنت ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ،ص:۳۲۴)

(۱) ترک السنة لایوجب فسادًا ولاسهوًا بل إساءةً لو عامدًا.(الدر المختار)

وتارکها یستوجب إساءةً أی التضلیل واللوم.(ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة،مطلب:فی قولهم الإساءة دون الکراهة:۱۷۰/۲،مکتبة زکریا دیوبند،انیس

غیر مقلد کے پیچھے حنفی اگر تراویح پڑھیں تو بقیہ رکعات کب پوری کریں، وتر کے پہلے، یا بعد:

سوال: اگر امام غیر مقلد ہو اور تراویح بیس رکعت کی بجائے آٹھ رکعت پڑھائے تو حنفیہ کو کس طرح سے بقیہ تراویح پوری کرنی چاہیے، آیا وتر امام کے ساتھ پڑھ کر تراویح بقیہ پوری کریں، یا وتر چھوڑ کر تراویح پوری کرنے کے بعد وتر پڑھیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

بقیہ تراویح بعد وتر کے پڑھ سکتے ہیں اور ایسا بھی کر سکتے ہیں کہ وتر امام کے ساتھ نہ پڑھیں بعد پورا کرنے تراویح کے پڑھیں۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۷۴)

بیس رکعت تراویح کے عین سنت ہونے کی شافی علمی بحث:

سوال: ہمارے ایک دوست کہتے ہیں کہ تراویح کی آٹھ رکعتیں ہی سنت ہیں؛ کیوں کہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب دریافت کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیسی ہوتی تھی؟ تو انہوں نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں آٹھ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت تراویح اور وتر پڑھائے۔

اس کے خلاف جو روایت بیس رکعت پڑھنے کی نقل کی جاتی ہے، وہ بالاتفاق ضعیف ہے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی گیارہ رکعت ہی کا حکم دیا تھا، جیسا کہ مؤطا امام مالک میں سائب بن یزید سے مروی ہے اور اس کے خلاف بیس کی جو روایت ہے، اول تو صحیح نہیں اور اگر صحیح بھی ہو تو ہوسکتا ہے کہ پہلے انہوں نے بیس پڑھنے کا حکم دیا ہو، پھر جب معلوم ہوا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت پڑھیں تو سنت کے مطابق آٹھ پڑھنے کا حکم دے دیا ہو، بہر حال آٹھ رکعت تراویح ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت ہے، جو لوگ بیس رکعت پڑھتے ہیں، وہ خلاف سنت کرتے ہیں، آپ فرمائیں کہ ہمارے دوست کی یہ بات کہاں تک درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

آپ کے دوست نے اپنے موقف کی وضاحت کر دی ہے، میں اپنے موقف کی وضاحت کئے دیتا ہوں، ان میں کون سا موقف صحیح ہے؟ اس کا فیصلہ خود کیجئے، اس تحریر کو چار حصوں پر تقسیم کرتا ہوں۔

---

(۱) والأصح أن وقتها بعد العشاء إلٰی آخر اللیل قبل الوتر وبعده؛ لأنها نوافل سنت بعد العشاء.(الهداية، كتاب الصلاة، باب النوافل، فصل قيام رمضان: ۱۳۱/۱، ط: رشيدية ديوبند، ظفير)

(۱)　تراویح عہد نبوی میں۔
(۲)　تراویح عہد فاروقی میں۔
(۳)　تراویح صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین کے دور میں۔
(۴)　تراویح ائمہ اربعہؒ کے نزدیک۔

تراویح عهد نبوی میں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں قیام رمضان کی ترغیب دی ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے:

"کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یرغب فی قیام رمضان من غیر أن یأمرهم فیه بعزیمة فیقول:من قام رمضان إیمانا واحتسابا غفرله ما تقدم من ذنبه ، فتوفی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم والأمر علٰی ذلک،ثم کان الأمر علٰی ذلک فی خلافة أبی بکر وصدرا من خلافة عمر". (جامع الأصول: ۹/۴۳۹، بروایت بخاری ومسلم،ابوداؤد،ترمذی،نسائی،موطأ)(۱)

(ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان کی ترغیب دیتے تھے،بغیر اس کے کہ قطعیت کے ساتھ حکم دیں، چناں چہ فرماتے تھے کہ جس نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت رکھتے ہوئے رمضان میں قیام کیا،اس کے گزشتہ گناہ معاف ہوگئے، چناں چہ یہ معاملہ اسی حالت پر رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی یہی صورت حال رہی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع میں بھی۔)

ایک اور حدیث میں ہے:

وفی أخرٰی قال:إن اللّٰہ فرض صیام رمضان وسنت لکم قیامه،فمن صامه وقامه إیمانًا واحتسابًا خرج من ذنوبه کیوم ولدته أمه". (جامع الأصول: ۹/۴۴۱، بروایت نسائی)(۲)

(ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر رمضان کا روزہ فرض کیا ہے اور میں نے تمہارے لیے اس کے قیام کو سنت قرار دیا ہے، پس جس نے ایمان کے جذبہ سے اور ثواب کی نیت سے اس کا صیام وقیام کیا، وہ اپنے گناہوں سے ایسا نکل جائے گا،جیسا کہ جس دن اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا بھی متعدد احادیث سے ثابت ہے،مثلا:

(۱)　حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا جس میں تین رات میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے،پہلی رات میں تہائی رات

---

(۱)　الکتاب الأول:فی الفضائل والمناقب،الفرع الثامن:فی قیام رمضان،رقم الحدیث: ۷۱۲۰،انیس
(۲)　الکتاب الأول:فی الفضائل والمناقب ،الفرع الثامن:فی قیام رمضان،انیس

تک، دوسری رات میں آدھی رات تک، تیسری رات میں سحر تک۔(صحیح بخاری:۱/۲۶۹)(۱)

(۲)　حدیث ابی ذر رضی اللہ عنہ، جس میں ۲۳ویں رات میں تہائی رات تک، ۲۵ویں میں آدھی رات تک اور ۲۷ویں شب میں اول فجر تک قیام کا ذکر ہے۔(جامع الاصول:۶/۱۲۰، بروایت ترمذی، ابوداؤد، نسائی)(۲)

(۳)　حدیث نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، اس کا مضمون بعینہ حدیث ابی ذر رضی اللہ عنہ کا ہے۔(نسائی:۱/۲۳۸)(۳)

(۴)　حدیث زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، اس میں صرف ایک رات کا ذکر ہے۔(جامع الاصول:۶/۱۱۸، بروایت بخاری ومسلم، ابوداؤد، نسائی)(۴)

(۵)　حدیث انس رضی اللہ عنہ، اس میں بھی صرف ایک رات کا ذکر ہے۔(صحیح مسلم:۱/۳۵۲)(۵)

---

(۱)　أن عائشة أخبرته أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم خرج ليلة من جوف الليل فصلّٰى في المسجد وصلّٰى رجال بصلاته فأصبح الناس فتحدثوا فاجتمع أكثر منهم فصلّٰى فصلوا معه فأصبح الناس فتحدثوا فكثر أهل المسجد من الليلة الثالثة فخرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم فصلّٰى فصلوا بصلا ته فلما كانت الليلة الرابعة عجز المسجد عن أهله حتّٰى خرج لصلوة الصبح فلما قضى الفجر أقبل على الناس فتشهد ثم قال:أما بعد! فإنه لم يخف علّٰى مكا نكم ولٰكني خشيت أن تفترض عليكم فتعجزوا عنها،فتوفي رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم والأمر علٰى ذلك.(صحيح البخاري: ١/٢٦٩)(كتاب الصوم،كتاب صلاة التراويح،باب فضل من قام رمضان: ١/٢٦٩،رقم الحديث: ١٩٦٧، مكتبة أشرفية ديوبند،انيس)

(۲)　أبو ذر الغفار رضى اللّٰه عنه قال:صمنا مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رمضان،فلم يقم بنا حتّٰى بقى سبع من الشهر،فقام بنا حتّٰى ذهب ثلث الليل،ثم لم يقم بنا في السادسة،وقام بنا في الخامسة حتّٰى ذهب شطر الليل...ثم لم يقم بنا حتّٰى بقي ثلاث ليال من الشهر،فصلّٰى بنا في الثالثة.ودعا أهله ونسائه،فقام بنا حتّٰى تخوفنا الفلاح،قلت:وما الفلاح؟قال:السحور.(جامع الأصول،الكتاب الأول:في الصلاة،الفصل الخامس:في قيام شهر رمضان:٦/١٢٠-١٢١، رقم الحديث:٤٢٢٠، طبع دار البيان بيروت)

(۳)　أبو طلحة قال:سمعت نعمان بن بشير علٰى منبر حمص يقول:قمنا مع رسول اللّٰه صلّٰى عليه و سلم في شهر رمضان ليلة ثلاث وعشرين إلٰى ثلث الليل الأول،ثم قمنا معه ليلة خمس وعشرين إلٰى نصف اليل،ثم قمنا معه ليلة سبع وعشرين حتّٰى ظننا أن لا ندرك الفلاح وكانوا يسمونه السحور.(سنن النسائي،كتاب قيام الليل وتطوع النهار،باب قيام شهر رمضان:١/١٨٢-١٨٣،أشرفي بكڈپو ديوبند، انيس)

(۴)　زيد بن ثابت رضى اللّٰه عنه قال...وقال عبد الأعلٰى:في رمضان فخرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يصلي فيها،قال:فتتبع إليه رجال،وجاؤوا يصلون بصلا ته،قال:ثم جاؤوا ليلة، فحضروا.(جامع الأصول،للكتاب الأول:في الصلاة الفصل الخامس:في قيام شهر رمضان:٦/١١٨،رقم الحديث:٤٢١٨،انيس)

(۵)　عن أنس قال:كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يصلي في رمضان فجئت فقمت إلٰى جنبه وجاء رجل فقام أيضا حتّٰى كنا رهطا فلما حس النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنا خلفه جعل يتجوز في الصلاة ثم دخل رحله فصلّٰى صلاة لا يصليها عندنا.(الصحيح لمسلم،كتاب الصيام،باب النهي عن الوصال:١/٣٥٢،طبع:قديمي كتب خانه)

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جماعت پر مداومت نہیں فرمائی اور اس اندیشے کا اظہار فرمایا کہ کہیں تم پر فرض نہ ہوجائے اور اپنے طور پر گھروں میں پڑھنے کا حکم فرمایا۔ (حدیث زید بن ثابتؓ وغیرہ)(۱)

رمضان المبارک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مجاہدہ بہت بڑھ جاتا تھا، خصوصاً عشرۂ اخیرہ میں تو پوری رات کا قیام معمول تھا، ایک ضعیف روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں اضافہ ہوجاتا تھا۔ (فیض القدیر شرح جامع الصغیر: ۱۳۲/۵، وفیه عبد الباقی بن قانع، قال الذهبی: قال الدارقطنی: یخطئ كثیرًا)(۲)

تاہم کسی صحیح روایت میں یہ نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں جو تراویح کی جماعت کرائی، اس میں کتنی رکعات پڑھائیں؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ صرف ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعات اور وتر پڑھائے۔ (موارد الظمآن: ص ۲۲۶، قیام اللیل مروزی: ص ۱۵۷، مکتبہ سبحانیہ، مجمع الزوائد: ۱۷۲/۳ بروایت طبرانی وابویعلی)(۳)

مگر اس روایت میں عیسی بن جاریہ متفرد ہے، جو اہل حدیث کے نزدیک ضعیف اور مجروح ہے، جرح وتعدیل کے امام یحی بن معینؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: ”لیس بذاک“ یعنی وہ قوی نہیں، نیز فرماتے ہیں: ”عندہ مناکیر“ یعنی اس کے پاس متعدد منکر روایتیں ہیں، امام ابوداؤد امام نسائی نے اسے ”منکر الحدیث“ کہا ہے، امام نسائی نے اس کو متروک بھی بتایا ہے، ساجی وعقیلی نے اسے ضعفاء میں ذکر کیا ہے، ابن عدی کہتے ہیں کہ: ”اس کی حدیثیں محفوظ نہیں“۔ (تہذیب التہذیب: ۱۴۸/۸، میزان الاعتدال: ۳۱۱/۳)(۴)

خلاصہ یہ کہ یہ راوی اس روایت میں متفرد بھی ہے اور ضعیف بھی؛ اس لیے یہ روایت منکر ہے اور پھر اس روایت میں صرف ایک رات کا واقعہ مذکور ہے، جب کہ یہ بھی احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آٹھ رکعتوں سے

---

(۱) زید بن ثابت رضی اللّٰه عنه قال ... فخرج إلیهم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مغضبا، فقال لهم: ما زال بكم صنیعكم حتی ظننت أنه سیكتب علیكم، فعلیكم بالصلاة فی بیوتكم، (جامع الأصول، الكتاب الأول، فی الصلاة الفصل الخامس فی قیام شهر رمضان : ۱۱۸/۶، رقم الحدیث: ۴۲۱۸، طبع: دار البیان، انیس)

(۲) كان إذا دخل رمضان تغیر لونه، وكثرت صلاته، وابتهل فی الدعاء، وأشفق لونه. (فیض القدیر، شرح جامع الصغیر، باب كان وهی الشمائل الشریفة: ۱۳۲/۵، رقم الحدیث: ۲۶۸۱، طبع بیروت، انیس)

(۳) عن جابر بن عبد اللّٰه قال: صلی بنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی شهر رمضان ثمانی ركعات وأوتر. (موارد الظمآن للهیثمی: ۲۳۰/۱، طبع بیروت، انیس)

(۴) عیسی بن جاریة الأنصاری المدنی... قال ابن أبی خیثمة عن ابن معین لیس بذلك ... و قال الدوری عن ابن معین عنده مناكیر... وقال الآجری عن أبی داؤد: منكر الحدیث... وذكره الساجی والعقیلی فی الضعفاء وقال ابن عدی: أحادیثه غیر محفوظة. (تهذیب التهذیب لإبن حجر: ۱۴۸/۸، رقم الحدیث: ۳۸۳، انیس)

پہلے، یا بعد میں تنہا بھی کچھ رکعتیں پڑھی ہوں، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں مذکور ہے۔ (مجمع الزوائد: ۳/۳۰۴، بروایت طبرانی، وقال: رجاله ورجال الصحيح)(۱)

دوسری روایت مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۳۹۴، نیز سنن کبریٰ بیہقی: ۲/۴۹۶، مجمع الزوائد: ۳/۱۷۲) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعتیں اور وتر پڑھا کرتے تھے''؛ مگر اس کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان راوی کمزور ہے؛ اس لیے یہ روایت سند کے لحاظ سے صحیح نہیں؛ (۲) مگر جیسا کہ آگے معلوم ہوگا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں امت کا تعامل اسی کے مطابق ہوا۔

تیسری حدیث ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہے، جس کا سوال میں حوالہ دیا گیا ہے؛ مگر اس میں تراویح کا ذکر نہیں؛ بلکہ اس نماز کا ذکر ہے، جو رمضان اور غیر رمضان میں ہمیشہ پڑھی جاتی ہے؛ (۳) اس لیے رکعات تراویح کے تعین میں اس سے بھی مدد نہیں ملتی۔

چناں چہ علامہ شوکانیؒ نیل الاوطار میں لکھتے ہیں:

"والحاصل: أن الذى دلت عليه أحاديث الباب وما يشابهها هو مشروعية القيام فى رمضان والصلاة فيه جماعة وفرادىٰ فقصر الصلاة المسماة بالتراويح علىٰ عدد معين وتخصيصها بقراءة مخصوصة لم يرد به سنة". (نيل الأوطار من أحاديث سيد الأخبار، كتاب الصلاة، باب صلاة التراويح: ۳/٦٤)

(ترجمہ: حاصل یہ کہ اس باب کی حدیثیں اور ان کے مشابہ حدیثیں جس بات پر دلالت کرتی ہیں، وہ یہ ہے کہ رمضان میں قیام کرنا اور باجماعت یا اکیلے نماز پڑھنا مشروع ہے، پس تراویح کو کسی خاص عدد میں منحصر کر دینا، اور اس میں خاص مقدار قرأت مقرر کرنا ایسی بات ہے جو سنت میں وارد نہیں ہوئی۔)

---

(۱) **عن أنس رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم كا يصلى بالليل فى رمضان، فجاء قوم وصلىٰ، وكان يخفف، ثم يدخل بيته فيصلى، ثم يخرج فيخفف.** (مجمع الزوائد، كتاب الصيام، : ۳/٤٠٣، باب قيام رمضان، رقم الحديث: ٥٠٢١، طبع دار المعرفة بيروت، انيس)

(۲) **عن ابن عباس قال: كان النبى صلى الله عليه وسلم يصلى فى شهر رمضان فى غير جماعة بعشرين ركعة والوتر، تفرد به أبو شيبة إبراهيم بن عثمان العبسى الكوفى وهو ضعيف** (السنن الكبرىٰ للبيهقى، كتاب الصلاة، واللفظ له : ۲/٤٩٦، رقم الحديث: ٤٧٩٩، باب ماروى فى عدد ركعات القيام فى شهر رمضان، أيضا: مصنف ابن أبى شيبة: ۲/۳۹٤، مجمع الزوائد: ۳/۳۰٤)

(۳) **عن أبى سلمة بن عبد الرحمن أنه سأل عائشة كيف كانت صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فى رمضان؟ فقالت: ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد فى رمضان ولا فى غيره علىٰ إحدىٰ عشرة ركعة يصلى أربعًا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن، ثم يصلى أربعًا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن، ثم يصلى ثلاثًا، إلخ.** (صحيح البخارى، كتاب التهجد، باب قيام النبى صلى الله عليه وسلم بالليل فى رمضان وغيره: ۱/١٥٤، رقم الحديث: ١١٣٦، أشرفى بكڈپو ديوبند، انيس)

تراویح عہد فاروقی میں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تراویح کی با قاعدہ جماعت کا اہتمام نہیں تھا، بلکہ لوگ تنہا یا چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں پڑھا کرتے تھے، سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک امام پر جمع کیا۔ (صحیح بخاری: ۲۶۹/۱، باب فضل من قام رمضان) (۱)

اور یہ خلافت فاروقی کے دوسرے سال یعنی ۱۴ھ کا واقعہ ہے۔ (تاریخ الخلفاء: ۱۲۱، تاریخ ابن اثیر: ۱۸۹/۱) (۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں کتنی رکعتیں پڑھی جاتی تھیں؟ اس کا ذکر حضرت سائب بن یزید صحابی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، حضرت سائب رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو تین شاگرد نقل کرتے ہیں: (۱) حارث بن عبد الرحمٰن بن ابی ذباب، (۲) یزید بن حصیفہ، (۳) محمد بن یوسف، ان تینوں کی روایت کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱)　حارث بن عبد الرحمٰن رحمہ اللہ کی روایت علامہ عینیؒ نے شرح بخاری میں حافظ ابن عبد البرؒ کے حوالے سے نقل کی ہے:

"وقال ابن عبد البر: وروى الحارث بن عبد الرحمن بن أبي ذباب عن السائب بن يزيد قال: كان القيام علىٰ عهد عمر بثلاث وعشرين ركعة. قال ابن عبد البر: هٰذا محمول علىٰ أن الثلاث للوتر". (عمدة القاري: ۱۲۷/۱۱) (۳)

(ترجمہ: ابن عبد البر کہتے ہیں کہ حارث بن عبد الرحمٰن ابی ذباب نے حضرت سائب بن یزید سے روایت کی ہے کہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ۲۳ رکعتیں پڑھی جاتی تھیں، ابن عبد البر کہتے ہیں کہ: ان میں بیس تراویح کی اور تین رکعتیں وتر کی ہوتی تھیں۔)

(۲)　حضرت سائب کے دوسرے راوی یزید بن خصیفہ کے تین شاگرد ہیں: ابن ابی ذئب، محمد بن جعفر اور امام مالک اور یہ تینوں بالاتفاق بیس رکعتیں روایت کرتے ہیں۔

(الف)　ابن ابی ذئب کی روایت امام بیہقی کی سنن کبریٰ میں درج ذیل سند کے ساتھ مروی ہے:

---

(۱)　عن عبد الرحمن بن عبدن القاري أنه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب ليلة في رمضان إلى المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون يصلي الرجل لنفسه ويصلي الرجل فيصلي بصلاته الرهط، فقال عمر: إني أرىٰ لو جمعت هولاء علىٰ قارئ واحد لكان أمثل، ثم عزم فجمعهم على ابى بن كعب. (صحيح البخاري، كتاب الصوم، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان: ۲٦۹/۱، رقم الحديث: ۱۹٦٦، أشرفي بكڈپو، انيس)

(۲)　ففي سنة أربع عشرة ... وفيها جمع عمر الناس علىٰ صلاة التراويح. (تاريخ الخلفاء لعبد الرحمن السيوطي، فصل في صفته رضي الله عنه خلافته والأحداث التي جبرت في عهده: ۱۱۹/۱، انيس)

(۳)　عمدة القاري شرح صحيح البخاري، كتاب التراويح، باب فضل من قام رمضان: ۱۵۷/۱۷، انيس

"قد أخبرنا أبوعبد اللّٰہ الحسین بن محمد بن الحسین بن فنجویه الدینوری بالدامغان،حدثنا أحمد بن محمد بن إسحاق السنی،أخبرنا عبد اللّٰہ محمد بن عبد العزیز البغوی،حدثنا علی بن الجعد أخبرنا ابن أبی ذئب عن یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید قال: کانوا یقومون علیٰ عهد عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه فی شهر رمضان بعشرین رکعة،قال: وکانوا یقرؤون بالمئین وکانوا یتوکؤن علیٰ عصیهم فی عهد عثمان بن عفان رضی اللّٰہ عنه من شدة القیام". (السنن الکبریٰ: ۲/٤٩٦)(۱)

(یعنی ابن ابی ذئب، یزید بن خصیلہ سے اور وہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں رمضان میں لوگ بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں شدت قیام کی وجہ سے اپنی لاٹھیوں پر ٹیک لگاتے تھے۔)

اس کی سند کو امام نووی، امام عراقی اور حافظ سیوطی نے صحیح کہا ہے۔ (آثار السنن: ۲۵۱ طبع مکتبہ امدادیہ ملتان، تحفۃ الأحوذی: ۲/۷۵)

(ب)　محمد بن جعفر رحمہ اللہ کی روایت امام بیہقیؒ کی دوسری کتاب معرفۃ السنن والآثار میں حسب ذیل سند سے مروی ہے:

"أخبرنا أبوطاهر الفقیه،ثنا أبوعثمان البصری،ثنا أبو أحمد محمد بن عبد الوهاب،ثنا خالد بن مخلد،ثنا محمد بن جعفر حدثنی یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید قال: کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب بعشرین رکعة والوتر". (نصب الرأیة: ۲/۱۵۴)(۲)

(یعنی محمد بن جعفر، یزید بن خصیفہ سے اور وہ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس رکعات اور وتر پڑھا کرتے تھے۔)

اس کی سند کو امام نووی نے خلاصہ میں، علامہ سبکی نے شرح منہاج میں اور علامہ علی قاری نے شرح مؤطا میں صحیح کہا ہے۔ (آثار السنن: ۲/۵۴، تحفۃ الاحوذی: ۲/۷۵)(۳)

---

(۱)　السنن الکبریٰ للبیهقی،کتاب الصلاة،باب ماروی فی عدد رکعات القیام: ۲/٤٩٦،رقم الحدیث: ٤٨٠١،انیس

(۲)　نصب الرایة،کتاب الصلاة،فضل فی قیام شهر رمضان: ۲/۱۵۱، دار الکتب العلمیة بیروت،انیس

(۳)　عن یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید رضی اللّٰہ عنه قال کانوا یقومون علیٰ عهد عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنه فی شهر رمضان بعشرین رکعة. (آثار السنن،کتاب الصلاة،أبواب قیام شهر رمضان،باب فی التراویح بعشرین رکعات،ص: ۲۰۱،رقم الحدیث: ۷۷۸،حقانیة ملتان،انیس)

واستدل لهم أیضًا بما روی البیهقی فی سننه عن السائب بن یزید قال: کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب بعشرین رکعة والوتر وصحح إسناده السبکی فی شرح المنهاج وعلی القارئ فی شرح المؤطا. (تحفة الأحوذی للمبارکفوری،أبواب الصوم،باب ماجاء فی قیام شهر رمضان: ۳/۲۰۳،و اللفظ لتحفة،شاملة،انیس)

(ج) یزید بن خصیفہؒ سے امام مالک رحمہ اللہ کی روایت حافظؒ نے فتح الباری میں اور علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں ذکر کی ہے، حافظؒ لکھتے ہیں:

''وروی مالک من طریق یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید عشرین رکعة''. (فتح الباری:۲۵۳/۴، طبع لاہور)(۱)

(ترجمہ: اور امام مالک نے یزید بن خصیفہ کے طریق سے حضرت سائب بن یزید سے بیس رکعتیں نقل کی ہیں۔)

اور علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں:

''وفی المؤطا من طریق یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید أنها عشرون رکعة''. (نیل الاوطار، ۳:۵۳/۵، مطبعہ عثمانیہ مصر ۱۳۵۷ھ)

''مالک عن یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید'' کی سند بعینہ صحیح بخاری:۳۱۲/۱ پر موجود ہے؛ لیکن یہ روایت مجھے مؤطا کے موجودہ نسخے میں نہیں ملی، ممکن ہے کہ مؤطا کے کسی نسخے میں حافظ کی نظر سے گزری ہو، یا غیر مؤطا میں ہو اور علامہ شوکانی کا ''وفی المؤطا'' کہنا سہو کی بنا پر ہو فلیفتش.

(۳) حضرت سائب رضی اللہ عنہ کے تیسرے شاگرد محمد بن یوسف کی روایت میں ان کے شاگردوں کے درمیان اختلاف ہوا ہے، چناں چہ:

(الف) امام مالک وغیرہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ نے حضرت ابی اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو گیارہ رکعتیں پڑھانے کا حکم دیا تھا، جیسا کہ مؤطا امام مالک میں ہے۔ (موطأ امام مالک:۹۸، مطبوعہ نور محمد کراچی)(۲)

(ب) ابن اسحاق ان سے تیرہ (رکعت) کی روایت نقل کرے ہیں۔ (فتح الباری:۲۵۴/۴)(۳)

(ج) اور داؤد بن قیس اور دیگر حضرات ان سے اکیس رکعتیں نقل کرتے ہیں۔ (مصنف عبد الرزاق:۲۶۰/۴)(۴)

---

(۱) فتح الباری لإبن الحجر، کتاب صلاة التراويح وله باب فضل من قام رمضان: ٢٥٣/٤، مطبوعه لاهور، انيس

(۲) مالک عن محمد بن يوسف عن السائب ابن يزيد أنه قال: أمر عمر بن الخطاب ابى بن كعب وتميما الدارى ان يقوما للناس بإحدىٰ عشرة ركعة. (موطأ الإمام مالك: ٩٨، طبع نورمحمد كتب خانة)

(۳) وأخرج من طريق محمد بن إسحاق حدثنى محمد بن يوسف عن جده السائب بن يزيد قال: كنا نصلى زمن عمر فى رمضان ثلاث عشرة. (فتح البارى لإبن الحجر، كتاب صلاة التراويح، وله باب فضل من قام رمضان: ٢٥٤/٤، رقم الحديث: ١٩٠٦، طبع: دارنشر الكتب الإسلامية لاهور)

(۴) عبد الرزاق عن داؤد بن قيس وغيره عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد: أن عمر جمع الناس فى رمضان على أبى بن كعب، علىٰ تميم الدارى، علىٰ إحدىٰ وعشرين ركعة، يقرؤون بالمئين وينصرفون عند فروع الفجر. (باب قيام رمضان، مصنف عبد الرزاق: ٢٦٠/٤، طبع مكتبة رشيدية كوئٹة)

اس تفصیل سے معلوم ہوجاتا ہے کہ حضرت سائب کے دوشاگرد حارث اور یزید بن خصیفہ اور یزید کے تینوں شاگرد متفق اللفظ ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات پر لوگوں کو جمع کیا تھا، جب کہ محمد بن یوسف کی روایت مضطرب ہے، بعض ان میں سے گیارہ نقل کرتے ہیں، بعض تیرہ اور بعض اکیس، اصول حدیث کے قاعدے سے مضطرب حدیث حجت نہیں، لہٰذا حضرت سائب رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث وہی ہے، جو حارث اور یزید بن خصیفہ رضی اللہ عنہ نے نقل کی ہے اور اگر محمد بن یوسف کی مضطرب اور مشکوک روایت کو کسی درجے میں قابل لحاظ سمجھا جائے تو دونوں کے درمیان تطبیق کی وہی صورت متعین ہے، جو امام بیہقی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے کہ گیارہ پر چندروز عمل رہا، پھر بیس پر عمل کا استقرار ہوا، چناں چہ امام بیہقی رحمہ اللہ دونوں روایتوں کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ویمکن الجمع بین الروایتین، فإنهم کانوا یقومون بإحدیٰ عشرة ثم کانوا یقومون بعشرین ویوترون بثلاث". (السنن الکبریٰ: ۲/۴۹٦)(۱)

(ترجمہ: دونوں روایتوں میں تطبیق ممکن ہے؛ کیوں کہ وہ لوگ پہلے گیارہ پڑھتے تھے، اس کے بعد بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھنے لگے۔)

امام بیہقی رحمہ اللہ کا یہ ارشاد کہ عہد فاروقی ؓ میں صحابہ کا آخری عمل، جس پر استقرار ہوا، بیس تراویح تھا، اس پر متعدد شواہد وقرائن موجود ہیں۔

(اول) امام مالکؒ جو محمد بن یوسف سے گیارہ کی روایت نقل کرتے ہیں، خود ان کا اپنا مسلک بیس، یا چھتیس تراویح کا ہے، جیسا کہ چوتھی بحث میں آئے گا، اس سے واضح ہے کہ یہ روایت خود امام مالک کے نزدیک بھی مختار اور پسندیدہ نہیں۔

(دوم) ابن اسحاق جو محمد بن یوسف سے تیرہ کی روایت نقل کرتے ہیں، وہ بھی بیس کی روایت کو اثبت کہتے ہیں، چناں چہ علامہ شوکانی نے بیس والی روایت کے ذیل میں ان کا قول نقل کیا ہے:

"قال ابن اسحاق وهٰذا أثبت ما سمعت فی ذلک". (شوکانی، نیل الاوطار: ۳/۵۳)

(ترجمہ: ابن اسحاق کہتے ہیں کہ: رکعات تراویح کی تعداد کے بارے میں، میں نے جو کچھ سنا اس میں سب سے زیادہ ثابت یہی تعداد ہے۔)

(سوم) یہ کہ محمد بن یوسف کی گیارہ والی روایت کی تائید میں دوسری کوئی اور روایت موجود نہیں، جب کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی بیس والی روایت کی تائید میں دیگر متعدد روایتیں بھی موجود ہیں، چناں چہ:

---

(۱) السنن الکبریٰ للبهقی، کتاب الصلاة، باب ما روی فی عدد رکعات القیام: ۲/۴۹٦، رقم الحدیث: ۴۸۰۲، أنیس

(۱) یزید بن رومان کی روایت ہے کہ!

"کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلٰث وعشرین رکعة". (موطأ امام مالک، ص:۹۸، مطبوعہ نور محمد کراچی، سنن کبریٰ:۲/۴۹۶، قیام اللیل:۹۱، طبع جدید:۱۵۷)

(ترجمہ: لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ۲۳ رکعتیں پڑھا کرتے تھے، (بیس تراویح اور تین وتر)۔)

یہ روایت سند کے لحاظ سے نہایت قوی ہے؛ مگر مرسل ہے؛ کیوں کہ یزید بن رومان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا، تاہم حدیث مرسل (جب کہ ثقہ اور لائق اعتماد سند سے مروی ہو) امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام محمد اور جمہور علما کے نزدیک مطلقا حجت ہے، البتہ امام شافعی کے نزدیک حدیث مرسل کے حجت ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کی تائید کسی دوسری مسند، یا مرسل سے ہوئی ہو، چوں کہ یزید بن رومان کی زیر بحث روایت کی تائید میں دیگر متعدد روایات موجود ہیں؛ اس لیے یہ باتفاق اہل علم حجت ہے۔

یہ بحث تو عام مراسیل باب میں تھی، موطأ کے مراسیل کے بارے میں اہل حدیث کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ سب صحیح ہیں۔ چناں چہ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

"قال الشافعی: أصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ موطأ مالک واتفق أھل الحدیث علٰی إن جمیع ما فیه صحیح علٰی رأی مالک ومن وافقه وأما علٰی رأی غیرہ فلیس فیه مرسل ولامنقطع إلا قد اتصل السند به من طریق أخری فلا جرم أنها صحیحة من ھٰذا الوجه وقد صنف فی زمان مالک مؤطات کثیرة فی تخریج أحادیث ووصل منقطعه مثل کتاب ابن أبی ذئب وابن عیینة والثوری ومعمر". (حجۃ اللہ البالغہ:۱/۱۳۳، مطبوعہ منیریہ)

(ترجمہ: امام شافعی نے فرمایا کہ کتاب اللہ کے بعد اصح الکتب موطأ امام مالک ہے اور اہل حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ اس میں جتنی روایتیں ہیں، وہ سب امام مالک اور ان کے موافقین کی رائے پر صحیح ہیں اور دوسروں کی رائے پر اس میں کوئی مرسل اور منقطع روایت ایسی نہیں کہ دوسرے طریقوں سے اس کی سند متصل نہ ہو، پس اس لحاظ سے وہ سب کی سب صحیح ہیں اور امام مالک کے زمانے میں موطأ کی حدیثوں کی تخریج کے لیے اور اس کے منقطع کو متصل ثابت کرنے کے لیے بہت سے موطأ تصنیف ہوئے، جیسے ابن ابی ذئب، ابن عیینہ، ثوری اور معمر کی کتابیں۔)

اور پھر بیس رکعات پر اصل استدلال تو حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے جس کے "صحیح" ہونے کی تصریح گزر چکی ہے، اور یزید بن رومان کی روایت بطور تائید ذکر کی گئی ہے۔

(۲) یحیی بن سعید انصاری کی روایت ہے کہ!

"أن عمر بن الخطاب أمر رجلاً یصلی بھم عشرین رکعة". (مصنف ابن ابی شیبۃ:۲/۳۹۳)

(ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھائے۔)

یہ روایت بھی سنداً قوی؛ مگر مرسل ہے۔

(۳) عبدالعزیز بن رفیع کی روایت ہے:

"كان أبی بن كعب يصلی بالناس فی رمضان با لمدينة عشرين ركعة ويوتر بثلاث". (مصنف ابن أبی شیبۃ: ۳۹۳/۲)

(ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں کو مدینہ میں رمضان میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔)

(۴) محمد بن کعب قرظی کی روایت ہے کہ!

"كان الناس يصلون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرين ركعة يطيلون فيها القراءة و يوترون بثلٰث". (قیام اللیل، ص: ۹۱، طبع جدید، ص: ۱۵۷)

(ترجمہ: لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان المبارک میں بیس رکعتیں پڑھتے تھے، ان میں طویل قرأت کرتے اور تین وتر پڑھتے تھے۔)

یہ روایت بھی مرسل ہے اور قیام اللیل میں اس کی سند نہیں ذکر کی گئی ہے۔

(۵) کنز العمال میں خود حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ!

"أن عمر بن الخطاب أمره أن يصلی بالليل فی رمضان، فقال: إن الناس يصومون النهار ولا يحسنون أن يقرأوا فلو قرأت عليهم بالليل: يا أمير المؤمنين! هٰذا شئ لم يكن، فقال: قد علمت ولكنه حسن، فصلّٰى بهم عشرين ركعة". (کنز العمال، طبع جدید بیروت: ۴۰۹/۸، حدیث: ۲۳۴۷۱)

(ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو رات کے وقت نماز پڑھایا کریں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں، مگر خوب اچھا پڑھنا نہیں جانتے، پس کاش! تم رات میں ان کو قرآن سناتے، ابیؓ نے عرض کیا: یا امیر المؤمنین! یہ ایک ایسی چیز ہے، جو پہلے نہیں ہوئی، فرمایا: یہ تو مجھے معلوم ہے؛ لیکن یہ اچھی چیز ہے، چناں چہ حضرت ابیؓ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھائیں۔)

(چہارم) مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں اہل علم اس کے قائل ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیس رکعات پر جمع کیا اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان سے موافقت کی؛ اس لیے یہ بہ منزلہ اجماع کے تھا، یہاں چند اکابر کے ارشادات ذکر کیے جاتے ہیں:

امام ترمذی لکھتے ہیں:

"واختلف أهل العلم فی قيام رمضان فرأى بعضهم أن يصلی إحدٰى وأربعين ركعة مع الوتر وهوقول أهل المدينة والعمل علٰى هٰذا عندهم بالمدينة وأكثر أهل العلم علٰى ما روی عن علی و عمر وغيرهما

من أصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عشرین رکعة وھوقول سفیان الثوری و ابن المبارک والشافعی،وقال الشافعی:وھٰکذا أدرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة". (سنن ترمذی:۱/۹۹)(۱)

(ترجمہ: تراویح میں اہل علم کا اختلاف ہے،بعض وتر سمیت اکتالیس رکعت کے قائل ہیں،اہل مدینہ کا یہی قول ہے اوران کے یہاں مدینہ طیبہ میں اسی پرعمل ہے اوراکثر اہل علم بیس رکعت کے قائل ہیں،جوحضرت علی،حضرت عمراوردیگرصحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔سفیان ثوری،عبداللہ بن مبارک اورشافعی رحمہم اللہ کا یہی قول ہے،امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہرمکہ مکرمہ میں لوگوں کوبیس رکعات ہی پڑھتے پایاہے۔)

(۲) علامہ زرقانی مالکی شرح مؤطا میں ابوالولید سلیمان بن خلف القرطبی المالکی (متوفیٰ:۴۹۴ھ) سے نقل کرتے ہیں:

"قال الباجی: فأمرھم أولا بتطویل القراءة؛لأنه أفضل،ثم ضعف الناس فأمرھم بثلاث و عشرین فخفف من طول القراءة واستدرک بعض الفضیلة بزیادة الرکعات". (شرح زرقانی علی الموطأ:۱/۲۳۹)(۲)

(ترجمہ: باجی کہتے ہیں کہ:حضرت عمررضی اللہ عنہ نے پہلے ان کوتطویل قرأت کاحکم دیا تھا کہ وہ افضل ہے،پھرلوگوں کاضعف محسوس کیاتو۲۳رکعات کاحکم دیا،چناں چہ طول قرأت میں کمی کی اوررکعات کے اضافے کی فضیلت کی کچھ تلافی کی۔)

"قال الباجی:وکان الأمرعلیٰ ذلک إلیٰ یوم الحرة فثقل علیھم القیام فنقصوا من القراءة وزادوا الرکعات فجعلت ستا وثلاثین غیرالشفع والوتر". (زرقانی شرح موطأ:۱/۳۲۳۹)(۳)

(ترجمہ: باجی کہتے ہیں کہ:یوم حرہ تک بیس رکعات کادستوررہا،پھران پرقیام بھاری ہواتوقرأت میں کمی کرکے رکعات میں مزیداضافہ کردیاگیااوروترکےعلاوہ۳۶رکعات ہوگئیں۔)

(۳) علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے یہی بات حافظ ابن عبدالبر(۳۶۸ھ۔۴۶۳ھ)اورابومروان عبدالملک بن حبیب القرطبی المالکی(متوفیٰ۲۳۷ھ)سےنقل کی ہے(زرقانی شرح مؤطا:۱/۲۳۹)۔

(۴) حافظ موفق الدین ابن قدامہ المقدسی الحنبلیؒ (متوفیٰ ۶۲۰ھ)المغنی میں لکھتے ہیں:

"ولنا أن عمر رضی اللّٰہ عنه لما جمع الناس علی أبی بن کعب کان یصلی لھم عشرین رکعة".(۴)

(۱) سنن الترمذی،أبواب الصوم عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم،باب ماجاء فی قیام شھر رمضان: ۱/۱٦٦، أشرفی بکڈپو،دیوبند،انیس

(۲-۳) شرح الزرقانی علی الموطأ،کتاب الصلاہ،باب ماجاء فی قیام رمضان: ۱/۳٦۲،رقم الحدیث: ۲۵۰، دارإحیاء التراث العربی بیروت، انیس

(۴) المغنی فی فقه الإمام أحمد بن حنبل،کتاب الصلاة،مسئلة وفصول حکم صلاة التراویح: ۱/۸۳۳، انیس

(ترجمہ: ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کیا تو وہ ان کو بیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔)

اس سلسلے کی روایات، نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"هٰذا كالإجماع". (۱)

(ترجمہ: اور یہ بہ منزلہ اجماع صحابہ کے ہے۔)

پھر اہل مدینہ کے ۳۶/رکعات کے تعامل کو ذکر کرکے لکھتے ہیں:

"ثم لو ثبت ان اهل المدينة كلهم فعلوه لكان ما فعله عمر واجمع عليه الصحابة فى عصره أولٰى بالاتباع.

قال بعض أهل العلم: إنما فعل هٰذا أهل المدينة؛ لأنهم أرادوا مساواة أهل مكة، فإن أهل مكة يطوفون سبعًا بين كل ترويحتين فجعل أهل المدينة مكان كل سبع أربع ركعات، وما كان عليه أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أولٰى وأحق أن يتبع". (ابن قدامۃ، المغنی مع الشرح الکبیر: ۱/۷۹۹)(۲)

(ترجمہ: پھر اگر ثابت ہو کہ اہل مدینہ سب چھتیس رکعتیں پڑھتے تھے، تب بھی جو کام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا اور جس پر ان کے دور میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اجماع کیا، اس کی پیروی اولیٰ ہوگی۔

بعض اہل علم نے کہا ہے کہ اہل مدینہ کا مقصود اس عمل سے اہل مکہ کی برابری کرنا تھا؛ کیوں کہ اہل مکہ دو ترویحوں کے درمیان طواف کیا کرتے تھے، اہل مدینہ نے طواف کی جگہ دو ترویحوں کے درمیان چار رکعتیں مقرر کرلیں، بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا جو معمول تھا، وہی اولیٰ اور احق ہے۔)

(۵) امام محی الدین نووی رحمہ اللہ (متوفی ۶۷۶ھ) شرح مہذب میں لکھتے ہیں:

"واحتج أصحابنا بمارواه البيهقي وغيره بالإسناد الصحيح عن السائب بن يزيد الصحابى رضى اللّٰه عنه قال كانوا يقومون علٰى عهد عمر بن الخطاب رضى اللّٰه عنه فى شهر رمضان بعشرين ركعة الحديث". (المجموع شرح مہذب: ۴/۳۲)

(ترجمہ: ہمارے اصحاب نے اس حدیث سے دلیل پکڑی ہے جو امام بیہقی اور دیگر حضرات نے حضرت سائب بن یزید صحابی رضی اللہ عنہ سے بہ سند صحیح روایت کی ہے کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان المبارک میں بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔)

---

(۱) المغنی فی فقه الإمام أحمد بن حنبل، كتاب الصلاة، مسئلة وفصول حكم صلاة التراويح: ۱/۸۳۳، انیس

(۲) المغنی مع الشرح الكبير، كتاب الصلاة، مسئلة وفصول حكم صلاة التراويح: ۱/۸۳۳، انیس

آگے یزید بن رومان کی روایت ذکر کر کے امام بیہقی رحمہ الہ کی تطبیق ذکر کی ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ذکر کر کے اہل مدینہ کے فعل کی وہی توجیہ کی ہے، جو ابن قدامہ کی عبارت میں گزر چکی ہے۔

(۶)　علامہ شہاب الدین احمد بن محمد قسطلانی شافعی (متوفی ۹۳۳ھ) شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

”وجمع البيهقي بينهما بأنهم كانوا يقومون بإحدىٰ عشرة ثم قانوا بعشرين وأوتروا بثلٰث وقد عدوا ما وقع في زمن عمر رضي الله عنه كالإجماع“. (ارشادالساری:۳/۴۲۶)(۱)

(ترجمہ: اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ وہ پہلے گیارہ پڑھتے تھے، پھر بیس تراویح اور تین وتر پڑھنے لگے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو معمول جاری ہوا اسے علما نے بمنزلہ اجماع کے شمار کیا ہے۔)

(۷)　علامہ شیخ منصور بن یونس بہوتی حنبلی (متوفی ۱۰۴۶ھ) ”کشف القناع عن متن الاقناع“ میں لکھتے ہیں:

”وهي(عشرون ركعة في رمضان)لما روى مالك عن يزيد بن رومان قال: كان الناس يقومون في زمن عمر في رمضان بثلٰث وعشرين ركعة ... وهٰذا في مظنة الشهرة بحضرة الصحابة فكان اجماعًا“. (كشف القناع عن متن الاقناع: ۱/۳۹۲)(۲)

(ترجمہ: تراویح بیس رکعت ہیں، چناں چہ امام مالک نے یزید بن رومان سے روایت کیا ہے کہ: لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں رمضان میں ۲۳ رکعتیں پڑھا کرتے تھے...... اور حضرت عمر رضی للہ عنہ کا صحابہ کی موجودگی میں بیس کا حکم دینا عام شہر کا موقع تھا؛ اس لیے یہ اجماع ہوا۔)

(۸)　مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ”حجۃ اللہ البالغۃ“ میں لکھتے ہیں:

”وزادت الصحابة ومن بعدهم في قيام رمضان ثلٰثة أشياء: الاجتماع له في مساجدهم وذلك؛ لأنه يفيد التيسير علىٰ خاصتهم وعامتهم، وأداؤه في أول الليل مع القول بأن صلاة آخر الليل مشهودة وهي أفضل كما نبه عمر رضي الله عنه، لهٰذا التيسير الذي أشرنا إليه، وعدد عشرين ركعة“. (حجة الله البالغة: ۲/۱۸)(۳)

(ترجمہ: اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے بعد کے حضرات نے قیام رمضان میں تین چیزوں کا اضافہ کیا: (۱) اس کے لیے مسجد میں جمع ہونا؛ کیوں کہ اس سے عام وخاص کو آسانی حاصل ہوتی ہے، (۲) اول شب میں ادا کرنا، باوجود اس بات کے قائل ہونے کے کہ آخر شب کی نماز میں فرشتوں کی حاضری ہوتی ہے اور وہ افضل ہے، جیسا کہ

(۱)　ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، باب فضیل قیام اللیل: ۳/۴۲۶، المطبعة الكبرىٰ الأميرية مصر، انيس

(۲)　كشف القناع عن متن الاقناع، باب صلاة التطوع، فصل: التراويح سنة مؤكدة: ۱/۴۲۵، دار الفكر، انيس

(۳)　حجة الله البالغة، من أبواب الصلاة، باب النوافل قيام شهر رمضان: ۲/۸۰، مكتبة حجاز ديوبند، انيس

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر متنبہ فرمایا؛ مگر اول شب کا اختیار کرنا بھی اسی آسانی کے لیے تھا، جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا، (۳) بیس رکعات کی تعداد۔)

تراویح عهد صحابه وتابعین میں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس تراویح کا معمول شروع ہوا تو بعد میں کم از کم بیس کا معمول رہا، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین سے زائد کی روایات تو مروی ہیں؛ لیکن کسی سے صرف آٹھ کی روایت نہیں۔

(۱)　حضرت سائب رضی اللہ عنہ کی روایت اوپر گزر چکی ہے، جس میں انہوں نے عہد فاروقی میں بیس کا معمول ذکر کرتے ہوئے اسی سیاق میں عہد عثمانی کا ذکر کیا ہے۔

(۲)　حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جن کا وصال عہد عثمانی کے اواخر میں ہوا ہے، وہ بھی بیس پڑھا کرتے تھے۔ (قیام اللیل، ص:۹۱، طبع جدید، ص:۱۵۷)(۱)

(۳)　**عن أبی عبد الرحمٰن السلمی عن علی رضی اللّٰه عنه قال: دعا القرّاء فی رمضان فأمر منهم رجلًا یصلی بالناس عشرین رکعة، قال: وکان علی رضی اللّٰه عنه یوتر بهم''.** (سنن کبریٰ بیہقی:۴۹۶/۲)(۲)

(ترجمہ: ابوعبدالرحمٰن سلمی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا، پس ان کی میں ایک شخص کو حکم دیا کہ بیس رکعتیں پڑھایا کرے اور وتر حضرت علی رضی اللہ عنہ خود پڑھایا کرتے تھے۔)

اس کی سند میں حماد بن شعیب پر محدثین نے کلام کیا ہے؛ لیکن اس کے متعدد شواہد موجود ہیں۔

حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ کی یہ روایت شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ میں ذکر کی ہے اور اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ تراویح کو اپنے دور خلافت میں باقی رکھا۔ (منہاج السنۃ:۲۲۴/۴)(۳)

---

(۱)　قال الأعمش: كان عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه عنه یصلی عشرین رکعة ویوتر بثلاث،إلخ.(قیام اللیل، باب عدد رکعات التی یقوم بها الإمام،ص: ۲۲۱،حدیث اکادمی فیصل آباد باکستان)

(۲)　السنن الکبریٰ للبیهقی،کتاب الصلاة،باب ما روی فی عدد رکعات: ۴۹٦/۲،رقم الحدیث: ٤٨٠٤،انیس

(۳)　وعن أبی عبد الرحمن السلمی أن علیا رضی اللّٰه عنه دعا القراء فی رمضان فأمر رجلاً منهم یصلی بالناس عشرین رکعة.(منهاج السنة: ۲۲٤/۳،طبع:المکتبة السلفیة لاهور)

وفیه أیضاً: أن هذا لو کان قبیحا منهیا عنه لکان علی أبطله لما صار أمیر المؤمنین و هو بالکوفة فلما کان جاریاً فی ذلک مجری عمر دل علیٰ استحباب ذلک.(منهاج السنة النبویة،فصل فی نقض کلام الشیعة :١١٨/٨، مؤسسة قرطبة،انیس)

حافظ ذہبیؒ نے المنتقٰی مختصر منهاج السنة (المنتقٰی، ص: ۵٤٢) میں حافظ ابن تیمیہؒ کے اس استدلال کو بلانکیر ذکر کیا ہے۔اس سے واضح ہے کہ ان دونوں کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس رکعات تراویح کا معمول جاری تھا۔

(۴) **"عن عمرو بن قيس عن أبي الحسناء أن علياً رضى الله عنه أمر رجلاً يصلى بهم فى رمضان عشرين ركعة".** (مصنف ابن ابی شیبہ:۳۹۳/۲)(۱)

(ترجمہ: عمرو بن قیس، ابوالحسناء سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعتیں پڑھایا کرے۔)

(۵) **عن أبى سعد البقال عن أبى الحسناء أن على بن أبى طالب رضى الله عنه أمر رجلاً أن يصلى بالناس خمس ترويحات عشرين ركعة،وفى هٰذاالإسناد ضعف".** (سنن کبریٰ بیہقی:۴۹۷/۲)(۲)

(ترجمہ: ابوسعد بقال، ابوالحسناء سے نقل کرتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو پانچ ترویحے ؛یعنی بیس رکعتیں پڑھایا کرے۔امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی سند میں ضعف ہے۔)

علامہ ابن الترکمانی "الجوہر النقی" میں لکھتے ہیں کہ ظاہر تو یہ ہے کہ اس سند کا ضعف ابوسعد بقال کی وجہ سے ہے، جو متکلم فیہ راوی ہے؛لیکن مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں (جواوپر ذکر کی گئی ہے) اس کا متابع موجود ہے،جس سے اس کے ضعف کی تلافی ہو جاتی ہے۔(ذیل سنن کبریٰ:۴۹۵/۲)(۳)

(۶) **"عن شتير بن شكل و كان من أصحاب على رضى الله عنه أنه كان يؤمهم فى شهر رمضان بعشرين ركعة ويوتر بثلٰث".** (سنن کبریٰ بیہقی:۴۹۶/۲،قیام اللیل،ص:۹۱،طبع جدید،ص:۱۵۷)(۴)

(ترجمہ: شتیر بن شکل، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے، رمضان المبارک میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھایا کرتے تھے۔)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس اثر کو نقل کر کے کہا ہے:

---

(۱) مصنف ابن أبى شيبة،كتاب الصلاة كم يصلى فى رمضان من ركعة:٣٩٣/٢،رقم الحديث: ٧٧٥٣،انيس

(۲) السنن الكبرىٰ للبيهقى،كتاب الصلاة،باب ماروى فى عدد ركعات القيام:٤٩٧/٢،رقم الحديث:٤٨٠٥،انيس

(۳) قلت:الأظهر أن ضعفه من جهة أبى سعد سعيد بن المرزبان البقال فإنه متكلم فيه فإن كان كذٰلك فقد تابعه عليه غيره قال ابن أبى شيبة فى المصنف ثنا وكيع عن حسن بن صالح عن عمروبن قيس عن بن أبى الحسناء أن عليا أمر رجلاً يصلى بهم فى رمضان عشرين ركعة (مصنف ابن أبى شيبة،كم يصلى فى رمضان من ركعة:١٦٣/٢،انيس)

(۴) السنن الكبرىٰ للبيهقى،كتاب الصلاة،باب ما روى فى عدد ركعات القيام،رقم الحديث: ٤٨٠٣/مختصر قيام الليل للمروزى،باب عددركعات التى يقوم بها الإمام،ص: ٢٢١،حديث أكادمى فيصل آباد،انيس

”وفی ذلک قوۃ“. (اور اس میں قوت ہے) پھر اس کی تائید میں انہوں نے عبدالرحمٰن سلمی کا اثر ذکر کیا ہے جو اوپر گزر چکا ہے۔(۱)

(۷) ”عن أبی الخصیف قال: کان یؤمنا سوید بن غفلة فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعة“. (سنن کبریٰ بیہقی:۴۹۶/۲)(۲)

(ترجمہ: ابوالحصیبؒ کہتے ہیں کہ حضرت سعید بن غفلہ رضی اللہ عنہ ہمیں رمضان میں نماز پڑھاتے تھے، پس پانچ ترویحے بیس رکعتیں پڑھتے تھے۔)

”قال النیموی: وإسناده حسن“. (آثار السنن:۵۵/۲،طبع ہند)(۳)

(ترجمہ: علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔)

حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ کا شمار تابعین میں ہے، انہوں نے زمانۂ جاہلیت پایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اسلام لائے؛ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی؛ کیوں کہ مدینہ اس دن پہنچے، جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین ہوئی؛ اس لیے صحابیت کے شرف سے مشرف نہ ہو سکے، بعد میں کوفہ میں رہائش اختیار کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے خاص اصحاب میں تھے، ۸۰ھ میں ایک سو تیس برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ (تقریب التہذیب:۳۴۱/۱)(۴)

(۸) ”عن الحارث أنه کان یؤم الناس فی رمضان باللیل بعشرین رکعة ویوتر بثلث ویقنت قبل الرکوع“. (مصنف ابن ابی شیبہ:۳۹۳/۲)(۵)

(ترجمہ: حارث، رمضان میں لوگوں کو بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے اور رکوع سے قبل قنوت پڑھتے تھے۔)

---

(۱) وفی ذلک قوة لما أخبرنا ... عن أبی عبد الرحمٰن السلمی عن علی رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال: دعا القراء فی رمضان فأمر منهم رجلاً یصلی بالناس عشرین رکعة قال وکان علی رضی اللّٰه عنه یوتربهم وروی ذلک من وجه آخر عن علی. (السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الصلاة، باب ماروی فی عدد رکعات القیام: ۴۹٦/۲، رقم الحدیث: ٤٨٠٤، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس)

(۲) السنن الکبری للبیهقی، باب ما روی فی عدد رکعات القیام: ٤٩٦/٢، رقم الحدیث: ٤٨٠٣، انیس

(۳) آثار السنن، أبواب قیام شهر رمضان، باب فی التراویح بعشرین رکعات، ص: ٢٠٣، رقم الحدیث: ٧٨٣، مکتبة حقانیة، انیس

(۴) سوید بن غفلة، بفتح المعجمة والفاء، أبو أمیة الجعفی، مخضرم، من کبار التابعین، قدم المدینة یوم دفن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، وکان مسلمًا فی حیاته، ثم نزل الکوفة ومات سنة ثمانین، وله مائة وثلاثون سنة. (تقریب التهذیب: ٣٤١/١، رقم: ٦٠٣، طبع بیروت)

(۵) مصنف ابن أبی شیبة، کتاب الصلاة، کم یصلی فی رمضان من رکعة: ٣٩٣/٢، رقم الحدیث: ٧٧٦٧، انیس

(۹) قیام اللیل میں عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ، سعید بن الحسن اور عمران العبدی سے نقل کیا ہے کہ وہ بیس راتیں بیس تراویح پڑھایا کرتے تھے اور آخری عشرہ میں ایک ترویحہ کا اضافہ کردیتے تھے۔ (قیام اللیل، ص:۹۲، طبع جدید:۱۵۸)

حارث، عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ (متوفیٰ:۹۶ھ) اور سعید بن ابی الحسن (متوفیٰ ۱۰۸ھ) تینوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔

(۱۰) أبو البختریؒ بھی بیس تراویح وتر پڑھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۲/۳۹۳)(۱)

(۱۱) علی بن ربیعہؒ، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے، بیس تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۲/۳۹۳)(۲)

(۱۲) بن ابی ملیکہ (متوفی ۱۱۷ھ) بھی بیس تراویح پڑھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۲/۳۹۳)(۳)

(۱۳) حضرت عطا (متوفیٰ:۱۱۴) فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو وتر سمیت ۲۳ر رکعتیں پڑھتے ہوئے پایا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:۲/۳۹۳)(۴)

(۱۴) موطأ امام مالکؒ میں عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج (متوفیٰ ۱۱۷ھ) کی روایت ہے کہ میں نے لوگوں کو اس حالت میں پایا ہے کہ وہ رمضان میں کفار پر لعنت کرتے تھے اور قاری آٹھ رکعتوں میں سورۂ بقرہ ختم کرتا تھا، اگر وہ بارہ رکعتوں میں سورۂ بقرہ ختم کرتا تو لوگ یہ محسوس کرتے کہ اس نے قرأت میں تخفیف کی ہے۔ (موطأ امالکؒ:ص۹۹)(۵)

اس روایت سے مقصود تو تراویح میں طول قرأت کا بیان ہے؛ لیکن روایت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف آٹھ رکعات پر اکتفا نہیں کیا جاتا تھا۔

---

(۱) عن أبی البختری: أنه كان يصلی خمس ترويحات فی رمضان، ويوتر بثلاث. (المصنف لإبن أبی شيبة، كتاب الصلاة، كم يصلی فی رمضان من ركعة: ۲۲٤/٥، رقم الحديث: ۷۷٦۸، طبع المجلس العلمی بيروت، انيس)

(۲) عن سعيد بن عبيد أن علی بن ربيعة كان يصلی بهم فی رمضان خمس ترويحات، ويوتر بثلاث. (المصنف لإبن أبی شيبة، كتاب الصلاة، كم يصلی فی رمضان من ركعة: ۲۲٤/٥، رقم الحديث: ۷۷۷۲، طبع المجلس العلمی، انيس)

(۳) وكيع عن نافع بن عمر قال: كان ابن أبی مليكة يصلی بنا فی رمضان عشرين ركعة (المصنف لإبن أبی شيبة، كتاب الصلاة، كم يصلی فی رمضان من ركعة: ۲۲۳/٥-۲۲٤، رقم الحديث: ۷۷٦٥، طبع المجلس العلمی، انيس)

(۴) ابن نمير عن عبد الملك عن عطاء قال: أدركت الناس وهم يصلون ثلاثاً وعشرين ركعة بالوتر. (المصنف لإبن أبی شيبة، كتاب الصلاة، كم يصلی فی رمضان من ركعة: ۲۲٤/٥، رقم الحديث: ۷۷۷۰، طبع المجلس العلمی، انيس)

(۵) مالك عن داؤد بن الحصين أنه سمع الأعرج يقول: ما أدكت الناس إلا وهم يلعنون الكفرة فی رمضان، قال: وكان القاری يقرأ بسوره البقرة فی ثمان ركعات، فإذا قام بها فی اثنتی عشر ركعة رأی الناس أنه قد خفف (موطأ الإمام مالك، العمل فی القراء ة، ماجاء فی قيام رمضان، ص: ٤٠، أشرفی بكڈپو ديوبند، انيس)

خلاصہ یہ کہ جب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت جاری کی، ہمیشہ بیس، یا زائد تراویح پڑھی جاتی تھیں، البتہ ایام حرہ (۶۳ھ) کے قریب اہل مدینہ نے ہر ترویحہ کے درمیان چار رکعتوں کا اضافہ کرلیا؛ اس لیے وہ وتر سمیت اکتالیس رکعتیں پڑھتے تھے اور بعض دیگر تابعین بھی عشرۂ اخیرہ میں اضافہ کر لیتے تھے، بہر حال صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین کے دور میں آٹھ تراویح کا کوئی گھٹیا سے گھٹیا ثبوت نہیں ملتا؛ اس لیے جن حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیس تراویح پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوگیا تھا، ان کا ارشاد مبنی برحقیقت ہے؛ کیوں کہ حضرات سلف اس تعداد پر اضافے کے تو قائل تھے؛ مگر اس میں کمی کا قول کسی سے منقول نہیں؛ اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ اس بات پر سلف کا اجماع تھا کہ تراویح کی کم سے کم تعداد بیس رکعات ہیں۔

تراویح ائمۂ اربعہ کے نزدیک:

امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک تراویح کی بیس رکعات ہیں، امام مالک سے اس سلسلے میں دو روایتیں منقول ہیں: ایک بیس کی اور دوسری چھتیس کی؛ لیکن مالکی مذہب کے متون میں بیس ہی کی روایت کو اختیار کیا گیا ہے، فقہ حنفی کے حوالے دینے کی ضرورت نہیں، دوسرے مذاہب کی مستند کتابوں کے حوالے پیش کئے جاتے ہیں۔

فقہ مالکی:

قاضی ابوالولید ابن رشد مالکی (متوفیٰ ۵۹۵ھ) بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں:

"واختلفوا في المختار من عدد الركعات التي يقوم بها الناس في رمضان، فاختار مالك في أحد قوليه وأبوحنيفة والشافعي وأحمد وداؤد القيام بعشرين ركعة سوى الوتر، وذكر ابن القاسم عن مالك أنه كان يستحسن ستا وثلاثين ركعة والوتر ثلاث". (بداية المجتهد: ١/١٥٦، مكتبة علمية لاهور)(١)

(ترجمہ: رمضان میں کتنی رکعات پڑھنا مختار ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے، امام مالک نے ایک قول میں اور امام ابوحنیفہ، شافعی، احمد اور داؤد رحمہم اللہ نے وتر کے علاوہ بیس رکعات کو اختیار کیا ہے اور ابن قاسم نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ وہ تین وتر اور چھتیس رکعات تراویح کو پسند فرماتے تھے۔)

مختصر خلیل کے شارح علامہ شیخ احمد الدردیر المالک (متوفیٰ ۱۲۰۱ھ) لکھتے ہیں:

"وهى (ثلاث وعشرون) ركعة بالشفع والوتر كما كان عليه العمل"، أي عمل الصحابة والتابعين. (الدسوقي)

---

(١) بداية المجتهد، كتاب الصلاة، الباب الخامس في قيام رمضان: ١/٢١٠، مكتبة مصطفى البابي، انيس

(ثم جعلت)في زمن عمر بن عبد العزيز (ستا وثلاثين) بغير الشفع والوترلكن الذى جرى عليه العمل سلفا وخلفا الأول". (شرح الكبير الدردير مع حاشية الدسوقي: ۳۱۵/۱)

(ترجمہ: اور تراویح، وتر سمیت ۲۳؍رکعتیں ہیں، جیسا کہ اسی کے مطابق (صحابہ وتابعین کا) عمل تھا، پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے مین وتر کے علاوہ چھتیس کردی گئیں؛ لیکن جس تعداد پر سلف وخلف کا عمل ہمیشہ جاری رہا، وہ اول ہے؛ یعنی بیس تراویح اور تین وتر)۔)

فقه شافعی:

امام محی الدین نوویؒ (متوفی ۶۷۶ھ) المجموع شرح مہذب میں لکھتے ہیں:

"(فرع)في مذاهب العلماء في عدد ركعات التراويح مذهبنا أنها عشرون ركعة بعشر تسليمات غيرالوتر وذلك خمس ترويحات والترويحةأربع ركعات بتسليمتين هٰذا مذهبنا و به قال أبوحنيفة وأصحابه وأحمد وداؤدوغيرهم ونقله القاضي عياض عن جمهورالعلماء و حكى أن الأسود بن يزيد رضي الله عنه كان يقوم بأربعين ركعة ويوتر بسبع وقال مالك:التروايح تسع ترويحات وهي ستة وثلا ثون ركعة غير الوتر". (مجموع شرح المهذب لمحي الدين النووي: ۳۲/٤)(۱)

(ترجمہ: رکعات تراویح کی تعداد میں علماء کے مذاہب کا بیان، ہمارا مذہب یہ ہے کہ تراویح بیس رکعتیں ہیں، دس سلاموں کے ساتھ، علاوہ وتر کے۔ یہ پانچ ترویحے ہوئے، ایک ترویحہ چار رکعات کا دوسلاموں کے ساتھ۔ امام ابوحنیفہؒ اوران کے اصحاب، امام احمدؒ اورامام داؤد وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں اور قاضی عیاضؒ نے اسے جمہور علماء سے نقل کیا ہے، نقل کیا گیا ہے کہ اسود بن یزید اکتالیس تراویح اور سات وتر پڑھا کرتے تھے اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تراویح نو ترویحے ہیں اور یہ وتر کے علاوہ چھتیس رکعتیں ہوئیں۔)

فقه حنبلی:

حافظ ابن قدامہ المقدسی الحنبلی (متوفی ۶۲۰ھ) المغنی میں لکھتے ہیں:

"والمختار عند أبي عبد الله رحمه الله فيها عشرون ركعة وبه قال الثوري وأبوحنيفة والشافعي،وقال مالك ستة وثلاثون". (المغني ابن قدامة: ۷۹۸/۱-۷۹۹،مع الشرح الكبير)(۲)

(ترجمہ: امام احمد کے نزدیک تراویح میں بیس رکعتیں مختار ہیں۔ امام ثوری، ابوحنیفہ اور شافعی بھی اسی کے قائل ہیں، اور امام مالک چھتیس کے قائل ہیں۔)

---

(۱) المجموع شرح المهذب،باب صلاة التطوع: ۳۲/٤،مكتبة المسجد النبوي الشريف،انيس

(۲) المغني لابن قدامة،حكم صلاة التراويح: ۸۳۳/۱،دارالفكر بيروت/الشرح الكبير لابن قدامة: ۷٤۸/۱،انيس

خاتمہ بحث ، چند ضروری فوائد:

مسک الختام کے طور پر چند فوائد گوش گزار کرنا چاہتا ہوں؛ تا کہ بیس تراویح کی اہمیت ذہن نشیں ہو سکے۔

(۱) بیس تراویح سنت مؤکدہ ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں بیس تراویح جاری کرنا، صحابہ کرام کا اس پر نکیر نہ کرنا، اور عہد صحابہ سے لے کر آج تک شرقاً وغرباً بیس تراویح کا مسلسل زیر تعامل رہنا، اس امر کی دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین میں داخل ہے، **لقوله تعالیٰ: ﴿وليمكنن لهم دينهم الذى ارتضٰى لهم﴾** (اللہ تعالیٰ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے لیے ان کے اس دین کو قرار و تمکین بخشیں گے، وہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند فرمالیا ہے)۔

الاختیار شرح المختار میں ہے:

"روى أسد بن عمرو عن أبي يوسف قال سئلت أباحنيفة رحمه اللّٰه عن التراويح وما فعله عمر رضي اللّٰه عنه،فقال:التراويح سنة مؤكدة ولم يتخرصه عمر من تلقاء نفسه ولم يكن فيه مبتدعًا ولم يأمربه إلا عن أصل لديه وعهد من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ولقد سن عمر هٰذا وجمع الناس علٰى وابن مسعود والعباس وابنه وطلحة والزبير ومعاذ وأبي وغيرهم من المهاجرين والأنصار رضي اللّٰه عنهم أجمعين وما رد عليه واحد منهم بل سعدوه ووافقوه وأمروا بذلك". (الإختيار لتعليل المختار: ٦٨/١،الشيخ الإمام أبي الفضل مجدالدين عبد اللّٰه بن محمود الموصلي الحنفي متوفى٦٨٣هـ)

(ترجمہ: اسد بن عمرو، امام ابو یوسف سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے تراویح اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تراویح سنت مؤکدہ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنی طرف سے اختراع نہیں کیا، نہ وہ کوئی بدعت ایجاد کرنے والے تھے، انہوں نے جو حکم دیا وہ کسی اصل کی بنا پر تھا، جو ان کے پاس موجود تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عہد پر مبنی تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سنت جاری کی اور لوگوں کو ابی بن کعب پر جمع کیا، پس انہوں نے تراویح کی جماعت کرائی، اس وقت صحابہ کرام کثیر تعداد میں موجود تھے، حضرات عثمان، علی، ابن مسعود، عباس، ابن عباس، طلحہ، زبیر، معاذ ابی اور دیگر مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم اجمعین سب موجود تھے؛ مگر ایک نے بھی اس کو رد نہیں کیا؛ بلکہ سب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موافقت کی اور اس کا حکم دیا۔)

(۲) خلفائے راشدین کی جاری کردہ سنت کے بارے میں وصیت نبوی:

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ بیس تراویح تین خلفائے راشدین کی سنت ہے اور سنت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"فإنه من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافًا كثيرًا،فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ،وإياكم ومحدثات الأمور فان كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة". (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ،مشکوٰۃ،ص:۳۰)(۱)

(ترجمہ: جو شخص تم میں سے میرے بعد جیتا رہا وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا، پس میری سنت کو اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑو، اسے مضبوط تھام لو اور دانتوں سے مضبوط پکڑلو، اور نئی نئی باتوں سے احتراز کرو؛ کیوں کہ ہر نئی بات بدعت گمراہی ہے۔)

اس حدیث پاک سے سنت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی پیروی کی تاکید معلوم ہوتی ہے اور یہ کہ اس کی مخالفت بدعت وگمراہی ہے۔

(۳) ائمۂ اربعہ کے مذاہب سے خروج جائز نہیں:

اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ائمۂ اربعہ کے مذہب کا اتباع سواد اعظم کا اتباع ہے اور مذاہب اربعہ سے خروج، سواد اعظم سے خروج ہے۔مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ''عقد الجید'' میں لکھتے ہیں:

"قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:اتبعوا السواد الأعظم،ولما اندرست المذاهب الحقة إلا هٰذه الأربعة كان اتباعها اتباعا للسواد الأعظم،والخروج عنها خروجًا عن السواد الأعظم". (رواه ابن ماجه من حديث أنس رضى اللّٰه عنه،كما فى المشكوة،ص: ٣٠، وتمامه: فإنه من شذ شذ فى النار".(عقد الجيد فى أحكام الاجتهاد والتقليد،باب تأكيد الأخذ بهٰذة المذاهب الأربعة،ص:٣٧،مطبوعة تركية)(٢)

(ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ سواد اعظم کی پیروی کرو اور جب کہ ان مذاہب اربعہ کے سوا باقی مذاہب حقہ مٹ چکے ہیں تو ان کا اتباع سواد اعظم کا اتباع ہوگا، اور ان سے خروج سواد اعظم سے خروج ہوگا۔)

---

(١) عن عرباض بن سارية قال: صلى لنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم الفجر ثم أقبل علينا فوعظنا موعظة بليغة ذرفت لها الأعين ووجلت منها القلوب قلنا أو قالوا: يا رسول اللّٰه !كان هذه موعظة مودع فأوصنا،قال:أوصيكم بتقوى اللّٰه والسمع والطاعة وإن كان عبدًا حبشياً فإنه من يعش منكم يرى بعدى اختلافا كثيرًا فعليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين وعضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة وإن كل بدعة ضلالة.(مسند الإمام أحمد،حديث العرباض بن سارية،رقم الحديث: ١٧١٨٤/سنن أبى داؤد،باب فى لزوم السنة،رقم الحديث: ٤٦٠٩/سنن ابن ماجة،باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين،رقم الحديث: ٤٣/سنن الترمذى، باب الأخذ بالسنة واجتناب البدع،رقم الحديث: ٢٦٧٦/سنن الدارمى،باب اتباع السنة، رقم الحديث: ٩٥/صحيح ابن حبان،باب الاعتصام بالسنة ومايتعلق بها،رقم الحديث: ٥/مشكوة المصابيح،كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة،ص: ٣٠،فيصل بكڈپو،انيس)

(٢) عقد الجيد فى أحكام الاجتهاد والتقليد،باب تأكيد الأخذ بهٰذة المذاهب الأربعة: ١٣/١،انيس

(۴) **بیس رکعت تراویح کی حکمت:**

حکمائے امت اپنے ذوق کے مطابق بیس تراویح کی حکمتیں بھی ارشادفرمائی ہیں، یہاں تین اکابر کے اشادات نقل کئے جاتے ہیں:

(۱) البحر الرائق میں شیخ ابراہیم الحلبی الحنفی (متوفی ۹۵۶ھ) سے نقل کیا ہے:

"وذكر العلامة الحلبي أن الحكمة في كونها عشرين أن السنن شرعت مكملات للواجبات وهي عشرون بالوتر فكانت التراويح كذلك لتقع المساواة بين المكمل والمكمل انتهى". (البحر الرائق: ۷۲/۲)(۱)

(ترجمہ: علامہ حلبی نے ذکر کیا ہے کہ تراویح کے بیس رکعات ہونے میں حکمت یہ ہے کہ سنن، فرائض وواجبات کی تکمیل کے لئے مشروع ہوئی ہیں اور فرائض پنج گانہ وتر سمیت بیس رکعات ہیں، لہذا تراویح بھی بیس رکعات ہوئیں؛ تاکہ مکمل اور مکمل کے درمیان مساوات ہوجائے۔)

(۲) علامہ منصور بن یونس حنبلیؒ (متوفی ۱۰۴۶ھ) کشف القناع میں لکھتے ہیں:

"والسر فيه أن الراتبة عشر فضوعفت في رمضان؛ لأنه وقت جد". (کشف القناع عن متن الاقناع: ۳۹۲/۱)(۲)

ترجمہ: اور بیس تراویح میں حکمت یہ ہے کہ سنن مؤکدہ دس ہیں، پس رمضان میں ان کو دوچند کردیا گیا، کیونکہ وہ محنت وریاضت کا وقت ہے"۔

(۳) حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اس امر کو ذکر کرتے ہوئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تراویح کی بیس رکعتیں قرار دیں، اس کی حکمت یہ بیان فرماتے ہیں:

"وعدد عشرين ركعة وذلك أنهم رأوا النبي صلى الله عليه وسلم شرع للمحسنين إحدى عشرة ركعة في جميع السنة فحكموا أنه لاينبغي أن يكون حظ المسلم في رمضان عند قصده الاقتحام في لجة التشبه بالملكوت أقل من ضعفها". (حجة الله البالغة: ۱۸/۲)(۳)

(ترجمہ: اور یہ اس لئے کہ انہوں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محسنین کے لیے (صلوۃ اللیل کی) گیارہ رکعتیں پورے سال میں مشروع فرمائی ہیں، پس ان کا فیصلہ یہ ہوا کہ رمضان المبارک میں جب مسلمان تشبہ بالملکوت کے دریا میں غوطہ لگانے کا قصد رکھتا ہے تو اس کا حصہ سال بھر کی رکعتوں کے دوگنا سے کم نہیں ہونا چاہیے۔)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۸۶/۴-۱۸۷)

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۱۱۷/۲، مكتبة زكريا ديوبند، انيس

(۲) كشف القناع عن متن الاقناع، كتاب الصلاة، باب صلاة التطوع، فصل التراويح سنة مؤكدة سنها النبي صلى الله عليه وسلم: ۲۶۷/۳، انيس

(۳) حجة الله البالغة، من أبواب الصلاة، باب النوافل قيام شهر رمضان: ۸۰/۲، مكتبة حجاز ديوبند، انيس

لمعات المصابیح فی رکعات التراویح

تعداد تراویح پر مفصل بحث:

سوال: ایک عالم کہتا ہے کہ تراویح کی صرف آٹھ رکعتیں سنت ہیں اور کہتا ہے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس رکعتیں ثابت نہیں بلکہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ ہی رکعتیں پڑھی ہیں، دلیل میں بخاری مسلم اور ابن خزیمہ کی روایات پیش کرتا ہے: "**صلی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان رکعات ثم أوتر**"، (۱) اور کہتا ہے کہ خود فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بیس رکعتیں حضور صلی اللہ سے ثابت نہیں، کنز کی شرح الشرح فتح المبین میں ہے کہ تراویح گیارہ مع وتر ہیں، ما روی "**کان یصلی فی رمضان عشرین سوی الوتر**" ضعیف اور موطأ مالک وابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں گیارہ رکعات کا حکم دیا ہے۔ (۲)

دوسرا عالم آٹھ رکعات کے قائل کو کافر اور ملعون کہتا ہے؛ کیوں کہ بیس رکعات اجماع سے سنت مؤکدہ ہیں، اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی پہلا عالم کافر ہے؟ کیا بیس رکعات اجماع سے ثابت ہیں، اجماع کی تعریف کیا ہے؟ **بینوا بیاناً شافیاً توجروا أجراً وافیاً.**

الجواب ــــــــــــــــ منه الصدق والصواب

اہل حدیث مندرجہ ذیل روایات سے استدلال کرتے ہیں۔

(۱) **عن أبی سلمة بن عبد الرحمن أنه أخبره سأل عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما کیف کان**

---

(۱) عن سلمة قال: سألت عائشة عن صلاة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم؟ فقالت: کان یصلی ثلاث عشرة رکعة یصلی ثمان رکعات ثم یوتر، الخ. (صحیح لمسلم، باب صلاة اللیل وعدد رکعات النبی صلی الله علیه وسلم فی رمضان: ۲۵٤/۱، رقم الحدیث: ۱۷۵۸، انیس)

عن أبی سلمة قال سألت عائشة عن صلاة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم؟ فقالت: کان یصلی ثلاث عشر رکعة، یصلی ثمان رکعات، ثم یوتر، ثم یصلی رکعتین وهو جالس، الخ. (صحیح ابن خزیمة، باب الرخصة فی الصلاة بعد الوتر، ص: ۲۵٦، رقم الحدیث: ۱۱۰۲، انیس)

(۲) عن السائب بن یزید بن أنه قال: أمر عمر بن الخطاب أبی بن کعب وتمیما الداری أن یقوما للناس بإحدیٰ عشر رکعة. (موطأ الإمام مالک، ماجاء فی قیام رمضان، ص: ٤٠، انیس)

صلاۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی رمضان؟فقالت:ما کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علیٰ إحدیٰ عشرۃ رکعۃ یصلی أربعًا فلا تسأل عن حسنہن وطولہن، ثم یصلی أربعًا فلا تسأل عن حسنہن وطولہن،ثم یصلی ثلاثًا،قالت عائشۃ: فقلت:یا رسول اللّٰہ!أتنام قبل أن توتر،فقال:یاعائشۃ! إن عینی تنامان ولاینام قلبی.(صحیح البخاری:۱/۱٥٤)(۱)

(۲) حدثنا محمد بن حمید الرازی ثنا یعقوب بن عبد اللّٰہ ثنا عیسی بن جاریۃ عن جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال:صلیٰ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی رمضان لیلۃ ثمان رکعات والوتر،فلما کان من القابلۃ اجتمعنا فی المسجد ورجونا أن یخرج إلینا فلم نزل فیہ حتیٰ أصبحنا، قال:إنی کرہت وخشیت أن یکتب علیکم الوتر.(قیام اللیل للامام ابن نصرالمروزی،ص:۹۰)

(۳) وبہ عن جابررضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ جاء أبی بن کعب فی رمضان فقال:یارسول!کان منی لیلۃ شئ، قال:وما ذلک یا أبی، قال:نسوۃ داری قلن:أنا لا نقرأ القرآن،فنصلی خلفک بصلاتک؟فصلیت بہن ثمان رکعات والوترفسکت عنہ وکان شبہ الرضا.(قیام اللیل ،ص:۹۰)

(۴) مالک عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید أنہ قال: أمرعمربن الخطاب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ أبی بن کعب وتمیما الداری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما أن یقوما للناس بإحدیٰ عشرۃ رکعۃ.(موطأ مالک،ماجاء فی قیام رمضان،ص:۹۸)(۱)

حدیث اول کے جواب:

(۱) *اس حدیث میں اضطراب ہونے کی وجہ سے اس سے استدلال تام نہیں۔*

قال القرطبی:اشکلت روایات عائشۃ رضی تعالیٰ عنہا علیٰ کثیرمن أھل العلم حتیٰ نسب بعضہم حدیثہا إلیٰ الاضطراب.(فتح الباری:۳/۱۷)(۳)

(۲) *خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تیرہ رکعات کی روایت بھی بسند صحیح موجود ہے، چناں چہ حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ رفع اضطراب کی یہ صورت بیان فرماتے ہیں:*

والصواب أن کل شئ ذکرتہ من ذٰلک محمول علیٰ أوقات متعددۃ وأحوال مختلفۃ. (فتح الباری:۳/۱۷)(۴)

---

(۱) صحیح البخاری،باب قیام النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان:۱/۱٥٤،مکتبۃ رشیدیۃ،انیس
(۲) مؤطامالک،ماجاء فی قیام رمضان،ص:٤٠،ثاقب بکڈپو دیوبند،انیس
(۳) فتح الباری،باب کیف صلاۃ اللیل،وکم کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم باللیل:۳/۲٦،مکتبۃ أشرفیۃ دیوبند،انیس
(۴) فتح الباری،باب کیف صلاۃ اللیل،وکم یصلی کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم باللیل:۳/۲٦،مکتبۃ أشرفیۃ دیوبند،انیس

اس سے غیر مقلدین کا آٹھ رکعات میں تراویح کے انحصار اور اس سے زیادہ کے عدم ثبوت کا دعوی باطل ہوگیا، خود اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوری فرماتے ہیں:

إنـه قـد ثبـت أن رسـول الـلّٰـه صـلـى اللّٰه عليه وسلم كان قد يصلي ثلاث عشرة ركعة سوىٰ ركعتي الفجر. (تحفة الأحوذي: ۳/۲)(۱)

غرضیکہ اس حدیث میں اضطراب، یا آٹھ رکعات میں عدم انحصار میں سے کوئی ایک امر ضرور تسلیم کرنا پڑے گا۔

(۳)　اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سلام سے چار چار رکعات اور آخر میں ایک سلام سے تین رکعات وتر ادا فرماتے تھے، حالاں کہ غیر مقلدین کا عمل اس کے خلاف ہے، وہ تراویح دو دو رکعت پڑھتے ہیں اور وتر کی ایک ہی رکعت، یا تین رکعتیں دو سلام سے پڑھتے ہیں، لہٰذا جو حدیث خود مستدل کے ہاں متروک العمل ہے، اس سے استدلال صحیح نہیں۔

(۴)　حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث تہجد سے متعلق ہے، اس میں تراویح کا بیان نہیں ہے۔ ذیل میں اس پر چند قرائن ذکر کیے جاتے ہیں:

حدیث میں بیان تہجد پر شواهد:

(۱)　حدیث کے الفاظ **"مـا كـان رسـول الـلّٰـه صلى اللّٰه عليه وسلم يزيد في رمضان ولا في غيـره"** (۲) بتا رہے ہیں کہ سوال ہی ایسی نماز سے متعلق تھا، جو پورا سال پڑھی جاتی تھی، سوال میں خاص رمضان کے ذکر کی یہ وجہ ہے کہ دوسری روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں زیادہ نماز پڑھتے تھے، کماسیأتی إن شاء اللہ تعالی؛ اس لیے سائل کو خیال ہوا کہ شاید رمضان میں تہجد کی رکعات بھی زیادہ پڑھتے ہوں۔

(۲)　خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متعدد روایات صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیر رمضان کی بنسبت رمضان میں زیادہ نماز پڑھتے تھے، کماسنذکرھا ان شاء اللہ تعالیٰ، اس سے ثابت ہوا کہ حدیث زیر بحث میں صرف رکعات تہجد کا بیان ہے۔

(۳)　اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: **فقالت عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها فلقت يارسول اللّٰه أتنام قبل أن توتر، إلخ.** (۳) تراویح میں یہ بعید ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وتر سے قبل سوجاتے ہوں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم انتظار میں بیٹھے رہتے ہوں، اگر اسے تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس کا علم مردوں کو زیادہ ہونا چاہیے تھے، **لتـقـدم صفوفهم**، اس کے برعکس نماز تہجد گھر میں پڑھی جاتی ہے، اس میں گاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر سے قبل سوجاتے تھے۔

(۱)　تحفة الأحوذي، باب ما جاء في قيام شهر رمضان: ۳/۴۴۱، مكتبة أشرفية ديوبند، انيس

(۲-۳)　صحيح البخاري، باب قيام النبي صلى اللّٰه عليه وسلم بالليل في رمضان: ۱/۱۵۴، مكتبة رشيدية، انيس

(۴)　محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو تراویح کے باب میں ذکر نہیں فرمایا، چناں چہ امام محمد بن نصر المروزی اپنی کتاب قیام اللیل میں "**باب عدد الركعات التي يقوم بها الإمام اللناس في رمضان**" کے تحت بہت سی روایات لائے ہیں؛ مگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث اصح مافی الباب ہونے کے باوجود ذکر نہیں فرمائی؛ بلکہ اس کی طرف کوئی اشارہ تک بھی نہیں فرمایا۔

(۵)　محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ اس حدیث کو تعداد رکعات تراویح کی بجائے تہجد سے متعلقہ ابواب میں ذکر فرماتے ہیں، مثلاً صحیح بخاری میں مندرجہ ذیل ابواب میں ہے:

باب ما جاء في الوتر (١٣٥/١)

باب قيام النبي صلى الله عليه وسلم بالليل في رمضان وغيره (١٥٤/١)

باب فضل من قام رمضان (٢٦٩/١)

باب كان النبي صلى الله عليه وسلم تنام عينه ولا ينام قلبه (٥٠٣/١)

پہلی جگہ میں یہ الفاظ بھی ہیں: **كان يصلي إحدىٰ عشرة ركعة كانت تلك صلاته تعني بالليل فيسجد السجدة من ذلك قدر ما يقرأ أحدكم خمسين آية.** (۱) یہ الفاظ کس قدر نماز تہجد کی وضاحت کر رہے ہیں، نیز اس باب سے تثلیث وتر کا اثبات مقصود ہے، نہ کہ عدد رکعات تراویح۔

دوسرے باب میں قیام باللیل فی رمضان کے الفاظ ہیں اور قیام اللیل تہجد کو کہا جاتا ہے، پھر رمضان کے ساتھ وغیرہ کے اضافہ نے مزید وضاحت کردی کہ تہجد ہی مراد ہے۔

تیسرے باب میں بھی عدد رکعات کا بیان مقصود نہیں؛ بلکہ بیان فضل مقصود ہے۔

چوتھے باب میں نوم قبل الوتر کا بیان مقصود ہے، نہ کہ عدد رکعات، نیز نوم قبل الوتر مستقل دلیل ہے، یہاں نماز تہجد مراد ہے، کمامر۔

(۶)　**قال الحافظ رحمه الله تحت الحديث المذكور: وظهرلي أن الحكمة في عدم الزيادة علىٰ إحدىٰ عشرة أن التهجد والوتر مختص بصلاة الليل وفرائض النهار الظهر وهي أربع والعصر وهي أربع والمغرب وهي ثلاث وتر النهارفناسب أن تكون صلاة اليل كصلاة النهار في العددجملة وتفصيلا وأما منا سبة ثلاث عشرة فبضم صلاة الصبح لكونها نهارية إلىٰ ما بعدها.** (فتح الباري: ١٧/٣) (۲)

---

(۱)　صحيح البخاري، باب ماجاء في الوتر: ١/ ١٣٥، انيس

(۲)　فتح الباري، باب كيف صلاة الليل، وكم يصلي كان النبي صلى الله عليه وسلم بالليل: ٢٦/٣، مكتبة أشرفية ديوبند، انيس

حکمت مذکورہ کا مقتضی یہ ہے کہ اس نماز سے تہجد مراد ہے، علاوہ ازیں عبارت مذکورہ میں لفظ تہجد کی تصریح بھی ہے

تہجد وتراویح میں فرق:

اہل حدیث کہتے ہیں کہ تہجد وتراویح ایک ہی چیز ہے، ان کا یہ خیال وجوہ ذیل سے باطل ہے:

(۱) تہجد میں تداعی جائز نہیں اور تراویح میں تداعی ہوتی ہے۔

(۲) تراویح کا وقت قبل النوم ہے اور تہجد کا وقت معین نہیں، افضل وقت بعد النوم ہے۔

(۳) محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے تہجد اور تراویح ہر ایک کا باب جدا رکھا ہے، **کصنیع الامام مسلم وغیرہ،** صحیح مسلم کے ابواب اگر چہ خود امام مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائے؛ مگر احادیث کی ترتیب اور مناسب روایات کو ایک جگہ جمع کرنا تو خود امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے۔

نیز تراجم لکھنے والے بھی امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے بلند پایہ شاگرد اور مشہور محدثین میں سے ہیں۔

(۴) نماز تہجد پہلے فرض تھی، اس کے بعد وحی الٰہی نے اس کی فرضیت منسوخ کردی، اب دوبارہ فرضیت کا خطرہ نہ رہا، حالاں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیام لیل پر دوام نہ فرمانے کی حکمت خشیت فرضیت بیان فرتے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ یہ قیام لیل تہجد سے مغایر ہے؛ کیوں کہ تہجد کی فرضیت تو پہلے منسوخ کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطمئن فرما دیا گیا تھا۔

(۵) تہجد کا حکم قرآن کریم میں ہے:

﴿ومن الیل فتهجد به نافلة لک عسیٰ أن یبعثک ربک مقامًا محمودا﴾(۱)

﴿یآیها المزمل قم الیل إلا قلیلا نصفه أو انقص من قلیلا. أو زد علیه ورتل القرآن ترتیلا﴾(۲)

اور تراویح کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سننت لک قیامه. (نسائی: ۳۰۸/۱)(۳)

یعنی تراویح کا حکم وحی غیر متلو سے ہے، اس سے ثابت ہوا کہ یہ تہجد کے علاوہ ہے، اس میں یہ تاویل نہیں چل سکتی کہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمودہ حکم کا عملی طریقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے؛ اس لیے کہ اس حدیث میں بصورت تقابل ارشاد ہے:

إن اللّٰه تبارک وتعالیٰ فرض صیام رمضان علیکم وسننت لکم قیامه.(۴)

---

(۱) سورة الإسراء: ۷۹، انیس

(۲) سورة المزمل: ۱، انیس

(۳-۴) سنن النسائی، ثواب من قام رمضان وصامه إیمانا واحتسابا: ۳۰۸/۱، انیس

حالانکہ صوم رمضان کا عملی طریقہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے بیان فرمایا ہے، مع ہذا صورت تقابل سے ثابت ہوا کہ حکم صوم وحی متلو سے ہے اور حکم تراویح وحی غیر متلو سے۔

(۶)　حدیث میں تراویح کا نام ''قیام رمضان'' مستقل دلیل ہے کہ یہ تہجد سے الگ ہے؛ کیوں کہ تہجد رمضان کے ساتھ مخصوص نہیں۔

(۷)　تہجد کا حکم مکہ مکرمہ میں ہوا ہے اور تراویح کا مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد۔

(۸)　فقہ حنبلی کی مشہور کتاب مقنع میں ہے:

''ثم التراويح وهى عشرون ركعة يقوم بها فى رمضان فى جماعة ويوتر بعدها فى الجماعة فإن كان له تهجد جعل الوتر بعده''. (مقنع:۱۸۴)(۱)

اس سے ثابت ہوا کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تہجد اور تراویح کو متغایر سمجھتے تھے۔

(۹)　امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی اسی طرح منقول ہے کہ ابتداء شب میں اپنے شاگردوں کے ساتھ باجماعت تراویح پڑھتے تھے اور اس میں ایک بار قرآن کریم ختم کرتے تھے اور بوقت سحر تہجد انفراداً پڑھتے تھے۔

(۱۰)　تہجد کی متعین رکعات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں؛ یعنی مع الوتر زیادہ سے زیادہ تیرہ اور کم از کم سات اور تراویح سے متعلق خود اہل حدیث حضرات کی شہادتیں ہیں کہ ان کا کوئی معین عدد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

اہل حدیث حضرات کی شہادات:

(۱)　قال شيخ الإسلام العلامة ابن تيمية: ومن ظن أن قيام رمضان فيه عدد موقت عن النبى صلى الله عليه وسلم لايزاد ولاينقص منه فقد أخطأ. (فتاویٰ ابن تیمیة: ۲/۴۰۱)(۲)

(۲)　قال العلامة السبكى: اعلم أنه لم ينقل كم صلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى تلك الليالى هل هوعشرون أو أقل. (شرح المنهاج)(۳)

(۳)　قال العلامة جلال الدين السيوطى: إن العلماء اختلفوا فى عددها ولو ثبت ذٰلک من فعل النبى صلى الله عليه وسلم لم يختلف فيه كعدد الوتر والرواتب. (المصابيح: ۷۴)(۴)

(۴)　قال العلامة الشوكانى: والحاصل الذى دلت عليه احاديث الباب وما يشابهها هو

(۱)　المبدع شرح المقنع، باب صلاة التطوع: ۲/۱۹-۲۱، دارعالم الكتب الرياض، انیس
(۲)　الفتاویٰ الكبرىٰ، مسألة فيما يشتبه على الطالب: ۲/۱۲۰، دارالكتب العلمية بيروت، انیس
(۳)　الحاوى للفتاوىٰ للسيوطى، الفتاوىٰ القرآنية: ۱/۳۳۷، دارالكتب العلمية بيروت، انیس
(۴)　الحاوى للفتاوىٰ للسيوطى، الفتاوىٰ القرآنية: ۱/۳۳۶، دارالكتب العلمية بيروت، انیس

مشروعية القيام في رمضان والصلاة فيه جماعة وفرادیٰ فقصر الصلاة المسماة بالتراويح علیٰ عدد معين وتخصيصها بقراء ة مخصوصة لم ترد به سنة.(نيل الأوطار: ۴۶۱/۱)(۱)

(۵) مولوی وحید الزماں صاحب فرماتے ہیں: ولا يتعين لصلاة ليالي رمضان يعني التراويح عدد معين.(نزل الأبرار: ۱۲۶/۱)

(۶) ابوالخیر میر نور الحسن خاں صاحب لکھتے ہیں: وبالجملہ عددے معین درمرفوع نیامدہ۔(العرف الجادی:۸۴)

(۷) نواب صدیق حسن خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں: إن صلاة التراويح سنة بأصلها لما ثبت أنه صلى اللّٰه عليه وسلم في ليالي ثم تركها شفقة على الأمة أن لا تجب على العامة أويحسبوها واجبة ولم يأت تعين العدد في الروايات الصحيحة المرفوعة لكن يعلم من حديث كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يجتهد في رمضان ما لايجتهد في غيره رواه مسلم أن عددها كثير.(الانتقاد الرجيع: ۶۱)

دوسری حدیث کا جواب:

اس حدیث سے اس لیے استدلال صحیح نہیں کہ اس میں دو راوی ضعیف ہیں:

(۱) محمد بن حمید الرازی، ضعفه الحافظ رحمه اللّٰه تعالیٰ في التقريب.(۲)

۲ عیسی بن جاریۃ، حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تہذیب التہذیب میں اور حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں فن جرح وتعدیل کے مسلم امام یحییٰ بن معین سے اس کی تضعیف اور منکر الحدیث ہونا نقل کیا ہے، اسی طرح ابن عدی اور ساجی عقیلی نے بھی اسے ضعفاء میں شمار کیا ہے، امام نسائی نے متروک اور منکر الحدیث کہا ہے، امام ابوداؤد نے بھی اسے منکر الحدیث قرار دیا ہے اور اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری علامہ سخاویؒ سے نقل فرماتے ہیں: منكر الحديث وصف في الرجل يستحق به الترك لحديثه.(ابكار المنن: ۱۹۱)(۳)

---

(۱) نيل الأوطار، باب صلاة التراويح: ۶۳/۳، إدارة الطباعة المنيرية، انيس

(۲) محمد بن حميد بن حيان الرازي حافظ ضعيف وكان بن معين حسن الرأي فيه من العاشرة مات سنة ثمان وأربعين.(تقريب التهذيب، فصل خ، رقم: ۵۸۳۴، انيس)

(۳) عيسى بن جارية يروي عن يعقوب القمي قال يحيى عنده احاديث مناكير وقال النسائي متروك الحديث.(الضعفاء والمتروكين لابن الجوزي، من اسمه عيسیٰ: ۲۳۸/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

عيسى بن جارية الأنصاري عن جابر مختلف فيه قال النسائي متروك وقال أبو زرعة لا بأس به.(المغني في الضعفاء، حرف العين: ۴۹۶/۲، انيس)

عيسى بن جارية الانصاري المدني، روى عن جرير البجلي وجابر بن عبدالله وشريك رجل له صحبة وابن المسيب وأبي سلمة بن عبدالرحمن وسالم بن عبداللّٰه بن عمر، وعنه أبو صخر حميد بن زياد ==

اتنے ائمہ نے عیسی بن جاریہ پر اتنی شدید جرح کی ہے، اتنی بڑی جماعت کے مقابل صرف ابوزرعہ نے ''لا بأس'' کہا ہے اور ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، بوجوہ ذیل جرح راجح ہے:

(۱) اصول حدیث کے قاعدہ کے مطابق تعدیل پر جرح مفسر کو ترجیح ہوتی ہے۔

(۲) جارحین کی ایک جماعت ہے اور وہ مسلم امام ہیں۔

(۳) جرح بہت شدید ہے، چناں چہ منکر الحدیث سے متعلق خود اہل حدیث کا فیصلہ اوپر نقل کیا جاچکا ہے۔

لہٰذا یہ روایت قابل قبول نہیں بالخصوص جب کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرنے میں عیسی متفرد ہے، **قال الإمام الطبرانی: لایروی عن جابر بن عبد اللّٰہ إلا بھٰذا الأسناد،** (۱) کسی دوسرے صحابی سے بھی اس حدیث کا کوئی شاہد نہیں۔

تیسری حدیث کا جواب:

اس حدیث کی سند بھی بعینہ وہی ہے، جو دوسری حدیث کی ہے؛ اس لیے یہ بھی قابل قبول نہیں۔

چوتھی حدیث کے جوابات:

(۱) یہ روایت مضطرب المتن ہے۔

اختلف فیہ علٰی محمد بن یوسف فروی عنہ مالک فی الموطأ ویحیٰی القطان عند ابن أبی شیبة وعبد العزیز بن محمد عند سعید ابن منصور ھٰکذا (إحدٰی عشرة رکعة) ورواہ محمد بن نصر فی قیام اللیل من طریق محمد ابن إسحٰق عن محمد بن یو سف فقال: ثلاث عشرة ورواہ عبد الرزاق من وجہ أخر عن محمد بن یوسف فقال: إحدٰی وعشرین، قالہ الحافظ فی الفتح (۲۱۹/٤) (إعلاء السنن: ۴۸/۷) (۲)

محمد بن یوسف کے پانچ شاگرد ہیں، ان میں سے تین گیارہ رکعات، ایک تیرہ اور ایک اکیس رکعت نقل کرتا ہے، پھر گیارہ رکعت نقل کرنے والوں کے بھی متن آپس میں مختلف ہیں، تینوں کے متون ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

== وزید ابن أبی أنیسة ویعقوب القمی وعنبسة بن سعید الرازی وسعید بن محمد الانصاری، قال ابن أبی خیثمة عن ابن معین: لیس بذاک لا أعلم أحدا روی عنہ غیر یعقوب، وقال الدوری عن ابن معین: عندہ مناکیر حدث عنہ یعقوب القمی وعنبسة قاضی الری وقال أبو زرعة: لا بأس بہ وقال أبو حاتم عیسی الدوری عن أبی سلمة وعنہ زید بن أبی أنیسة ھو عندی عیسی بن جاریة وقال الآجری عن أبی داود: منکر الحدیث وقال فی موضع آخر: ما أعرفہ وروی مناکیر وذکرہ ابن حبان فی الثقات، لہ عندہ حدیث جابر خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بمکة فمر علی رجل یصلی وذکرہ الساجی والعقیلی فی الضعفاء وقال ابن عدی أحادیثہ غیر محفوظة (تھذیب التھذیب: ۱۸٦/۸، انیس)

(۱) المعجم الصغیر، من اسمہ عثمان، فی ضمن رقم الحدیث: ۵۲۵، انیس

(۲) إعلاء السنن، باب التراویح: ۸٤/۷، مکتبة أشرفیة دیوبند، انیس

امام مالکؒ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں۔

یحییٰ القطانؒ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ پر لوگوں کو جمع کیا، پس وہ دونوں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔

عبدالعزیز بن محمدؒ: ہم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔

(۲) قال ابن عبد البر روی غیر مالک فی الحدیث إحدٰی وعشرین وهو الصحیح ولا أعلم أحدًا قال فیه إحدٰی عشرة إلا مالكًا (إلٰی أن قال) الأغلب عندی أن قوله إحدٰی عشرة وهم، كذا فی التعلیق الحسن نقلا عن الزرقانی فی شرح الموطا (۵۲/۲).

قلت: لم یهم فیه مالک لمتابعة إثنین له فی ذلک عن محمد بن یوسف بل الوهم عندی فیه من محمد بن یوسف فإنه قال مرة إحدٰی وعشرین ومرة إحدٰی عشرة وتارة ثلاث عشرة والجمع بینها بالحمل علٰی اختلاف الأحوال ونحوه كما قال الحافظ وغیره بعید مستغنی عنه فإن المخرج واحد فكیف یصح حمله علٰی اختلاف الأحوال والمحفوظ ما رواه یزید بن خصیفة عن السائب بن یزید قال: كانوا یقومون علٰی عهد عمر بن الخطاب رضی اللّٰه تعالٰی عنه فی شهر رمضان بعشرین ركعة، كما ذكرناه فی المتن، أخرجه البیهقی وسنده صحیح وعزاه الحافظ فی الفتح إلٰی مالک أیضًا . (إعلاء السنن: ۴۸/۷)

سائب بن یزید کے دو شاگرد ہیں: محمد بن یوسف اور یزید بن خصیفہ، محمد بن یوسف کا شدید اختلاط اوپر بیان ہوا کہ ان کے پانچوں شاگردان سے مختلف متن روایت کرتے ہیں، حافظ ابن عبدالبر نے اکیس رکعات کی روایت کو ترجیح دی ہے، اب یزید بن خصیفہ کی بیس رکعات والی روایت کی وجوہ قوت ملاحظہ ہوں۔

بیہقی نے سنن کبریٰ: ۴۹۶/۲ میں اس روایت کو عن ابی الذئب عن یزید بن خصیفہ نقل کیا ہے اور یہی روایت بیہقی نے معرفۃ السنن والآثار میں عن محمد بن جعفر عن یزید بن خصیفۃ ذکر کی ہے، غرضیکہ یزید کے دونوں شاگرد متفق ہیں، ان میں محمد بن یوسف کے شاگردوں کی طرح اختلاف نہیں، پہلی سند کی امام نووی ا، امام سیوطی اور امام عراقی وغیرہم نے تصحیح کی ہے۔ (إرشاد الساری، تحفۃ الاخیار، ص: ۱۹۲، تحفۃ الأحوذی: ۷۵/۲)

دوسری سند کو امام سبکی نے شرح المنہاج میں اور ملا علی قاری نے شرح مؤطا میں صحیح قرار دیا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی: ۷۵/۲)

کسی متعسف کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اس روایت میں ابوعبداللہ ابن فنجو یہ دینوری ہیں، جن کی عدالت معلوم نہیں، اولاً اتنے جلیل القدر ائمۂ حدیث کی طرف سے اس روایت کی توثیق ثابت ہو جانے کے بعد یہ اشکال محض تعسف ہے،

ثانیاً کسی راوی کی تعدیل کے لیے اس پر کسی شہادت کا ہونا ضروری نہیں؛ بلکہ اس پر جرح کا نہ پایا جانا اور اہل فن میں اس کی شہرت تعدیل کے لیے کافی ہے۔

قال ابن الصلاح فی المقدمة: عدالة الراوی تارة تثبت بتنصیص معدلین علٰی عدالته وتارة تثبت بالاستفاضة فمن اشتهرت عدالته بین أهل النقل أونحوهم من أهل العلم وشاع الثناء علیه بالثقة والإمانة استغنی فیه بذلک عن بینه شاهدة بعدالته تنصیصا هٰذا هوالصحیح فی مذهب الشافعی وعلیه الاعتماد فی فن أصول الفقه. (مقدمہ،ص:۴۰)(۱)

وقال الحافظ ابو عمروا بن عبد البر: کل حامل علم معروف العنایة به فهو عدل محمول فی أمره أبداً علی العدالة حتٰی یتبین جرحه. (حوالہ بالا)(۲)

ابوعبداللہ ابن فنجو یہ پر کوئی جرح منقول نہیں اور اہل فن میں شہرت رکھتے ہیں، چناں چہ ذہبی نے ۴۱۴ھ میں وفات پانے والے مشہور محدثین میں آپ کو ذکر کیا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ:۳/۲۴۴)

اور ابن اثیر جزریؒ فرماتے ہیں:

عرف بها أبوعبد اللّٰه الحسین بن محمد بن الحسین فنجویه الفنجوبی الدینوری الحافظ روی عن أبی الفتح محمد بن الحسین الأودی المصلی وأبی بکر ابن مالک القطعی وغیرهما روی عنه أبوإسحاق الثعلبی فأکثرفی تفسیره ویذکر کثیراً فیقول: أخبرنا الفنجوبی.

علاوہ ازیں سمعانی نے برہان دینوری کے شاگردوں میں آپ کا ذکر کیا ہے اور امام بیہقی نے سنن میں آپ سے بکثرت روایت کی ہے۔

(۳) یہ روایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسری صحیح اور قوی روایات کے خلاف ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات کی مزید قویۃ الاسناد روایات ہم آگے ذکر کریں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

(۴) خود امام مالک رحمہ اللہ نے اس روایت کو قابل عمل نہیں سمجھا؛ اسی لیے وہ آٹھ رکعات کے قائل نہ ہوئے۔

(۵) خود موطا ہی میں امام مالک رحمہ اللہ نے بیس رکعتیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ سے نقل کی ہیں۔ (موطأ مالک، ص:۴۰، فتح الباری:۴/۲۱۹)(۲)

(۶) اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گیارہ رکعات کا حکم دیا ہوتا تو حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ

(۱-۲) مقدمة ابن الصلاح،الثالث والعشرون معرفة صفة من تقبل روایته ومن ترد روایته: ٦١،مکتبة الفارابی،انیس

(۳) عن یزیدبن رومان أنه قال: کان الناس یقومون فی زمان عمرالخطاب فی رمضان بثلٰث وعشرین رکعة. (موطأ الإمام مالک، ماجاء فی قیام رمضان، ص: ٤٠،انیس)

تعالیٰ عنہما ومن بعدھم سے بھی اس قسم کی روایت، یا اس پر عمل منقول ہوتا؛ مگر ایسی کوئی بھی روایت نہیں۔

(۷) ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اولا حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف آٹھ رکعات کی روایت پہنچی ہو؛ اس لیے یہ حکم دیا، بعد میں بیس رکعات کی روایت معلوم ہوئی تو اس کا حکم نافذ کیا۔

موطا کی ایک اور روایت کی وضاحت:

موطا میں ایک اور روایت ہے:

عن الأعرج قال: ما أدركت الناس إلا وهم يلعنون الكفرة فى رمضان، قال: وكان القارى يقرأ بسورة البقرة فى ثمان ركعات فإذا أقام بها فى إثنتى عشرة ركعة رأى الناس أنه قد خفف. (موطأ مالک)

اس میں اس پر دلیل نہیں کہ کبھی آٹھ رکعات پڑھتے تھے اور کبھی بارہ؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ مقدار قرأت اتنی ہوتی تھی کہ بقرہ جیسی سورت آٹھ رکعات میں ختم کرتے تھے، مجموعہ رکعات کی تعداد کا بیان اس میں نہیں، **لما جاء الاحتمال بطل الاستدلال.**

بیس تراویح کا ثبوت:

(۱) **قالت عائشة رضى الله تعالىٰ عنها: كان رسول صلى الله عليه وسلم يجتهد فى العشر الأواخر ما لايجتهد فى غيره.** (رواه مسلم)(۱)

(۲) **وعنها رضى الله تعالىٰ عنها قالت: كان النبى صلى الله عليه وسلم إذا دخل لعشر شد ميزره وأحيى ليله وأيقظ أهله، أخرجه البخارى.** (فتح البارى: ۳۳۸/۸)(۲)

(۳) **روى البيهقى فى شعب الإيمان عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها مرفوعًا كان إذا دخل شهر رمضان شد ميزره ثم لم يأت فراشه حتىٰ ينسلخ وإسناده حسن.**(۳)

(۴) **وعنها رضى الله تعالىٰ عنها قالت: كان إذا دخل رمضان تغير لونه وكثرت صلاته وابتهل فى الدعاء وأشفق لونه، كذا فى العزيزى(۱۲۷/۳)**(۴)

احادیث مذکورہ سے ثابت ہوا کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں زیادہ رکعات پڑھا کرتے تھے، یہ احتمال کہ آٹھ رکعت میں رات گذار دیتے تھے بہت بعید ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں طول قیام کی مشقت شدیدہ ہے اور

---

(۱) الصحيح لمسلم، باب الاجتهاد فى العشر الأواخر من شهر رمضان: ۳۷۲/۱، رقم الحديث: ۱۱۷۵، أشرفى بكڈپو ديوبند/صحيح ابن خزيمة، باب استحباب الإجتهاد فى العمل فى العشر، رقم الحديث: ۲۲۱۵، انيس

(۲) صحيح البخارى، أبواب العمل فى العشر الأواخر من رمضان: ۲۷۱/۱، انيس

(۳) شعب الإيمان للبيهقى، فضائل شهر رمضان، رقم الحديث: ۳٦۲٤، انيس

(۴) شعب الإيمان للبيهقى، فضائل شهر رمضان، رقم الحديث: ۳٦۲٥، انيس

حدیث میں ''طالت صلا ته'' کی بجائے ''کثرت صلا ته'' کا لفظ اس پر بین دلیل ہے کہ رکعات میں زیادتی مراد ہے۔نواب صدیق حسن خان اہل حدیث تحریر فرماتے ہیں:

یعلم من حدیث کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم یجتهد فی رمضان ما لایجتهد فی غیره،رواه مسلم أن عددها کثیر. (الانتقاد الرجیع،ص:٦١)

مذکورہ بالا روایات میں آٹھ رکعتوں سے زیادتی ثابت ہوئی،اگرچہ بیس کی تعیین نہیں اور ذیل کی روایت میں بیس کی تعیین ہے۔

(۵)　عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر،أخرجه ابن أبی شیبة فی مصنفه والبغوی فی معجمه والطبرانی فی الکبیر له والبیهقی فی سننه. (التعلیق الحسن:٥٦/٢)

صاحب فتح القدیر اور دیگر بعض مصنفین کا اس حدیث کو راوی ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے ضعیف کہنا بوجوہ ذیل صحیح نہیں:

(۱)　مختلف محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔

قال ابن عدی:له أحادیث صالحة وهو خیر من إبراهیم بن أبی حنیفة وقال یزید بن ها رون: وکان علیٰ کتابته أیام کان قاضیًا ماقضٰی علی الناس رجل یعنی فی زمانه أعدل فی قضائه منه.(تهذیب:١٤٥/١)(۱)

اس سے ثابت ہوا کہ ابراہیم ابن عثمان،ابراہیم بن ابی حیہ سے زیادہ ثقہ ہیں،حالاں کہ ابراہیم بن ابی حیہ بھی ثقہ اور حسن الحدیث ہیں۔

ونقل عثمان بن سعید الدارمی عن یحی بن معین أنه قال:شیخ ثقة کبیر.(کذا فی اللسان:٥٣/١)(۲)

ابراہیم بن ابی حیہ بھی ثقہ ہیں تو ابراہیم بن عثمان بطریق اولیٰ ثقہ ثابت ہوئے۔

یزید بن ہارون کی تعدیل بہت وزن رکھتی ہے؛اس لیے کہ یہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ الاستاذ نہایت ثقہ اور زبردست حافظ ہیں،نیز یہ ابراہیم کے حالات سے بنسبت خارجین کے زیادہ باخبر تھے؛اس لیے کہ یزید ان کے محکمہ میں محرر تھے۔

(۲)　ضعیف حدیث کی صحت پر جب قرائن موجود ہوں تو یہ حدیث صحیح ہوتی ہے،اس پر مندرجہ ذیل شواہد ہیں:

(۱)　خود ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ لکھا ہے اور مثال میں بیان کیا ہے،ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ''غسل ثلاثاً من ولوغ الکلب'' اس پر قرینہ ہے کہ اس بارہ میں حضرت ابوہریرہ کی مرفوع روایت صحیح ہے۔(فتح القدیر:۶۴/۱)

---

(۱)　تهذیب التهذیب،ذکر من اسمه أحمد:١٢٦/١،انیس

(۲)　لسان المیزان،من اسمه إبراهیم:٥٢/١،دائرة المعرف النظامیة الهند،انیس

(۲)　وفیہ أیضًا: والحاصل أن غیر المرفوع أو المرفوع المرجوح فی الثبوت عن مرفوع أخر قد یقدم علٰی عدیلہ إذا اقترن بقرائن تفید أنہ صحیح عنہ علیہ الصلاۃ والسلام مسمر علیہ. (فتح القدیر: ۱/۱۱۲)(۱)

(۳)　حدیث مرسل عند الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ضعیف ہے؛ مگر اس سے قول صحابی موافق ہوجائے تو بالاتفاق حجت ہے، اس کی بھی ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح کی ہے:

"قول الترمذی العمل علیہ عند أہل العلم یقتضی قوۃ أصلہ وإن ضعف خصوص ہٰذا الطریق وہو کذلک". (فتح القدیر: ۱/۱۸۸)(۲)

(۴)　روی أسد بن عمرو بن یوسف قال: سألت أباحنیفۃ رحمہ اللّٰہ تعالٰی عن التراویح وما فعلہ عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ؟ فقال: التراویح سنۃ مؤکدۃ ولم یتخرصہ عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ من تلقاء نفسہ ولم یکن فیہ مبتدعًا ولم یأ مربہ إلا عن أصل لدیہ وعہد من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، کذا فی مراقی الفلاح نقلا عن الإختیار (ص: ۲۳۹)(۲)

غرضیکہ حدیث نمبر: ۵ کو بالفرض ضعیف بھی تسلیم کرلیا جائے، تب بھی پہلی چار روایتیں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومن بعدہم ساری امت کا اجماع اس حدیث کی صحت پر حجت بینہ ہے، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اعتراف کرتے ہیں کہ بعض ضعیف ایسے ہیں، جو امت کی تلقی بالقبول سے رفع ہوگئے ہیں، (اخبار اہلحدیث ۱۹/ اپریل ۱۹۰۷ء) اور آٹھ رکعات والی حدیث اس کے خلاف نہیں؛ اس لیے کہ یہ آٹھ رکعتیں تہجد کی تھیں، علاوہ ازیں آٹھ رکعات والی حدیث میں اضطراب ہے؛ (فتح الباری: ۳/۱۷) یعنی ابوسلمہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے روایت کرتے ہیں:

ما کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علٰی إحدٰی عشرۃ رکعۃ.(۴)

اور حضرت عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں:

أنہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یصلی باللیل ثلث عشرۃ رکعۃ ثم یصلی إذا سمع النداء بالصبح رکعتین خفیفتین، رواہ البخاری وقد مر تفصیلہ. (فتح الباری: ۳/۳۷)

(۶)　علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین تمسکو ابہا وعضوا علیہا بالنواجذ. (رواہ أحمد وأبوداؤد والترمذی وابن ماجۃ)(۴)

(۱-۲)　فتح القدیر، باب صفۃ الصلاۃ، انیس

(۳)　مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، فصل فی صلاۃ التراویح، ص: ۱۸۳/ الإختیار لتعلیل المختار، باب صلاۃ التراویح: ۱/۶۸، مطبعۃ الحلبی، انیس

(۴)　مسند الإمام أحمد، حدیث العرباض بن ساریۃ، رقم الحدیث: ۱۷۱۸۴/ سنن أبی داؤد، باب فی لزوم السنۃ، رقم الحدیث: ۴۶۰۹/ سنن ابن ماجۃ، باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین، رقم الحدیث: ۴۳/ سنن الترمذی، باب الأخذ بالسنۃ واجتناب البدع، رقم الحدیث: ۲۶۷۶، انیس

اس حدیث میں سنت خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اتباع کو واجب قرار دیا گیا ہے، پس جو امر خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل سے ثابت ہوگا، وہ حکما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ثابت اور آپ کی طرف سے مأمور بہ قرار پائے گا، پس اگر بیس رکعات تراویح کا ثبوت خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ بھی ہوتا تو بھی اس حدیث سے بیس رکعات کا حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ثابت ہوا۔

بیس رکعات پر اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم:

(۱) "عن السائب بن يزيد قال كنا نقوم من زمن عمر بن الخطاب رضى اللّٰه تعالىٰ عنه بعشرين ركعة والوتر"،رواه البيهقى فى المعرفة وصححه السبكى فى شرح المنهاج .(التعليق الحسن:٢/٥٤)

(٢) وفى لفظ له من طريق آخرقال كانوا يقومون علىٰ عهد عمر بن الخطاب رضى اللّٰه تعالىٰ عنه فى شهر رمضان بعشرين ركعة وقال: كانوا يقرؤن بالمئين وكانوا يتوكؤن علىٰ عصيهم فى عهد عثمان بن عفان رضى اللّٰه تعالىٰ عنه من شدة القيام، صححه النووى فى الخلاصة وابن لعراقى فى شرح التقريب والسيوطى فى المصابيح. (حوالہ بالا)

(٣) عن يحيىٰ بن سعيد أن عمر بن الخطاب رضى اللّٰه تعالىٰ عنه أمر رجلاً يصلى بهم عشرين ركعة،رواه أبوبكرابن أبى شيبته فى مصنفه وإسناده مرسل قوى.(آثارالسنن: ۲/ ۵۵)

(۴) عن عبد العزيز بن رفيع قال:كان أبى بن كعب رضى اللّٰه تعالىٰ عنه يصلى بالناس فى رمضان بالمدينة عشرين ركعة يو تر بثلاث،أخرجه أبو بكر ابن أبى شيبة فى مصنفه وإسناده مرسل قوى.(حوالہ بالا)

(۵) عن أبى الحسناء أن على بن أبى طالب رضى اللّٰه تعالىٰ عنه أمررجلاً يصلى بالناس خمس ترويحات عشرين ركعة،رواه البيهقى فى سننه وضعفه.(كنزالعمال:٤/٢٨٤)

(٦) أخرج البيهقى رواية أبى عبد الرحمن السلمى عن على رضى اللّٰه تعالىٰ عنه وسيجئ مفصلا عن قريب إن شاء اللّٰه تعالىٰ.

(۷) عن شتير بن شكل وكان من أصحاب على رضى اللّٰه تعالىٰ عنه أنه كان يؤمهم فى رمضان بعشرين ركعة ويؤتر بثلاث وفى ذلک قوة.(البيهقى:٢/٤٩٦)

(٨) عن يزيد بن رومان أنه قال كان الناس يقومون فى زمان عمربن الخطاب رضى اللّٰه تعالىٰ عنه فى رمضان بثلٰث وعشرين ركعة،رواه مالک وإسناده قوى مرسل.(البيهقى:٢/٤٩٦)

(٩) عن عطاء قال:ادركت الناس وهم يصلون ثلاثا وعشرين ركعة بالوتر. (أبوبكر ابن أبى شيبة وإسناده حسن)

(۱۰) عن أبی الخصیب قال: كان یؤمنا سوید بن غفلة فی رمضان، فیصلی خمس ترویحات عشرین ركعة. (البیهقی: ۲/٤٩٦، وإسناده حسن)

(۱۱) عن نافع بن عمرقال كان ابن أبی ملیكة یصلی بنافی رمضان عشرین ركعة . (ابن أبی شیبة وإسناده حسن)

(۱۲) عن سعید بن عبید ان علی بن ربیعة كان یصلی بهم فی رمضان خمس ترویحات ویوتر بثلاث. (ابن أبی شیبة وإسناده حسن)

(۱۳) قال محمد بن كعب القرظی: كان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللّٰه تعالٰی عنه فی رمضان عشرین ركعة یطیلون فیها القراء ة ویوترون بثلاث. (قیام اللیل : ۹۱)

(۱۴) قال الأعمش: كان (عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه تعالیٰ عنه) یصلی عشرین ركعة ویوتر بثلاث. (حوالہ بالا)

(۱۵) سیأتی عن المغنی روایة صالح مولی التوأمة.

(۱٦) قال الحافظ ابن قدامة فی المغنی: والمختار عند أبی عبد اللّٰه رحمه اللّٰه تعالٰی فیها عشرون ركعة وبهذا قال الثوری وأبوحنیفة والشافعی وقال مالک: ست وثلا ثون وزعم أنه الأمرالقدیم وتعلق بفعل أهل المدینة فإن صالحًا مولی التوأمة قال: أدركت الناس یقومون بإحدٰی وأربعین ركعة یو ترون منها بخمس، ولنا أن عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنه لما جمع الناس علی أبی بن كعب رضی اللّٰه تعالٰی عنه كان یصلی بهم عشرین ركعة، رواه أبوداؤد عن السائب بن یزید وروی عنه من طرق وروی مالک عن یزید بن رومان قال: كان الناس یقومون فی زمن عمررضی اللّٰه تعالٰی عنه فی رمضان بثلاث عشرین ركعة، وعن علی رضی اللّٰه تعالٰی أنه أمر رجلاً یصلی بهم فی رمضان عشرین ركعة، وهٰذا كالاجماع وأما ماروا ه صالح فإن صالحًا ضعیف ثم لا ندری من الناس الذین أخبرعنهم فلعله قد أدرک جماعة من الناس یفعلون ذلک ولیس ذلک بحجة، ثم لو ثبت أن أهل المدینة كلهم فعلوه لكان مافعله عمر وأجمع علیه الصحابة رضی اللّٰه تعالٰی عنهم فی عصره أولٰی بالاتباع، قال بعض أهل العلم: إنما فعل هٰذا أهل المدینة؛ لأنهم أرادوا مساواة أهل مكة فإن أهل مكة یطوفون سبعًا بین كل ترویحتین، فجعل أهل المدینة مكان كل سبع أربع ركعات وما كان علیه أصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أولٰی وأحق أن یتبع. (المغنی: ۱/۸۰۳)

(۱۷) قال ابن حجر المكی الشافعی: اجتمعت الصحابة رضی اللّٰه تعالٰی عنهم علی أن التراویح عشرون ركعة. (مرقاة المفاتیح)

(۱۸) التراويح سنة مؤكدة عشرون ركعة برمضان والأصل فى مسنونيتها الاجماع. (نيل المآرب فى الفقه الحنبلى)

(۱۹) قال العلامة القسطلانى فى شرح الصحيح للبخارى: وقد عدوا ما وقع فى زمان عمر رضى الله تعالىٰ عنه كالاجماع.

(۲۰) روى محمد بن نصر من طريق داود بن قيس قال: أدركت الناس فى إمارة أبان بن عثمان وعمر بن عبد العزيز يعنى بالمدينة يقومون بست وثلاثين ويوترون بثلاث. (فتح البارى: ٢٢/٤)

(۲۱) عن الزعفرانى عن الشافعى رحمه الله تعالىٰ أنه قال: رأيت الناس يقومون بالمدينة بتسع وثلا ثين وبمكة بثلاث وعشرين. (حوالہ بالا)

قال الشيخ: يرد علىٰ هؤلاء أحداث البدعة فى الدين فإن قيام رمضان بسته وثلا ثين لم يثبت عن أحد من الخلفاء ولم يرد ذلك فى أثرمن الصحابة ثم أجاب وقال: والله أعلم لعلهم لم يرو التحديد فيه وظنوا أن النبى صلى الله عليه وسلم رغب الناس وحثهم علىٰ قيام رمضان من غير تحديد فيه ولا تعيين ركعات واختيار الخلفاء عشرين ركعة كان لدخوله تحت هٰذا الترغيب العام أيضاً لا لمعنى فى عشرين، حتىٰ يكره الزيادة عليها فاختار والحكمة مّا ستة وثلا ثين بناء علىٰ زعمهم أن فى الأمرسعة وأما نحن فلا نجيز الزيادة على العشرين ركعة فى الجماعة العامة ونجيز فى غير الجماعة؛ لأن الجماعة من الشعائر فلا تشرع إلا ما ورد به النص أو المواظبة من الصحابة ولم يرد النص ولا مواظبة الصحابة با زيد من عشرين ركعة فى رمضان وأما قولهم: أن النبى صلى الله عليه وسلم حث علىٰ قيام رمضان من غير تحديد؟ فالجواب عنه أنه صلىٰ الله عليه وسلم حث عليه بالاطلاق ونحن نقول به ولم يحث عليه بالجماعة لا إلىٰ حد، فلايجوز قيامه بالجماعة إلا بالقدر الذى ورد فيه الجماعة والله أعلم (حاشية اعلاء السنن: ٤٩/٧)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ بیس سے کم نہ ہونے پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومن بعدہم کا اجماع ہے، مغنی، قسطلانی، مرقاۃ اور نیل المآرب کی خط کشیدہ عبارات میں اس کی بالکل تصریح ہے، بیس سے زیادہ کا تو بعض نے قول کیا ہے، اس سے کم کا کوئی بھی قائل نہیں۔

روایات مذکورہ میں بعض مراسیل ہیں اور ابوالحسناء کی روایت ضعیف ہے، اس قدر کثرت روایات کی موجودگی میں ان سے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت تو نہیں، مع ہذا تتمیم فائدہ اور مزید تائید کی غرض سے قدرے توضیح کی جاتی ہے۔

حجية المرسل:

حجیۃ المرسل کے انکار میں ائمہ اربعہ میں سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ متفرد ہیں، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی

اگر چہ قول انکار ہے؛ مگر ان کا راجح قول حجیت کا ہے، ابوداود اور ابن جریر نے امام شافعیؒ سے قبل حجیت مرسل پر تمام اسلاف کا اجماع نقل کیا ہے، سب سے پہلے امام شافعی نے اس کا انکار کیا ہے، حافظ ابن عبد البر نے اجماع نقل کر کے اسے ساقط کرنے کی بہت کوشش کی ہے؛ مگر بڑی مشکل سے پانچ نام پیش کر سکے ہیں۔ (مقدمۃ فتح الملہم: ۷۹)(۱)

علاوہ ازیں جب کسی مرسل کی تائید کسی دوسری مستقل روایت مسند، یا مرسل سے ہوتی ہو تو یہ مرسل امام شافعیؒ کے ہاں بھی مقبول ہے۔

قال الحافظ: وقال الشافعي: يقبل إذا اعتضد بمجيئه من وجه آخر يباين الطريق الأولٰى مسندًا كان أو مرسلاً. (شرح نخبة الفكر: ٥٢)

بلکہ شیخ الاسلام زکریا انصاری فرماتے ہیں کہ مرسل کا مؤید خواہ ضعیف ہی ہو تو بھی قبول کیا جائے گا۔ (حاشیہ شرح نخبہ)

علاوہ ازیں یزید بن رومان کی روایت مرسل مالک ہے اور مراسیل امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ امام شافعی کے ہاں بھی بلاشبہ حجت ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

قال الشافعي: أصح الكتب بعد كتاب اللّٰه مؤطا الإمام مالك واتفق أهل الحديث علٰى أن جميع ما فيه صحيح علٰى رأى مالك ومن وافقه وأما علٰى رأى غيره فليس فيه مرسل ولا منقطع إلا قد اتصل السند به من طرق أخرٰى وقد صنف فى زمان مالك موطأت كثيرة فى تخريج أحاديثه و وصل منقطعه مثل كتاب ابن أبى ذئب وابن عيينة والثورى ومعمر. (حجة اللّٰه البالغة: ١٠٦/١)

ابوالحسناء کی روایت:

اس روایت کے ضعف کی دو وجوہ بیان کی جاتی ہیں:

(۱) تقریب التہذیب میں ابوالحسناء کو مجہول لکھا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابوالحسناء سے ان کے دو شاگرد ابوسعد اور عمرو بن قیس روایت کرتے ہیں اور اصول حدیث کا

---

(۱) وقال بعض الأئمة: الحديث المرسل صحيح وهو مذهب أبى حنيفة ومالك وأحمد فى روايته المشهورة حكاه النووى وابن القيم وابن كثير وغيرهم و جماعة من المحدثين وحكاه النووى فى شرح المهذب عن كثيرين من الفقهاء أوأكثرهم، قال: ونقله الغزالى عن الجماهير، وقيد ابن عبدالبر ذلك بما إذا لم يكن مرسله ممن لا يتحرز ويرسل عن غير ثقات فإن كان فلاخلاف فى رده، وقال أبو داؤد فى رسالته إلٰى أهل مكة: وأما المراسيل فقد كان يحتج بها العلماء فيما مضٰى مثل سفيان الثورى ومالك والأوزاعى حتٰى جاء الشافعى فتكلم فيها، وتابعه على ذلك أحمد بن حنبل وغيره، وهذه إحدى الروايتين عن أحمد، فإذا لم يكن مسند غير المرسل ولم يوجد المسند فالمرسل يحتج به وليس مثل المتصل فى القوة، وقال ابن جرير أجمع التابعون علٰى قبول المرسل ولم يأت عنهم إنكاره ولا عن أحد من الأئمة بعدهم إلٰى رأس المأتين. (مقدمة فتح الملهم، ص: ٣٤، مكتبة أشرفية ديوبند، انيس)

قاعدہ ہے کہ جس سے روایت کرنے والے دو ہوں، وہ مجہول الذات نہیں، لہذا ابوالحسناء مجہول نہیں؛ بلکہ مستور ہیں اور مستور کی روایت کو ایک جماعت قبول کرتی ہے اور عندالجمہور بشرط مؤید مقبول ہے، یہاں اس کا مؤید عبدالرحمٰن سلمی اور شُتیر بن شکل کی روایت موجود ہے، جس کو بیہقی نے قوی قرار دیا ہے، **وقد مر نصه هذا الحديث وإن كان ضعيفا لكن مجبر بتعدد طرقه.** (ابكار المنن: ۱۷۸) بلکہ کسی حدیث کے متعدد طرق ہوں اور وہ سب ضعیف ہوں تو وہ بھی تعدد طرق کی وجہ سے درجۂ حسن کو پہنچ جاتی ہے۔ **ولو سلم إن كلها ضعيفة فهى مجموعها تبلغ درجة الحسن.** (ابكار المنن: ۱۳۱)

(۲)　حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابوالحسناء کا لقاء ثابت نہیں، لہذا یہ حدیث منقطع ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابوالحسناء دو ہیں: ایک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد کے شاگرد ہیں، یہ حکم بن عتبہ کے شاگرد اور شریک نخعی کے استاد ہیں۔ (تہذیب التہذیب) دوسرے ابوالحسناء جو حدیث مذکور کے راوی ہیں، یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد اور ابوسعد بقال وعمرو بن قیس کے استاد ہیں۔

بیس رکعات پر خلفاء راشدین کی مواظبت:

صاحب ہدایہ کے قول (بیس رکعات پر خلفاء راشدین نے مواظبت کی ہے) پر اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیس رکعات نہیں پڑھیں اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی بیس رکعات جماعت کے ساتھ شامل ہو کر پڑھنا ثابت نہیں، یہ اعتراض غلط ہے؛ کیوں کہ لفظ خلفاء راشدین تغلیبا اطلاق کیا گیا ہے، مقصود خلفاء ثلاثہ ہیں۔ (فتح القدیر: ۱/۴۰۷)(۱)

باقی خلفاء کے جماعت کے ساتھ نہ پڑھنے سے عدم مواظبت ثابت کرنا کوتاہ نظری ہے؛ اس لیے کہ مواظبت کی دو قسمیں ہیں:

(۱)　**عملاً كمواظبة النبى صلى الله عليه وسلم على الجماعة والسنن الرواتب وغيرها.**

(۲)　مواظبت تشریعا، یعنی کسی فعل پر ہمیشہ برانگیختہ کرتے رہنا اور ترغیب دیتے رہنا، مثلا اذان واقامت کی سنیت پر اجماع ہے، حالاں کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عملاً مواظبت نہیں فرمائی؛ بلکہ کبھی بھی اذان، یا اقامت خود نہیں کہی، (إلا أن يكون نادرًا) غرضیکہ اذان واقامت کی سنیت صرف مواظبت تشریعی؛ یعنی ترغیب کی وجہ سے ہے، اب بالفرض تسلیم کرلیا جائے کہ خلفاء ثلاثہ جماعت کے ساتھ تراویح نہ پڑھتے تھے تو بھی مواظبت تشریعی ثابت ہے، علاوہ ازیں یہ دعوی ہی غلط ہے کہ خلفاء ثلاثہ جماعت کے ساتھ تراویح نہ پڑھتے تھے:

---

(۱)　(قوله: والأصح أنها سنة لمواظبة الخلفاء الراشدين) تغليب إذ لم يرد كلهم بل عمر وعثمان وعليا. (فتح القدير، فصل فى قيام شهر رمضان: ۱/٤٨٤، انيس)

(۱) امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے جزماً فرمایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جماعت کے ساتھ تراویح پڑھتے تھے اور حضرت علی، حضرت جابر اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی جماعت سے پڑھتے تھے۔(المغنی لابن قدامۃ)

(۲) قال الشوكاني: واختلفوا في أن الأفضل صلاته في بيته منفردًا في جماعة في المسجد؟ فقال الشافعي وجمهور أصحابه وأبو حنيفة وأحمد وبعض المالكية وغيرهم رحمهم اللّٰه تعالٰى: الأفضل صلاتها جماعة كما فعله عمر بن الخطاب والصحابة رضى اللّٰه تعالٰى عنهم واستمر أمر المسلمين عليه؛ لأنه من الشعائر الظاهرة. (نيل الأوطار: ۲/۲۹۵)

(۳) قد أخرج البيهقي في سننه عن أبي عبد الرحمن السلمي عن علي رضى اللّٰه تعالٰى عنه قال: ودعا القرأ في رمضان فأمر منهم رجلا أن يصلي بالناس عشرين ركعة، قال: وكان علي رضى اللّٰه تعالٰى عنه يوتربهم، وروى ذلك بوجه آخر عن عليٰ، انتهٰى، كذا في التعليق الحسن، قال النيموي: فيه حماد بن شعيب وهو ضعيف .(۲/۵٦)

ثم نقل أقوال مضعفيه عن الميزان، قلت: وفي اللسان: وقال ابن عدي: يكتب حديثه مع ضعفه وأخرج له مع هٰذا الحاكم في مستدركه، آه. (۲/۳٤۸) فالاثر حسن مع كونه مرويًا من وجه آخر أيضًا وفيه تصريح بأمر علي رضى اللّٰه تعالٰى عنه بعشرين ركعة واشعار بقيامه معهم؛ لأنه كان يوتر بهم فافهم. (إعلاء السنن: ۷/۵۰)

مدونہ میں روایت ہے:

عن يحيٰى بن سعيد أنه سئل عن صلاة الأمير خلف القاري؟ قال: ما بلغنا أن عمر وعثمان رضى اللّٰه تعالٰى عنهما كانا يقومان في رمضان مع الناس في المسجد. (المدونة: ۱/۱۹۴)

اس سے خلفاء ثلاثہ کا جماعت سے نماز نہ پڑھنا ثابت نہیں ہوتا؛ اس لیے کہ اس میں بصورت اقتداء نماز نہ پڑھنے کی نفی ہے، ممکن ہے کہ امام بن کر نماز پڑھاتے ہوں، جس سے روایت ساکت ہے، علاوہ ازیں یحییٰ بن سعید کی عدم معرفت دوسروں کی عدم معرفت کو مستلزم نہیں، ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو کامل یقین تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جماعت سے تراویح پڑھتے تھے اور حضرت علی، جابر، عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق بھی امام احمد کی تصریح گزر چکی ہے کہ یہ حضرات جماعت سے تراویح پڑھتے تھے۔

قول ابن همام رحمه اللّٰه تعالى:

ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آٹھ رکعات سنت اور باقی مستحب ہیں؛ کیوں کہ آٹھ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور بیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل ہے۔(فتح القدیر: ۱/۴۰۷)(۱)

(۱) فتحصل من هٰذا كله أن قيام رمضان إحدٰى عشر ركعة بالوتر في جماعة فعله ثم تركه لعذر أفاد أنه ذلك لو لا خشية ذلك لواطبت بكم ولا شك في تحقيق الأمر من ذلك بوفاته فيكون سنة وكونها عشرين سنة الخلفاء الراشدين. (انيس)

یہ قول خلاف اجماع ہونے کے ساتھ ساتھ روایۃً ودرایۃً ہر طرح سے باطل ہے، روایۃ اس لیے کہ ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں کہ بیس رکعات خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور درایۃ اس لیے کہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مواظبت کو سنت نہیں سمجھا؛ حالاں کہ محققین فقہاء اور اصولیین خلفاء راشدین کی مواظب سے سنیت ثابت کرتے ہیں، جیسا کہ تراویح کی جماعت سنت مؤکدہ ہے۔

چند عبارات ملاحظہ ہوں:

(۱) قال الحافظ العينى رحمه الله تعالىٰ فى البناية شرح الهداية: سيرة العمرين رضى الله تعالىٰ عنهما لا شك فى أن فعلها ثواب وفى تركها عقاب لأنا أمرنا بالاقتداء بهما لقوله عليه الصلاة والسلام: اقتدوا بالذين بعدى أبى بكر وعمر، فإذا كان الاقتداء مأمورًا به يكون واجبًا وتارك الواجب يستحق العقاب والعتاب. (مجموعة الفتاوىٰ: ۲۱۵/۱)

(۲) وقال كمال الدين بن الهمام فى تحرير الأصول: قسم الحنفية العزيمة إلىٰ فرض ما قطع بلزومه وواجب ما ظن، وسنة الطريقة الدينية من عليه الصلاة والسلام أو الخلفاء الراشدين أو بعضهم. (حوالہ بالا)

(۳) وقال بحر العلوم فى شرح التحرير: ينبغى أن يراد أعم من أن يكون طريقة دينية مستمرة فى الدين عنه صلى الله عليه وسلم بأن باشره أولاً بأن استمر الناس عليها بإذنه أو بإذن الخلفاء رضى الله تعالىٰ عنهم. (حوالہ بالا)

(۴) وفى التبيين شرح الحسامى: وفى عرف الشرع يراد بها طريقة الدين أما للرسول صلى الله عليه وسلم أو للصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم حتىٰ يقالس سنة الرسول أو سنة الخلفاء الراشدين. (مجموعة الفتاوىٰ: ۲۱۷/۱)

ان کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

عليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ قال الترمذى هذا حديث حسن صحيح. (الترمذى: ۹۲/۲)

علیکم کا لفظ وضعاً لزوم پر دال ہے اور معطوف بہ معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ سنۃ الخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی سنۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہی لازم ہے، لہٰذا دونوں میں سنیت اور استحباب کا فرق کرنا صحیح نہیں؛ کیوں کہ مندوب لازم نہیں ہوتا، پھر "**عضوا عليها بالنواجذ**" بھی دونوں کے ساتھ لگتا ہے۔ علاوہ ازیں سنۃ الخلفاء کے استحباب کا قول کیا جائے تو خلفاء کی تخصیص بالذکر کی کوئی وجہ نہ رہے گی؛ کیوں کہ جملہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت پر عمل کرنا مستحب ہے۔

لما روى عن عمر رضى الله تعالىٰ عنه مرفوعًا، سألت ربى عن اختلاف أصحابى من بعدى؟ فأوحى إلىٰ، يا محمد! إن أصحابك عندى بمنزلة النجوم فى السماء بعضها أقوىٰ من بعض ولكل

نور فمن أخذ شئ مما هم عليه من اختلا فهم فهو عندى علىٰ هدىٰ،رواه رزين.(مشكاة،ص:٤٧٣)

اسی لیے ہی حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنۃ الخلفاء اور خصوصا سنۃ الشیخین کے اتباع کی بنسبت دیگر صحابہ کی سنت کے زیادہ تاکید فرمائی ہے۔

غرضیکہ اگر بیس رکعات تراویح حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہوتیں تو بھی خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنھم کی مواظبت موجب سنیت ہے، صحابی کا فعل گویا خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کیونکہ خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی اقتدا و اتباع کا حکم فرمایا ہے۔

بیس رکعت سے کم تراویح نہ ہونے پر ائمہ اربعہ وغیرهم کا اجماع :

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے اجماع کی وجہ سے ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی اسی پر اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعات سے کم نہیں۔

(۱)　مغنی کی مفصل عبارت اوپر گزر چکی ہے جس میں ائمہ اربعہ کا مذہب منقول ہے۔

(۲)　المسنون عند أبى حنيفة والشافعي وأحمد عشرون ركعة وحكى عن مالک أن التراويح ست وثلاثون ركعة.(رحمة الأمة،ص:۲۳)

(۳)　واختلفوا فى المختارمن عدد الركعات التى يقوم بها الناس فى رمضان فاختار مالک فى أحد قوليه وأبوحنيفة والشافعي وأحمد وداود القيام بعشرين ركعة سوى الوتر وذكر ابن قاسم عن مالک أنه كان يستحسن ستاً وثلاثين ركعة والوتر ثلاث(إلىٰ قوله)وذكر ابن القاسم عن مالک أنه الأمر القديم.(بداية المجتهد:۲۰۲/۱)

(۴)　وقد قالت المالكية:أنها كانت ثلاثا عشرين ثم جعلت تسعا وثلاثين.(قسطلانى)

(۵)　قال الإمام الترمذى رحمه اللّٰه تعالىٰ: واختلف أهل العلم فى قيام رمضان، فرأى بعضهم أن يصلى إحدىٰ وأربعين ركعة مع الوتر وهوقول أهل المدينة والعمل علىٰ هٰذا عندهم بالمدينة وأكثر أهل العلم علىٰ ماروى عن عمر وعلى وغيرهما من أصحاب النبى صلى اللّٰه عليه وسلم عشرين ركعة وهوقول سفيان الثورى وابن المبارک والشافعي وقال الشافعي: وهٰكذا أدركت ببلدنا بمكة يصلون عشرين ركعة،وقال أحمد:روى فى هٰذا الوان لم يقض فيه بشئ وقال إسحق بل نختارإحدىٰ وأربعين ركعة علىٰ ما روى عن أبى بن كعب.(جامع الترمذى، باب ماجاء فى قيام شهر رمضان: ۱۱۲/۱)

غرضیکہ بیس رکعات کی سنیت خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم و من بعدہم ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم کا اجماع ہے کہ بیس رکعات سے کم تراویح نہیں، لہٰذا ان کے خلاف قول کرنا ضلالت اور گمراہی ہے۔

والأئمة إذا اختلفوا فى مسألة فى أى عصر كان علىٰ أقوال كان إجماعًا منهم علىٰ أن ما

عداها باطل ولا يجوز لمن بعدهم أحداث قول آخر. (نور الأنوار:۲۲۳)

اجماع کی تعریف:

اجماع کی تعریف میں حسامی کی تعبیر بہترین ہے:

ونصه والصحيح عندنا أن اجماع كل عصر من أهل العدالة والاجتهاد حجة ولاعبرة لقلة العلماء وكثرتهم ولا بالثبات علىٰ ذلک حتیٰ يموتوا ولا لمخالفة أهل الهواء فيما نسبوا به إلى الهواء ولا لمخالفة من لا رأى له فى الباب إلا فيما يستغنى عن الرأى ثم الاجماع علىٰ مراتب: فالأقوىٰ إجماع الصحابة رضى اللّٰه تعالىٰ عنهم نصا؛لأنه لاخلاف فيه ففيهم أهل المدينة وعترة الرسول عليه السلام، ثم الذى ثبت بنص بعضهم و سكوت الباقين؛لأن السكوت فى الدلالة على التقرير دون النص، ثم اجماع من بعد الصحابة علىٰ حكم لم يظهر فيه قول من سبقهم مخالفا،ثم اجماعهم علىٰ قول سبقهم فيه مخالف،فقد اختلف العلماء فى هٰذا الفصل:فقال بعضهم:هٰذا لايكون اجماعًا؛لأن موت المخالف لايبطل قوله وعندنا أن اجماع علماء كل عصر حجة فيما سبق فيه الخلاف وفيما لم يسبق؛لٰكنه فيما لم يسبق فيه الخلاف بمنزلة المشهور من الحديث وفيما سبق فيه الخلاف بمنزلة الصحيح من الأحاد وإذا انتقل إلينا اجماع السلف باجماع كل عصر علىٰ نقله كان فى معنى نقل الحديث المتواتر وإذا انتقل إلينا بالأفراد كان كنقل السنة بالأحاد وهو يقين بأصله ولكنه لما انتقل إلينا بالآحاد أوجب العمل دون العلم وكان مقدمًا على القياس. (حسامی، باب الاجماع ۹۵-۹۷)

منکر اجماع کافر ہے ،یا نہیں:

اس سے متعلق شامیہ میں یہ تفصیل ہے:

ثم نقل فى نور العين عن رسالة الفاضل الشهير حسام چلپى من عظماء علماء السلطان سليم بن بايزيد خان ما نصه:إذا لم تكن الاية أو الخبر المتواتر قطعى الدلالة أولم يكن الخبر متواترًا أوكان قطعيا لكن فيه شهة أولم يكن إجماع الجميع أوكان ولم يكن اجماع الصحابة رضى اللّٰه تعالىٰ عنهم أوكان ولم يكن اجماع جميع الصحابة أوكان اجماع جميع الصحابة ولم يكن قطعيًا بأن لم يثبت بطريق التواتر أوكان قطعيًا؛لكن كان اجماع سكوتيا ففى كل من هٰذه الصور لايكون الجحود كفرًا يظهر ذلک لمن نظر فى كتب الأصول فاحفظ هٰذا الأصل فإنه ينفعک فى استخراج فروعه حتى تعرف منه ماقيل أنه يلزم الكفر فى موضع كذا ولايلزم فى موضع آخر،آه. (رد المحتار،كتاب المرتد،فصل فى المرتد،مطلب فى منكر للإجماع:۲۹۳/۳)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ تراویح سے متعلق منعقد اجماع کے منکر کی تکفیر جائز نہیں،البتہ تضلیل کی جائے گی؛ یعنی بیس رکعت سے کم کی سنیت کا قائل ضلالت بینہ میں ہے۔

فقيام رمضان بعشرين ركعة والوتر هو السنة المؤكدة يضلل تاركها ويلام من نقص عنها. (إعلاء السنن: ۷/۷۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

رشید احمد، ۲۳/ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ

اقتباسات از رسالہ خیر المصابیح مؤلفہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب:

(۱) پاکستان کے اہل حدیث بہت زور سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعت تراویح پڑھی ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی آٹھ ہی کا حکم دیا تھا، جمہور مسلمان جو بیس تراویح پڑھتے ہیں، یا بیس سے زائد پڑھتے ہیں، اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے، حالاں کہ نہیں سمجھتے کہ عمل سے ہر چیز کا پتہ چلتا ہے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ تراویح پڑھی ہوتیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم بھی آٹھ ہی کا ہوتا تو حضرات صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، سلف صالحین، علماء راسخین کا عمل بیس، یا بیس سے زائد کا نہ ہوتا، حالاں کہ مشترکہ ہندوستان میں دوصدی قبل پورے بارہ (۱۲) سو سال تک تمام مساجد شرق وغرب اور جنوب وشمال میں بیس، یا بیس سے زیادہ رکعت تراویح ہوتی تھیں، حرمین شریفین میں اب تک بیس رکعت، یا بیس سے زائد تراویح پڑھتے چلے آئے ہیں، کیا اہل حدیث کے سوائے جمہور امت گمراہی میں رہی، یا بغیر ثبوت کے ہی بیس، یا بیس سے زائد پڑھتے رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے بارہویں صدی تک کسی مسجد میں اگر آٹھ رکعت تراویح پڑھی گئی ہوں تو اس کا ثبوت پیش کیا جاوے۔

معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حتمی طور پر آٹھ رکعت نہیں پڑھی؛ بلکہ بیس رکعت پڑھی گئی ہیں، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں بھی بیس ہی تراویح پڑھی گئی ہیں، ورنہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ جیسا محقق حسب عادت کسی ایک کا مذہب تو آٹھ رکعت کا نقل کرتا؛ مگر تمام صحاح ستہ میں کسی ایک کا مذہب آٹھ کا نہیں ہے اور نہ آٹھ رکعت تراویح کسی کا عمل نقل کیا گیا ہے۔

اہل حدیث علماء سے بیس تراویح کا ثبوت:

''پس منع از بست وزیادہ چیزے نیست'' الخ۔ (العرف الجادی: ۸۴) (پس منع کرنا بیس تراویح یا زیادہ سے کوئی چیز نہیں ہے۔)

نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں:

''پس آتی بزیادت عامل بسنت ہم باشد'' الخ۔ (ہدایۃ السائل: ۱۳۸) (گیارہ سے زیادہ تراویح پڑھنے والا بھی سنت پر عامل ہے۔)

نیز فرماتے ہیں کہ ''اما آنکہ جمع از اہل علم ایں نماز بست رکعت قرار دادہ اند ودر ہر رکعتے قرأتے معین را مستحسن داشتہ این عدد بخصوصہ ثابت نشدہ ولیکن مجملہ چیزے ست کہ بر آن ایں معنے صادق ست کہ ''أنه صلاة أنه جماعة وأنه في رمضان'' پس حکم بتدریع آں چہ معنی''۔ (بدور الاہلہ: ۸۳) (لیکن جو اہل علم کی ایک جماعت نے اس نماز کو بیس رکعت قرار دیا ہے اور ہر رکعت میں معین قرأت کو مستحسن رکھا ہے یہ عدد بخصوصہ ثابت نہیں؛ لیکن ایک مجمل چیز ہے، جس پر یہ صادق

ہے کہ یہ نماز ہے، یہ جماعت ہے، یہ رمضان میں ہے، پس اس کے بدعت ہونے کا حکم لگانے کے کیا معنی؟)

نیز فرماتے ہیں: "**إن صلاة التراويح سنة بأصلها، لما ثبت أنه صلى الله عليه وسلم صلاها في ليالي، ثم تركه شفقة على الأمة أن تجب على العامة أويحسبوها واجبة ولم يأت تعين العدود في الروايات الصحيحة المرفوعة ولكن يعلم من حديث كان رسول صلى الله عليه وسلم يجتهد في رمضان ما لايجتهدفي غيره،رواه مسلم إن عددها كان كثيرًا**". (الانتقاء الرجيع: ٦١)

نماز تراویح اپنے اصل کے لحاظ سے سنت ہے؛ کیوں کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند راتوں میں تراویح پڑھی ہیں، پھر اس اندیشہ سے کہ لوگوں پر واجب نہ ہو جائیں، یا عوام، انہیں واجب نہ سمجھ لیں، پڑھنا ترک فرما دیا اور روایات صحیحہ مرفوعہ میں کسی (حتمی) عدد کا تعین نہیں آیا؛ لیکن اس حدیث سے کہ "**كان رسول الله عليه وسلم يجتهد في رمضان ما لايجتهد في غيره**. (رواه مسلم) معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کا عدد کثیر ہے۔

(۳) اہل حدیث گیارہ رکعتیں تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے میں اپنے سلف کے مخالف ہیں، کیا نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم اور میر ابوالحسن صاحب، مولوی وحید الزماں صاحب، علامہ شوکانی، علامہ سبکی، علامہ ابن تیمیہ نے بخاری شریف نہیں پڑھی تھی؛ اس لیے آج کل کے اہل حدیث اصح الکتب سے گیارہ کا ثبوت دیتے ہیں، گو **ولا في غيره** کہہ کر بارہ ماہ کی نماز تہجد کیوں نہ ہو، بہر حال یہ بتلائیں کہ آپ کو زیادہ علم ہے، یا مذکورہ حضرات کو۔

(۴) عہد فاروقی سے لے کر بارہویں صدی کے اواخر تک بیس رکعت، یا بیس رکعت سے زائد کے سب لوگ قائل تھے، کہیں اور کسی مسجد میں جماعت آٹھ کی نہیں ہوتی تھی، اگر کہیں، یا کسی مسجد میں جماعت آٹھ رکعت کی ہوتی تھی تو اس کو صاف واضح کیا جاوے۔

(۵) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کبھی مسجد کے اندر جماعت آٹھ رکعت تراویح کی ہوئی ہو تو اس کا ثبوت پیش کرو۔

(۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کبھی مسجد کے اندر آٹھ رکعت تراویح کی جماعت ہوئی ہو، یا کسی نے بیس رکعت تراویح سے انکار کیا ہو تو اس کا ثبوت پیش کیا جاوے۔

(۷) سلف میں سے کس نے مسجد میں آٹھ تراویح باجماعت پڑھی اور اس پر انکار نہیں کیا؟ کس سنہ میں؟ کس شہر میں؟

انتهٰى الالحاق من خير المصابيح بقلم محب المؤلف رحمة الله تعالىٰ رحمة واسعة العبد رشيد أحمد رزقه الله تعالىٰ حبه وحب أوليائه والحمد لله أولا وآخرًا والصلاة والسلام علىٰ رسوله وآله وصحبه كما يحب ويرضى بعددما يحب ويرضىٰ

۱۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۵۲۸-۵۵۱)

تراویح کے رکعات کی تعداد پر مفصل بحث (یعنی رسالہ تراویح):

سوال: صلوٰۃ تہجد اور صلوٰۃ تراویح دو نماز ہیں، یا ایک؟ اور صلوٰۃ تراویح کی جو بیس رکعت پڑھتے ہیں، آیا یہ مسنون ہیں، یا بدعت؟ اور قرون ثلثہ میں سے کسی عالم کی رائے بست رکعت کے بدعت ہونے کی ہوئی ہے، یا نہیں؟ اور ائمہ مجتہدین کا اس میں کیا مذہب ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

حامداً و مصلياً أقول و بالله التوفيق کہ نماز تہجد اور نماز تراویح ہر دو صلوٰۃ جداگانہ ہیں کہ ہر دو کی تشریح اور احکام جدا ہیں کہ تہجد ابتداء اسلام میں تمام امت پر فرض ہوا اور بعد ایک سال کے تہجد کی فرضیت منسوخ ہو کر تہجد تطوعاً رمضان و غیر رمضان میں جاری رہا۔

قال الله تعالیٰ: ﴿يا أيها المزمل قم الليل﴾ (الآية)(۱)

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں حدیث طویل میں کہ تہجد بعد فرض ہونے کے نفل ہو گیا۔ چناں چہ ابوداؤد نے روایت کیا ہے:

قال: قلت حد حدثني عن قيام اليل قالت: ألست تقرأ ﴿يا يها المزمل﴾ قال: قلت: بلیٰ، قالت: فإن أول هٰذه السورة نزلت، فقام أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم حتٰى انتفخت أقدامهم و حبس خاتمتها في السماء إثني عشر شهراً، ثم نزل أخرها فصار قيام اليل تطوعا بعد فريضه، إلٰى آخر الحديث. (۲)

اس سے ثابت ہوا کہ تہجد قبل ہجرت ابتداء اسلام میں تطوعاً شروع ہو چکا تھا اور اس پر سب صحابہ تطوعاً رمضان و غیر رمضان میں عملدرآمد رکھتے تھے اور تراویح کا اس وقت میں کہیں وجود نہیں تھا، پھر بعد ہجرت کے جب صوم رمضان فرض ہوا تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور اس میں یہ فرمایا: **جعل الله صيا م فريضة و قيامه تطو عاً، إلٰى آخر الحديث.** اس روایت کو مشکوۃ نے بیہقی سے نقل کیا ہے۔

(۱) سورۃ المزمل: ۱-۲، انیس (اے چادر اوڑھنے والے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) جاگ رات میں)

(۲) أبو اداؤد، باب في صلاة الليل: ۱۹۰/۱، انیس (کہا راوی نے عرض میں میں نے (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں) حدیث بیان کیجئے مجھ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قیام لیل کے بارہ میں فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کیا نہیں پڑھتا تو ﴿يا أيها المزمل﴾، کہا عرض کی میں نے ہاں پڑھتا ہوں جب اول س سورت کا نازل ہوا تو صحابہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیام لیل کیا یہاں تک کہ ورم آگیا ان کے قدموں پر اور روک لیا اللہ تعالیٰ نے خاتمہ اس سورت کا آسمان میں بارہ مہینہ تک، پھر نازل ہوا آخر اس کا اور قیام لیل فرض سے نفل ہو گیا۔)

اس سے معلوم ہوا کہ قیام رمضان اس وقت تنفلاً مقرر ہوا اور اس سے یہ سمجھنا کہ تہجد جو سابق سے تطوع تھا، اس کا ذکر فرمایا ہے بعید ہے؛ کیوں کہ اگر یہ مقصود ہوتا تو اس طرح فرماتے کہ نماز تہجد اب بھی نفل ہی ہے، یا مثل اس کے کچھ الفاظ فرماتے، اس واسطے کہ تہجد پہلے سے رمضان میں جاری تھا، پھر اب اس کا ذکر کرنا کیا ضروری تھا، جیسا کہ دیگر صلوٰۃ فرض و نفل کا کچھ ذکر نہیں فرمایا، البتہ بعض احادیث میں اعمال رمضان کی فضیلت فرمائی ہے اور اس فقرہ میں کوئی فضیلت کی بات نہیں؛ بلکہ دوسری صلوٰۃ نفل کی مشروعیۃ کا ذکر ہونا ظاہر ہے اور دوسری روایت سنن ابن ماجہ کی اس طرح پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **كتب الله عليكم صيامه و سننت لكم قيامه.** (۱)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باذن اللہ تعالیٰ قیام رمضان کو تطوعاً مقرر فرمایا، حالاں کہ تہجد خود بحکم خدا تعالیٰ قبل اس سے نفل ہو چکا تھا اور قیام رمضان کو خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تنفل فرمایا، سو اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ تہجد و تراویح تشریحاً دو نمازیں ہیں کہ دو وقت میں مقرر کی گئی ہیں۔

اور تہجد قرآن شریف سے ثابت ہوا اور تراویح حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر روز تہجد کو آخر شب میں پڑھا ہے۔

فقلت لها: فأى حين كا ن يقوم من اليل؟قالت: كا ن إذاسمع الصراخ. (۲)

اور دیگر روایات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے اور تراویح کو آپ نے اول لیل میں پڑھا ہے۔

عن أبي ذرقال: صمنا مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فلم يقم بنا شيئًا من الشهر حتىٰ بقى سبع، فقام بنا حتىٰ ذهب ثلث اليل، فما كانت الساد سة لم يقم بنا فلما كانت الخامسة، قام بنا حتىٰ ذهب شطر اليل، فقلت: يا رسول الله ! لو نفلتنا قيام هٰذه الليلة؟ قال: إن الرجل إذا صلىٰ مع الإمام حتىٰ ينصرف، حسب له قيام ليلة، قال: فلما كانت الرابعة لم يقم، فلما كانت الثالثة جمع أهله ونسائه والناس فقام بنا حتىٰ خشينا أن يفو تنا الفلاح قال قلت وما الفلاح قال السحور ثم لم يقم بنا بقية الشهر. (۳)

---

(۱) سنن إبن ماجة، باب ماجاء فى قيام شهر رمضان: ۸/۱ ۳۰، انیس (فرض کردئے اللہ تعالیٰ نے روزے اس کے (یعنی رمضان کے) اور سنت بنایا میں نے قیام اس کا)

(۲) أبو داؤد، باب وقت قيام النبى صلى الله عليه وسلم من الليل: ۱۸۷/۱، انیس (پھر کہا میں نے (یعنی راوی نے) کہ کس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٹھتے تھے رات کو، فرمایا جب سنتے تھے آواز مرغ کی۔)

(۳) أبو داؤد، باب فى قيام شهر رمضان: ۱۹۵/۱، انیس (مروی ہے حضرت ابوذرؓ سے کہ روزے رکھے ہم نے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پس نہ قیام کیا ہمارے ساتھ مہینہ میں سے یہاں تک کہ سات دن رہ گئے (اور مہینہ انتیس کا تھا) پس قیام کیا ہمارے ساتھ (یعنی تیئیسویں رات کو) یہاں تک کہ گزر گئیں تہائی رات پس جب چھٹی رات آئی (یعنی مہینہ کی آخر سے شمار کرتے ہوئے اور وہ انتیس والے مہینے میں چوبیسویں رات ہے) نہ قیام کیا ہمارے ساتھ پھر جب اسی حساب سے پانچویں رات کہ فی الحقیقہ پچیسویں ہے پیش آئی ==

پہلی اور دوسری دفعہ میں تو نصف لیل تک فراغت پائی اور تیسرے دن اول سے لے کر اخیر شب تک ادا فرمایا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو صلوٰۃ جدا گانہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تہجد کو ہمیشہ منفرداً پڑھتے تھے، کبھی بتداعی جماعت نہیں فرمائی، اگر کوئی شخص آ کھڑا ہوا تو مضائقہ نہیں، جیسا کہ مثلاً ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود ایک دفعہ آپ کے پیچھے جا کھڑے ہوئے تھے، بخلاف تراویح کے کہ اس کو چند بار تداعی کے ساتھ جماعت کر کے ادا کیا، چناں چہ اسی حدیث ابی ذرؓ سے واضح ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو صلوٰۃ جدا گانہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تہجد کے واسطے تمام رات کبھی نہیں جاگے، چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان تہجد میں فرماتی ہیں:

’’ولا أعلم أن نبی اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم قرأ القرآن کلہ فی لیلة ولا قام لیلة کاملة حتی الصباح‘‘، إلٰی آخر الحدیث.(۱)

اور یہ ان کی تحدید صلوٰۃ تہجد میں ہے، ورنہ صلوٰۃ تراویح میں صبح تک نماز پڑھنا روایت ابوذرؓ سے خود ثابت ہو چکا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی خود اس کا علم ہے، اس واسطے کہ آپ نے اپنی سب اہل ونساء کو جمع کیا تھا، پھر باوجود اس امر کے جو آپ انکار احیاء تمام لیل کا فرماتی ہیں تو یہ کہنا کہ آپ کو خبر نہیں، یا نسیان ہوا، نہایت بے جا ہے؛ بلکہ یہ وجہ ہے کہ انکار احیاء تمام لیل کا صلوٰۃ تہجد میں وارد ہوا؛ کیوں کہ سعد بن ہشام راوی حدیث صلوٰۃ تہجد ہی کو پوچھتے تھے اور اسی کے باب میں آپ نے یہ امر فرمایا تھا، چناں چہ مسلم میں یہ روایت موجود ہے۔نہ تراویح میں کہ اس کا یہاں ذکر ہی نہیں تھا، علیٰ ہذا جو ابوسلمہ نے قیام رمضان کو پوچھا ہے تو وہاں بھی مراد قیام رمضان سے تہجد ماہ رمضان کا ہے، غرض ان کی یہ تھی کہ تہجد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رمضان میں بہ نسبت اور شہور کے زیادہ ہوتا تھا، یا نہیں؟ بخاری میں ہے:

عن أبی سلمة بن عبد الرحمٰن أنه سأل عائشة کیف کانت صلاة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی رمضان؟ فقالت: ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علٰی إحدٰی عشرة رکعة، یصلی

== تو قیام کیا ہمارے ساتھ یہاں تک کہ نصف رات گزر گئی، پس عرض کی میں نے (یعنی ابوذرؓ نے) یا رسول اللہ! کاش کے زیادہ کرتے آپ ہمارے لیے قیام اس رات کا، فرمایا: البتہ شخص جب نماز پڑھتا ہے امام کے ساتھ، یہاں تک کہ امام فارغ ہو جائے، لکھا جاتا ہے اس کے حق میں قیام ساری رات کا، (یعنی اگر چہ ساری رات کا قیام نہ کیا ہو) پھر جب اسی حساب سے چوتھی رات آئی (کہ وہ فی الحقیقت چھبیسویں ہے نہ قیام کیا ہمارے ساتھ، یہاں تک کہ باقی رہی تہائی رات، پھر جب تیسری رات آئی کہ وہ فی الحقیقت ستائیسویں ہے، جمع کیا اپنے کنبے کو، اپنی عورتوں کو اور لوگوں کو پس قیام کیا ہمارے ساتھ، یہاں تک کہ ڈرے ہم کہ فوت ہو جائے، ہم سے فلاح عرض کی، میں نے کہ کیا فرمایا ہے فلاح سے، فرمایا کہ سحری پھر قیام نہ کیا ہمارے ساتھ باقی مہینہ میں (یعنی اٹھائیسویں اور انتیسویں کو، اس کو ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔)

(۱) سنن النسائی ،باب قیام اللیل ،رقم الحدیث: ۱۶۰۰ ،انیس (اور نہیں دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کہ پڑھا ہو سارا کلام اللہ ایک رات میں، یا نماز پڑھی ہو ساری رات۔)

أربعًا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن، ثم يصلي أربعًا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن، ثم يصلي ثلاثًا، فقلت: يارسول اللّٰه!أتنام قبل أن توتر؟ قال:ياعائشة! إن عيني تنامان ولاينام قلبي.(۱)

کیوں کہ ظاہر متبادر اس حدیث سے یہ ہے کہ ابوسلمہ نے خاص قیام رمضان کا سوال کیا اور حضرت عائشہؓ نے یہ فرمایا کہ رمضان میں کوئی خاص نماز نہیں تھی؛ بلکہ رمضان وغیر رمضان میں ہر روز گیارہ رکعت پڑھتے تھے، اس سے زیادہ کبھی نہیں پڑھتے تھے اور ہیئت پڑھنے کی یہ تھی کہ چار رکعت پڑھی اور سو گئے، پھر چار رکعت پڑھی اور سو گئے، پھر تین وتر پڑھے اور دائماً یہی عادت تھی، رمضان وغیر رمضان میں اس کے خلاف نہیں۔

پس اگر اس کے یہی معنی ہیں تو یہ حدیث بہت سی روایات کے معارض ہوتی ہے اور واقع کے بھی خلاف ہے؛ کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود آپ ہی تیرہ رکعت روایت فرماتی ہیں، چناں چہ مئوطا امام مالک میں ہے:

عن عائشه قالت: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم يصلي بالليل ثلث عشرة ركعة، ثم يصلي إذا سمع النداء للصبح بركعتين خفيفتين. انتهىٰ(۲)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خود تیرہ رکعت تہجد کی غیر رمضان میں نقل کرتے ہیں اور بعض دیگر صحابی بھی تیرہ رکعت روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں ہیئت صلوٰۃ کی بھی خلاف اس ہیئت مذکورہ فی حدیث عائشہ کے ہے، چناں چہ مسلم میں بذیل روایت طویلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

قال ابن عباس: فقمت فصنعت مثل ماصنع رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم ثم ذهبت فقمت إلىٰ جنبه فوضع رسول اللّٰه عليه وسلم يده اليمنى علىٰ رأسي وأخذ بأذني اليمنى يفتلها فصلىٰ ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم ركعتين ثم أوتر ثم اضطجع حتىٰ جاءه المؤذن فقام فصلىٰ ركعتين خفيفتين ثم خرج فصلى الصبح.(۳)

(۱) صحيح البخاري: ۱/۱۵٤، انیس (مروی ہے کہ حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن سے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ نماز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رمضان میں (یعنی تہجد کی) کیسی تھی؟ پس فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہ نہ زائد کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان اور خارج رمضان کے گیارہ رکعت پر، نماز پڑھا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وعلیہ وسلم چار رکعتیں، پس نہ پوچھئے ان کے حسن اور درازی سے، پھر پڑھتے تھے چار رکعت، پس نہ پوچھئے ان کے حسن اور درازی سے، پھر پڑھتے تھے تین رکعت، پس عرض کی میں نے (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے) کیا سوتے ہیں آپ، یا حضرت وتر پڑھنے سے پہلے، فرمایا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے: اے عائشہ! آنکھیں میری سوتی ہیں اور نہیں سوتا میرا دل۔)

(۲) موطأ الإمام مالک رواية يحى الليثي، باب صلاة النبي صلى اللّٰه عليه وسلمفي الوتر، رقم الحديث: ۲٦٤، انیس (مروی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھتے رات میں تیرہ رکعتیں، پھر پڑھتے تھے جب سنتے اذان صبح کی دو رکعتیں ہلکی۔)

(۳) الصحيح لمسلم: ۱/۲٦۰، انیس (فرمایا ابن عباس نے: پس اٹھا میں اور کیا میں نے جیسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا==

اور ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، جو مسلم میں موجود ہے:

ثم قام فصلٰی فقمت عن یساره فأخذنی فجعلنی عن یمینه فصلٰی فی تلک اللیلة ثلاث عشر رکعة ثم نام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم حتٰی تفخ،إلٰی اٰخر الحدیث. (۱)

اور زید بن خالد جہنیؓ سے مسلم میں روایت ہے:

عن زید بن خالد الجهنی أنه قال: لأرمقن صلاة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم اللیلة، فصلٰی رکعتین خفیفتین، ثم صلٰی رکعتین طویلتین طویلتین طویلتین، ثم صلٰی رکعتین، هما دون اللتین قبلهما، ثم صلٰی رکعتین وهما دون اللتین قبلهما،ثم صلٰی رکعتین وهما دون اللتین قبلهما، ثم صلٰی رکعتین وهما دون اللتین قبلهما،ثم أوتر فذٰلک ثلاث عشر رکعة. (۲)

دیکھو یہ احادیث ثلاثہ وعدد رکعات اور ہیئت ادا دونوں میں خلاف اس حدیث عائشہ کے ہیں اور اوپر حدیث ابوذرؓ سے معلوم ہوا کہ تین روز جو آپ نے نماز رمضان میں پڑھی، اگر چہ اس کے عدد رکعات معلوم نہیں؛ مگر ہرگز اس میں چار چار رکعت پڑھ کر آپ نہیں سوئے اور تین روز دوسری رمضان میں جو بجماعت نماز پڑھی، اس میں بھی یہ ہیئت ثابت نہیں ہوئی اور حدیث میں شدۃ اجتہاد عبادت رمضان کا مذکور ہے، وہ بھی اس کے خلاف ہے؛ کیوں کہ جب سب شہور کی صلوٰۃ لیل برابر تھی تو پھر شدت اجتہاد کے کیا معنی؟ اور جن روایتوں میں آیا ہے کہ رمضان میں خصوصاً عشرہ اخیرہ میں نہیں سوتے تھے، وہ بھی اس کے خلاف ہے، چناں چہ بخاری میں ہے:

"**إذاد خل العشر شد مئزره أحی لیله و أیقظ أهله**". (الحدیث) (۳)

اور بیہقی نے روایت کیا ہے:

"**إذاد خل رمضان لم یأت فراشه حتٰی ینسلخ**". (الحدیث) (۴)

ان دونوں حدیثوں سے شدت اجتہاد عبادت اور احیائے تمام لیل حاصل ہے، نہ مساوات رمضان وغیر رمضان کی

== (یعنی وضو کیا، پھر گیا میں اور کھڑا ہوا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس (یعنی بائیں طرف) پس رکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنا ہاتھ اپنا میرے سر پر اور پکڑا داہنا کان میرا کھینچتے تھے، اسے یعنی داہنی طرف کر دیا) پس پڑھی دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر دو رکعتیں، پھر وتر پڑھے، پھر لیٹ گئے، یہاں تک کہ مؤذن آیا، پس اٹھے اور دو رکعتیں خفیف پڑھیں، پھر نکلے اور نماز فجر کی پڑھی۔)

(۱-۲) **الصحیح لمسلم**: ۱/۲۶۰، انیس

(۳) **صحیح البخاری،أبواب العمل فی العشر الأواخر من رمضان**: ۱/۲۷۱، انیس (جب داخل ہوتا تھا اخیر عشرہ رمضان کا باندھ لیتے تہبند اپنا اور اپنی رات زندہ کرتے تھے اور اپنے کنبہ کو جگا لیتے تھے۔)

(۴) **شعب الإیمان للبیهقی،باب فضائل شهر رمضان،رقم الحدیث**: ۳۶۲٤، انیس (جب داخل ہوتا تھا رمضان نہیں آتے تھے اپنے بچھونے پر یہاں تک کہ نکل جائے۔)

اور حضرت عائشہؓ نے جو بیان تہجد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سعد بن ہشامؒ سے کیا، وہ بھی اس روایت کے خلاف ہے، چناں چہ روایت طویلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

فقالت: کنا نعد له سواکه وطهوره فيبعثه الله ما شاء أن يبعثه من الليل فيتسوک، ويتوضاء ويصلي تسع رکعات لا يجلس فيها إلا في الثامنه فيذکر الله ويحمده ويدعوه ثم ينهض ولا يسلم ثم يقوم فيصلي التاسعة ثم يقعد فيذکر الله ويحمده ويدعوه ثم يسلم تسليمًا يسمعنا ثم يصلي رکعتين بعد ما يسلم وهو قاعد فتلک إحدیٰ عشرة رکعة يابني، إلخ. (۱)

حاصل نفی زیادت رکعات کی گیارہ سے اور یہ ہیئت خاص مخدوش ہوتی ہے، لہذا حق یہ ہے کہ معنی حدیث کے یہ ہیں کہ ابوسلمہ نے بایں وجہ کہ رمضان میں آپ کا اجتہاد عبادت زیادہ ہوتا تھا، تہجد رمضان کو پوچھا کہ آیا رمضان میں تہجد آپ کا بہ نسبت اور ایام کے زیادہ ہوتا تھا، یا نہیں؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زیادہ تہجد کی نفی کی، صلوٰۃ تراویح سے اس میں کچھ بحث نہیں، نہ سوال میں نہ جواب میں اور گیارہ رکعت کا ذکر اکثر یہ ہے نہ کلیہ کہ اکثر تہجد کی رکعات آپ کی گیارہ ہوتی تھیں، اگر چہ احیاناً اس سے زیادہ بھی پڑھی ہیں تو اس حدیث میں نہ احیاناً زیادہ تہجد کی نفی ہے اور نہ ذکر قیام رمضان کا جو سوائے تہجد کے ہے؛ بلکہ ذکر ان عدد رکعات کا ہے، جو اکثر اوقات تہجد رمضان وغیر رمضان میں ہوتا تھا۔

اور بعد اس کے یہ جملہ ''یصلي أربعاً'' إلخ ، یہ دوسرا امر ہے، جس سے آپ کی قوت عبادت پر تنبیہ منظور ہے کہ نوم و یقظہ آپ کے اختیار میں تھا، جب چاہیں جاگیں، جب چاہیں سوئیں اور آپ احیاناً ایسا کرتے تھے، نہ اس ہیئت کو خصوصیت رمضان سے ہے، نہ لزوم ان رکعات سے؛ بلکہ یہ بعض اوقات کی حالت کا بیان ہے اور یہ مستقل جملہ ہے، چوں کہ قاعدہ بلاغت میں مقرر ہو چکا ہے کہ عطف جملہ کا جملہ پر اس وقت کرتے ہیں کہ ہر دو جملوں میں بعض وجہ سے اتصال اور بعض وجہ سے انفصال ہو، اگر بالکل اتصال ہو، یا بالکل انفصال ہو تو حرف عطف ذکر نہیں کرتے، پس یہاں حرف عطف ذکر نہ کرنا بوجہ کمال انفصال ہے، نہ بوجہ کمال اتصال، چوں کہ بیان شدت اجتہاد تھا، اس وجہ سے اس کلام کو آپ نے ذکر کیا، ورنہ جواب ان کے سوال کا جو عدد رکعات تہجد رمضان کا استفسار تھا، وہ تمام ہو چکا تھا۔

پس اس تقریر پر نہ معارضہ احادیث سے زیادہ کافی رہا اور نہ ہیئت کا اور نہ احیاء تمام لیل کا، سب احادیث مطابق

---

(۱) الصحیح لمسلم: ۲۵۶/۱، انیس (فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہ تھے ہم تیار رکھتے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے مسواک اور پانی وضو کا، سو کر اٹھتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں جب جب اٹھائے اللہ تعالیٰ ان کو، پس مسواک کرتے تھے اور وضو اور پڑھتے تھے نو رکعتیں نہیں بیٹھتے تھے ان میں سے؛ مگر آٹھویں میں (یعنی وتر کی دو رکعت کے بعد اور تیسرے کی پہلی، پھر یاد کرتے تھے اللہ کو اور ثنا کرتے تھے اس کی اور دعا مانگتے تھے، پھر کھڑے ہوتے تھے اور سلام نہ پھیرتے تھے، پھر پڑھتے نویں رکعت اور قعدہ کرتے اور یاد کرتے اللہ کو اور ثنا کرتے اس کی اور دعا مانگتے، پھر سلام پھیرتے ایسے سلام کہ ہمیں سنائی دیتے، پھر پڑھتے تھے دو رکعت بعد سلام بیٹھ کر، پس یہ گیارہ رکعت ہوئیں اے بیٹے۔)

واقع کے اور باہم موافق ہوگئیں اور یہی مراد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی ہے، پس معلوم ہوا کہ تمام شب نماز نہ پڑھنا تہجد کے واسطے ہے اور پڑھنا تراویح کے واسطے اور بخاری نے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جماعت تراویح کو جو اول وقت میں حضرت ابی رضی اللہ عنہ کرا رہے تھے اور یہ جماعت خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مقرر کرائی ہوئی تھی، دیکھ کر فرمایا: "والتی تنامون عنها أفضل من التی تقومون" تو اس سے بھی اگر مغایرت دونوں نمازوں کی نکالی جاوے تو بعید نہیں؛ کیوں کہ معنی اس قول کے یہ ہیں کہ جو نماز کہ اس سے سو رہتے ہو تم؛ یعنی تہجد کہ آخر رات میں ہوتی ہے، افضل ہے اس نماز سے جو پڑھتے ہو تم؛ یعنی تراویح کہ اول وقت پر پڑھتے تھے اور چوں کہ یہ لوگ تراویح کو پڑھ کر تہجد کو نہیں اُٹھتے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو رغبت تہجد پڑھنے کی بھی دلائی کہ افضل کو ترک نہ کرنا چاہیے، لہذا اول وقت میں تراویح اور آخر میں تہجد ادا کریں، ورنہ اس تراویح کو ہی اخیر وقت میں پڑھیں کہ فضیلت بھی حاصل ہو جاوے اور آخر وقت کی تراویح سے تہجد بھی حاصل ہو جائے کہ بتداخل صلوٰتین دونوں نماز کا ثواب ملتا ہے اور اس سے افضلیت وقت بھی معلوم ہوگئی۔

چناں چہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل سے صراحۃً یہ ثابت نہیں ہوا کہ جب آپ نے اول رات میں تین روز تراویح پڑھی تو اخیر وقت میں تہجد پڑھا یا نہیں۔ واللہ اعلم

مگر فعل بعض صحابہ سے اس کا نشان ملتا ہے، چناں چہ ابوداؤد نے قیس بن طلق سے روایت کی ہے:

عن قیس بن طلق قال: زارنا طلق بن علی فی یوم من رمضان وأمسی عندنا وأفطر ثم قام بنا تلک اللیلة وأوتر بنا، ثم انحدر إلٰی مسجده فصلّٰی بأصحابه حتّٰی إذا بقی الوتر قدم رجلاً، فقال: أوتر بأصحابک فإنی سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول: لا وتران فی لیلة، انتهٰی(۱)

اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ طلق بن علی نے اول لوگوں کے ساتھ موافق فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اول وقت میں تراویح ادا کی اور وتر بھی اس کے ساتھ پڑھے، جیسا کہ فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور بعد اس کے اپنی مسجد میں جا کر آخر وقت میں تہجد ادا کیا اور اس کے ساتھ وتر نہیں پڑھے اور مقتدیوں کو حکم کیا کہ تم اپنے وتر پڑھ لو اور چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تہجد کے ساتھ وتر پڑھتے تھے، لہذا وہ مقتدی تہجد گزار کے ساتھ وتر پڑھنا چاہتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں وقت میں نماز پڑھی گئی اور صحابہ اتباع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

(۱)　سنن أبی داؤد، باب فی نقض الوتر، رقم الحدیث: ۱۴۴۱، انیس (کہا قیس بن طلق نے: زیارت کی ہماری طلق بن علی نے دن میں رمضان کے اور شام کو ہمارے پاس ہی افطار کیا، پھر قیام کیا ہمارے ساتھ اس رات میں اور وتر پڑھے ہمارے ساتھ، پھر گئے اپنی مسجد کی طرف اور نماز پڑھائی اپنے ساتھیوں کو، یہاں تک کہ باقی رہ گئے وتر، پھر آگے کیا کسی آدمی کو اور کہا: وتر پڑھا اپنے ساتھیوں کو، اس واسطے کہ سنا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے: ایک رات میں دو دفعہ وتر نہیں۔)

علیہ وسلم میں نہایت سرگرم تھے سو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسرے وقت میں تہجد پڑھا ہوگا اور یہ جو بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ فرماتی ہیں: ''إذا دخل العشر شد میز ره وأحيی ليله وايقظ أهله. (الحدیث) اس سے تین امر ثابت ہوتے ہیں:

(۱)　اول یہ کہ ان ایام میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام رات جاگے ہیں، اس واسطے کہ احیاء لیلہ وہیں بولا جاتا ہے کہ تمام رات جاگیں۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جو انکار تمام رات کے جاگنے کا کیا ہے، وہ تہجد کی نسبت ہے نہ مطلقاً تو اس بیان میں خود تمام رات جاگنے کو ارشاد فرماتی ہیں۔

(۲)　دوسرے یہ کہ جن دو شب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تراویح کو ثلث لیل تک اور نصف لیل تک پڑھا تھا تو بعد نصف شب کے آپ سوئے نہیں؛ کیوں کہ وہ لیالی بھی داخل عشرہ تھیں، پھر بعد نصف شب کے غالب گمان یہ ہے کہ نوافل پڑھیں کہ وہ تہجد تھیں؛ کیوں کہ آپ کی عادت رات کو نماز ہی پڑھنے کی تھی، بیٹھ کر ذکر کرنا، یا قرآن پڑھنا معتاد نہیں، اس سے بھی اختلاف دونوں نمازوں کا مظنون ہوتا ہے۔

(۳)　تیسرے یہ کہ تراویح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ پڑھی کہ اول شب میں جو کچھ پڑھتے تھے وہ تراویح تھی اور آخر شب میں تہجد، سو تراویح فعلاً بھی سنت مؤکدہ ہوئی اور جو کچھ کہ آپ نے بخوف افتراض ترک کیا تھا، وہ جماعت بتداعی تھی، نہ نفس تراویح۔

الحاصل ان سب وجوہ سے مغایرت تہجد وتراویح کی ظاہر ہے؛ مگر ہاں ایک نماز دوسرے کی قائم مقام ہوسکتی ہے کہ اگر تہجد کے وقت میں تراویح پڑھی جاوے تو تہجد بھی ادا ہو جائے گی اور یہ امر سب نوافل میں ہے، مثلاً اگر بوقت ضحیٰ صلوٰۃ کسوف پڑھی جاوے، قائم مقام صلوٰۃ ضحیٰ کے ہو جاتی ہے اور اگر خسوف قمر کی نماز تہجد کے وقت پڑھی جاوے تو تہجد بھی ادا ہو جاتا ہے، اگرچہ بحیثیت تراویح۔ تراویح تہجد سے جدا صلوٰۃ ہے اور صلوٰۃ کسوف صلوٰۃ ضحیٰ سے اور صلوٰۃ خسوف صلوٰۃ تہجد سے؛ مگر ثواب ہر دو کا حاصل ہو جاتا ہے، علیٰ ہذا وقت ضحیٰ ایک ہے اور اس کے فضائل میں احادیث وارد ہیں اور اول وقت اور آخر وقت دونوں وقت میں نماز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور ہر دو نماز علاحدہ ہیں؛ مگر ایک کے پڑھنے سے ثواب وارد حدیث حاصل ہو جاتا ہے، لہٰذا اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام رات نماز تراویح پڑھی تو تہجد کا بھی اس میں تداخل ہو گیا اور اگر ثلث شب تک پڑھی، یا نصف تک بجماعت تو باقی شب میں منفرداً نماز ادا ہونا بظن غالب معلوم ہوتا ہے؛ مگر کسی راوی نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بعد اس کے واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیام رمضان کے عدد رکعات کو قولاً محدود نہیں فرمایا؛ بلکہ مطلق صلوٰۃ کی رغبت دلائی اور مطلق حسب قاعدہ ''المطلق يجری علی اطلاقه''، یہ چاہتا ہے کہ صلوٰۃ کسی ہیئت

اور کسی عدد سے اگر ادا کی جاوے، مامور اًمندوب ہووے گی۔ دریں صورت پابندی کسی عدد کی نہیں ہوسکتی؛ بلکہ درمختار میں ہے: جس قدر چاہے پڑھے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من قام رمضان إیماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه. (الحدیث)(۱)

وقال جعل اللّٰه صیامه فریضة وقیامه تطوعاً. (الحدیث)

وقال سننت لکم قیامه. (الحدیث)(۲)

ان ہر دو حدیث میں بھی قیام رمضان کو مطلق ہی رکھا ہے، کوئی عدد بیان نہیں فرمایا ہے، لہٰذا جیسا کہ تہجد پہلے سے مندوب تھا، ایسا ہی قیام رمضان جو تراویح ہے، مطلقاً امت پر و جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مندوب ہوا کہ ادنیٰ اس کے دو رکعت اور نہایت کی کوئی حد نہیں، اگر چہ ہزار، یا کم زیادہ ہوں، پس بعد اس کے اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عدد اکثر معمول فرمایا تو وہ سنت مؤکدہ ہو جاوے گا اور جس کو احیاناً ادا فرمایا، وہ مستحب رہے گا اور سوائے اس کے دیگر اعداد بھی مستحب رہیں گے، ہرگز بدعت نہیں ہو سکتے اور یہ قاعدہ سب عبادات میں جاری ہے کہ مامور مطلق ان اعداد میں جن کو وہ شامل ہے، مطلق ہی مطلوب ہوتا ہے، کسی عدد معین میں منحصر نہیں ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے التزام سے سنت مئوکدہ اور احیاناً کرنے سے مستحب اور ماسوائے اس کے یہی مستحب، مثلاً حق تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**استغفروا ربکم**﴾ (الآیة) اس سے استغفار مطلوب ہے، اگر چہ وجوباً ہو، یا ندباً۔ بعد اس کے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**إنی لاستغفر اللّٰه فی کل یوم سبعین مرة**'' تو اب اگر کوئی سبعین سے زیادہ استغفار کرے، وہ اسی امر مطلق کا فرد مطلوب ہوگا، اس کو بدعت نہ کہہ سکیں گے۔ یہ جزئیہ بطور تنظیر لکھا گیا ہے۔ اہل علم بہت سی عبادات مستحبہ کو بریں قیاس دریافت کر سکتے ہیں۔ بناء علیہ جو صحابہ اور تابعین اور مجتہدین علماء نے اعداد رکعات اختیار کئے ہیں، چناں چہ ان کا ذکر آگے کیا جائے گا، وہ سب انہی احادیث کے افراد ہیں، کوئی ان سے خارج نہیں، سب مامور مندوب ہیں؛ مگر علماء حنفیہ کے نزدیک جو عدد ان میں سے فعل، یا قول جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بجماعت ثابت ہوا ہے، اس میں جماعت کو سنت کہیں گے اور اس کے سوائے میں جماعت کو بتداعی مکروہ فرمائیں گے؛ کیوں کہ ان کے نزدیک جماعت نفل بتداعی مکروہ ہے؛ مگر جس موقع میں کہ نص سے ثابت ہو چکی ہے، وہاں مکروہ نہیں۔

---

(۱) سنن أبی داؤد، باب فی قیام شهر رمضان: ۱/۱۹٤، انیس) (فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے: جو شخص قیام کرے رمضان میں اخلاص سے اور ثواب کی نیت سے، بخشے جائیں گے اس کے پہلے گناہ۔)

(۲) سنن النسائی، ثواب من قام رمضان وصامه إیماناً احتساباً: ۱/۳۰۸، انیس

اسی واسطے کتب فقہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر عدد تراویح میں شک ہو جاوے کہ آٹھارہ پڑھی یا بیس تو دو رکعت فرادیٰ فرادیٰ پڑھیں نہ بجماعت بسبب اطلاق حدیث کے زیادہ ادا کرنا ممنوع نہیں، خواہ کوئی عدد ہو؛ مگر جماعت بیس سے زیادہ کی ثابت نہیں، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ الحاصل قولاً کوئی عدد معین نہیں؛ مگر آپ کے فعل سے مختلف اعداد معلوم ہوتے ہیں، چناں چہ امام احمد رحمہ اللہ علیہ کا قول جامع ترمذی میں ہے:

قال أحمد: روی فی ذلک أنوا ع لم یقض فیه بشیء، انتھی(۱) یعنی امام احمدؒ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا اور کسی صورت کو مرجح نہیں بنایا؛ بلکہ سب کو جائز اور مستحب رکھا، ازاں جملہ ایک دفعہ گیارہ رکعت بجماعت پڑھنا ہے۔

چناں چہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شب میں گیارہ رکعات تراویح بجماعت پڑھی۔

وعن جابر أنه صلٰی بھم ثمان رکعات والوتر ثم انتظروہ فی القابلة فلم یخرج إلیھم، رواہ ابن خزیمة وابن حبان فی صحیحھما، انتھی.(۲)

مگر یہ آٹھ رکعت پڑھنا تراویح کا بجماعت مستلزم نفی زیادہ کو نہیں اس واسطے کہ ممکن ہے؛ بلکہ مظنون ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اول آخر اس نماز کے منفرداً زیادہ پڑھی ہوں، اس واسطے کہ رمضان میں آپ احیاء تمام لیل کا کرتے تھے، چناں چہ سابق میں گزرا اور دیگر لیالی میں بجماعت گیارہ رکعت سے زیادہ پڑھی ہوں، یا منفرداً آپ نے زیادہ پڑھی ہوں، اس کی نفی نہیں ہوسکتی، اس واسطے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ آپ نے ہر روز گیارہ رکعت پڑھیں، نہ یہ کہا کہ سوائے اس کے اور کوئی رکعت نہیں پڑھی؛ بلکہ ایک دن کی صلوٰۃ بجماعت کا ذکر کرتے ہیں اور بس اور یہ واقع فعل ہے کہ احتمال عموم کا نہیں رکھتا اور نہ زیادہ رکعات کا معارض ہوسکتا ہے، اس واسطے کہ تعارض کے لیے وحدت زمان و مکان شرط ہے، خصوصاً اس شب میں کہ آپ نے تمام شب سب کو جمع کر کے نماز پڑھی، جیسا کہ روایت ابوذرؓ سے اوپر گزرا۔

اگر اس میں گیارہ رکعت پڑھی جاتیں تو تطویل قیام بالضرور کوئی راوی بیان کرتا، جس طرح تاخیر سجود کو ذکر کیا ہے؛ کیوں کہ آٹھ نو گھنٹہ میں آٹھ رکعت پڑھنا نہایت دشوار ہوتا ہے تو یہ تطویل قابل ذکر تھی، جیسا کہ صلوٰۃ کسوف کی تطویل کو ذکر کیا جاتا ہے، لہٰذا عجب نہیں کہ اس شب میں بیس رکعت پڑھی گئی ہوں، یا زیادہ اور منفرداً آپ نے بیس رکعت؛

(۱)　فرمایا امام احمد نے: روایت کی گئی ہیں اس میں کئی صورتیں اور کچھ حکم نہ کیا امام احمد نے اس بارے میں۔

(۲)　صحیح ابن خزیمة، باب ذکر دلیل بأن الوتر لیس بفرض، رقم الحدیث: ۱۰۷۰، انیس (مروی ہے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی صحابہ کے ساتھ آٹھ رکعتیں اور وتر پھر انتظار کیا صحابہ نے آئندہ کی رات میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ نکلے، روایت کیا اس کو ابن خزیمہ نے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں۔)

بلکہ زیادہ پڑھی ہوں، اگرچہ ان تین شب کی عدد رکعات جو حضرت ابوذرؓ نے نقل فرمایا، کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا بیس رکعت، بلکہ زیادہ پڑھی ہوں اور وجہ نہ نقل کرنے کی یہ ہے کہ عدد رکعات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مختلف تھے اور قولاً اعداد رکعات کی تعیم تھی، لہذا ہر روز کے اعداد رکعات کا ذکر کرنا کچھ ضرور نہیں سمجھا گیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابن ابی شیبہ نے جو اپنی تصنیف میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بیس رکعت پڑھنا نقل کیا ہے، اگرچہ وہ روایت ضعیف ہے؛ مگر مؤید ہے آثار صحابہ سے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیس رکعت پڑھی ہیں اور جمہور تابعین اور رفقہاء کا اس پر عمل درآمد ہے، جیسا کہ عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے:

قلت: روى عبد الرزاق في المصنف عن داؤد بن قيس وغيره عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد أن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه جمع الناس في رمضان على أبي بن كعب وعلى تميم الداري على إحدٰى وعشرين ركعة، يقومون بالمئين وينصرفون بزوغ الفجر، قلت: قال ابن عبد البر: هو محمول علٰى أن الواحدة للوتر، وقال ابن عبد البر: وروى الحارث بن عبدالرحمن بن أبي ذباب عن السائب بن يزيد قال: كان القيام علٰى عهد عمر بثلاث وعشرين ركعة، قال ابن عبد البر: هٰذا محمول علٰى أن الثلاث للوتر، وقال شيخنا: وما حمله عليه في الحديثين صحيح بدليل ما روى محمد بن نصر من رواية يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد أنهم كانوا يقومون في رمضان بعشرين ركعة في زمان عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه وأما أثر علي رضي اللّٰه تعالٰى عنه فذكره وكيع عن حسن بن صالح عن عمرو بن قيس عن أبي الحسناء عن علي رضي اللّٰه تعالٰى عنه أنه أمر رجلاً يصلي بهم رمضان عشرين ركعة وأما غيرهما من الصحابة فروى ذلك عن عبد اللّٰه بن مسعود رواه محمد ابن نصر المروزي قال: أخبرنا يحيٰى بن يحيى أخبرنا حفص بن غياث عن الأعمش عن زيد بن وهب قال: كان عبد اللّٰه بن مسعود يصلي لنا في شهر رمضان فينصرف وعليه ليل، قال الأعمش: كان يصلي عشرين ركعة ويوتر بثلاث وأما القائلون به من التابعين فشيتر بن شكل وابن أبي مليكة والحارث الهمداني وعطاء بن أبي رباح وأبو البحتري وسعيد بن أبي الحسن البصري أخو الحسن وعبد الرحمن ابن أبي بكر وعمران العبدي وقال ابن عبد البر: وهو قول جمهور العلماء وبه قال الكوفيون والشافعي وأكثر الفقهاء وهو الصحيح عن أبي بن كعب من غير خلاف من الصحابة، انتهٰى. (۱)

---

(۱) عمدة القاري، كتاب التراويح: ۸/۲٤٥-۲٤۹، انیس (کہتا ہوں میں روایت کی عبدالرزاق نے نے اپنی تصنیف میں داؤد بن قیس سے اور اوروں سے انہوں نے محمد بن یوسف سے انہوں نے سائب بن یزید سے کہ تحقیق حضرت عمرؓ نے جمع کیا لوگوں کو رمضان میں ابی بن کعب اور تمیم داری کے پیچھے اکیس رکعت پر قیام کرتے تھے سو آیت والی سورتوں کے ساتھ اور فارغ ہوتے تھے صبح صادق کے طلوع کی کہتا ہوں میں (یعنی عینی) کہا عبدالبر نے یہ محمول ہے اس پر کہ ایک رکعت وتر کی تھی ==

وقال الترمذی فی سننه: واختلف أهل العلم فی قیام رمضان فرأی بعضهم أن یصلی إحدٰی وأربعین رکعة مع الوتر وهو قول أهل المدینة والعمل علٰی هٰذا عندهم بالمدینة وأکثر أهل العلم علٰی ما روی عن علی وعمر وغیرهما من أصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم عشرین رکعة وهو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی: وهٰکذا أدرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة، وقال أحمد: روی فی هٰذا ألوان لم یقض فیه بشیء، وقال إسحاق: بل نختار إحدٰی وأربعین رکعة علٰی ماروی عن أبی بن کعب،انتهی. (۱)

اور کتب میں بھی یہ اور اس سے زیادہ منقول ہے، اس کے ذکر میں تطویل ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جن کے باب میں یہ حدیث وارد ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: "**تمسکوا بعهد ابن مسعود**" (**الحدیث**) (۲) **وکان أقرب الناس هدیاً وسمتا برسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ابن مسعود.** (**الحدیث**) (۳) بیس ۲۰ رکعت پڑھتے اور اسی کا امر فرماتے تھے تو یہ عدد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو

== اور کہا ابن عبدالبر نے روایت کی حارث بن عبدالرحمٰن بن ابی بن ذباب نے سائب بن یزید سے کہا کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قیام تیئیس رکعت کے ساتھ تھا، کہا ابن عبدالبر نے یہ محمول اس پر ہے کہ تین رکعتیں وتر کی تھیں اور کہا استاذ ہمارے نے یہ مراد یعنی ابن عبدالبر کی صحیح ہے ساتھ دلیل اس کے کہ روایت کی محمد بن نصر نے روایت یزید بن خصیفہ کی سے انہوں نے سائب بن یزید سے کہ قیام کرتے تھے وہ رمضان میں بیس رکعات کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اثر حضرت علیؓ کا پس ذکر کیا اس کو وکیع نے حسن بن صالح سے انہوں نے عمرو بن قیس سے انہوں نے ابوالحسناء سے انہوں نے حضرت علیؓ سے کہ انہوں نے امر کیا ایک شخص کو کہ نماز پڑھے لوگوں کے ساتھ بیس رکعات اور لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت علی کے سواء اور صحابہ پس روایت کی گئی ہے عبداللہ بن مسعود سے میرا یہ ظن ہے کہ روایت کرنے والے محمد بن نصر مروزی ہیں کہا انہوں نے خبر دی ہم کو یحیٰ بن یحیٰ نے ان کو حفص بن غیاث نے انہوں نے اعمش سے سنا اعمش نے زید بن وہب سے کہا اس نے تھے عبداللہ بن مسعودؓ پڑھتے ہمارے ساتھ رمضان کے مہینہ میں اور فارغ ہوتے کچھ رات سے کہا اعمش نے کہ بیس رکعتیں تراویح کی تھیں اور تین وتر کی لیکن قائل بیس کے تابعین میں سے شتیر بن شکل اور ابن ابی ملیکہ اور حارث ہمدانی اور عطا ابن ابی رباح وسا ابوالبختری اور سعید بن ابی الحسن البصری بھائی حسن بصری اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عمران عبدی کے ہیں اور کہا ابن عبدالبر نے یہی ہے قول اکثر علما کا اور اسی کے قائل ہیں کہ کوفہ کے علماء اور امام شافعی اور اکثر فقہاء اور یہی ثابت ہے کہ ابی بن کعب سے بدون خلاف کسی صحابی کے۔)

(۱) **جامع الترمذی، باب ماجاء فی قیام شهر رمضان: ١٦٦/١**، انیس (اور کہا ترمذی نے اپنی سنن میں کہ اختلاف کیا اہل علم نے قیاسم رمضان میں پس اعتقاد کیا بعض نے اس بات کا کہ اکتالیس رکعت پڑھے وتر سمیت اور یہی ہے قول مدینہ والوں کا اور اسی پر عمل کرتے ہیں وہ اور اکثر اہل علم اس پر عمل کرتے ہیں جو حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور صحابہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی یعنی بیس رکعت اور یہی ہے قول سفیان ثوری کا اور ابن مبارک کا اور امام شافعیؒ کا اور فرمایا امام شافعیؒ نے کہ ایسے ہی پایا ہم نے اہل مکہ کو بیس رکعات پڑھتے ہوئے اور فرمایا امام احمد نے روایت کی گئی ہیں اس میں کئی صورتیں ہیں اور نہ حکم کیا اس میں کسی طرح کا اور فرمایا اسحاق نے بلکہ ہم پسند کرتے ہیں اکتالیس رکعت جیسے کہ روایت کی گئی ابی بن کعب سے۔)

(۲) پورا عمل کرو ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) کی وصیت پر۔

(۳) اور ابن مسعودؓ تھے اقرب لوگوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ، از روئے سیرت کے اور چال چلن کے۔

محفوظ تھا، اسی واسطے اس کا التزام کیا، اگر چہ ایک ہی دو بار سہی؛ لیکن تسنن کے واسطے ایک دفعہ کا فعل بھی کافی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"اقتدوا بالذین بعدی؛أبی بکر وعمر" (۱) مطلق اقتدا کا حکم تمام امور میں فرمایا، انہوں نے بیس کا امر فرمایا اور نیز خلفاء ثلثہ عمر وعثمان وعلی جب کہ ان ہر سہ نے بیس کا امر فرمایا تو بمقتضاء "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدین" (۲) اس کا عمل امت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لازم فرمایا اور تمام صحابہ موجودین زمانہ عمر میں وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم نے کبھی اس پر انکار نہ فرمایا اور برغبت قبول فرمایا، یہ اول دلیل ہے اس بات پر کہ سب کے نزدیک یہ عدد عشرین یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے نزدیک محفوظ تھا کہ کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر اس پر عمل کیا اور یا یہ کہ اطلاق قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مثبت اس عدد کا بھی سمجھا اور بطیّب خاطر اس کو قبل فرمایا، لہذا اس عدد کو مسنون ہی کہا جائے گا اور اس پر کسی وجہ سے شائبہ لفظ بدعت کا رکھنا سخت مذموم ہوگا؛ کیوں کہ اولاً مطلق قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب اعداد مطلقاً مسنون ہو گئے ہیں۔ ثانیاً خود فعل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احیاناً اس کا استحباب ثابت ہوا، ثالثاً جن صحابہ کے اقتدا پر ہم کو تاکید کی گئی تھی، ان کے فعل سے یہ عدد ثابت ہوا تو گویا ان صحابہ کا فرمانا اور عمل کرنا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فرمانا اور عمل کرنا تھا۔ رابعاً سوائے ان صحابہ کے دیگر صحابہ جو صدہا تھے، کسی نے اس پر انکار نہ کیا اور سب نے اس کو بطیّب خاطر قبول فرمایا۔

پس بعد اس کے کون سی دلیل کی حاجت ہے اور اس فعل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایات صحیح ہیں اور یزید بن رومان کی حدیث میں ہر چند کہ انقطاع ہے مگر اولاً حدیث منقطع موطأ کی خود صحیح ہے کہ امام مالک صاحب کے یہاں اور سب محدثین کے یہاں قبل زمانہ شافعی سے منقطع ثقہ کی صحیح ہوتی تھی اور ابن عبد البر کہتے ہیں کہ جتنے منقطعات مالک کی ہیں، ان کے اتصال ہم نے دوسری سند سے دریافت کر لیا ہے، سوائے چار روایت کے کہ یہ روایت فعل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی، ان چار ثابت الاتصال میں داخل نہیں اور سائب بن یزید کی روایات جو اوپر مذکور ہوئیں، اس کے مؤید ہیں اور یہ صحیح ہیں اور فعل حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں بھی کوئی تعارض نہیں کہ اولاً گیارہ کا حکم کیا تھا اور پھر اکیس کا اور پھر تئیس کا اور چوں کہ اس میں بھی اختلاف زمان ہے، لہذا نہ اس میں تعارض ہے اور نہ ضعف ہے اور اگر یوں کہا جاوے کہ اول دفعہ آٹھ تراویح تھی اور تین وتر اور دوسری دفعہ اٹھارہ تراویح اور تین وتر اور تیسری دفعہ میں بیس تراویح اور تین وتر تو درست ہے اور یہ ہر سہ فعل باوقات مختلفہ صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم تھے، لہذا یہ

---

(۱)　اقتدا کرو ساتھ ان دو کے جو بعد میرے ہوں گے؛ یعنی حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ۔

(۲)　لازم بنالو اپنے پر عمل میری سنت کا اور سنت خلفا کا جو اوروں کو ہدایت کرنے والے اور خود ہدایت یافتہ ہیں۔

سب سنت ہیں اور کوئی معارض ایک دوسرے کے نہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اوپر معلوم ہو چکا کہ تہجد میں ہے، نہ تراویح میں، سو وہ معارض بیس کے نہیں ہو سکتی اور اگر بالفرض ہم دونوں صلوٰۃ کو ایک ہی تسلیم کریں؛ تاہم کچھ معارضہ نہیں، اس واسطے کہ یہ قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اکثریہ ہے، نہ کلیہ اور اگر اس کو کلیہ کہا جاوے تو خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تیرہ کی روایت کرتی ہیں، چناں چہ امام مالکؒ موطأ میں روایت فرماتے ہیں اور یہ پہلے بھی گزر چکی ہے:

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يصلي بالليل ثلٰث عشرة ركعة، ثم يصلي إذا سمع النداء للصبح بركعتين خفيفتين. (الحديث)(۱)

پس اگر وہ روایت کلیہ قرار دی جاوے تو یہ روایت غلط ہو جاوے گی اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا تیرہ رکعت روایت کرنا، جو صحیحین میں ہے، غلط ہو جاوے گا۔ پس یا اس روایت کو اکثریہ بنایا جائے؛ تاکہ سب روایتیں صحیح رہیں، یا عدم علم حضرت عائشہؓ پر حمل کیا جاوے اور عدم علم پر حمل کرنا ظاہر ہے کہ غیر مناسب ہے، پس جیسا کہ تیرہ رکعت کی حضرت عائشہؓ سے اور دیگر صحابہ سے تصحیح ہو گئی، ایسا ہی اٹھارہ اور بیس اور زائد کی بھی تصحیح ہو سکتی ہے اور جیسا کہ تیرہ اور گیارہ میں تعارض نہیں ہے، ایسا ہی بیس میں تعارض نہ رہے گا، بہر حال اس حدیث ابن عباس کی مؤیدات موجود ہیں، پھر اس کے ضعف پر کیا نظر کی جاوے گی، اگر مقابلہ گیارہ کے روایت کی صحت تیرہ رکعت کو معتبر کیا جاتا ہے تو بیس رکعت کی روایات صحیحہ، جو صحابہ کے فعل سے معتبر ہوئیں، کس طرح معتبر نہ ہوں گی؛ بلکہ افعال صحابہ بھی حسب ارشاد جناب فخر عالم علیہ السلام کے مثل فعل رسول اللہ ہی کے ہوں گے۔ اب رہی یہ بات کہ بیس کے فعل کی نسبت خلفاء ثلثہ کی طرف ہے اور خلیفہ اول سے یہ فعل سرزد نہیں ہوا تو کچھ حرج نہیں، اس واسطے کہ خلفاء صیغہ جمع کا ہے اور اس پر الف لام داخل ہوا ہے اور قاعدہ عربیت کا ہے کہ جب الف لام جمع پر داخل ہوتا ہے تو وہ معنی عموم کے دیتا ہے، جمع اور واحد کو دونوں کو مثلاً: ”**لا أتزوج النساء**“ اگر کہے تو جیسا کہ بہت عورتوں کے نکاح کرنے سے حانث ہوگا، ایسا ہی ایک اور دو سے بھی حانث ہو جاتا ہے، جیسا کہ ”**لا يحل لك النساء من بعد**“ میں ممانعت نکاح ایک کی اور بہت کی ثابت ہوتی ہے۔ پس تین خلیفہ کا عمل اس پر ہونا کافی ہے اور اگر ایک خلیفہ بھی اس کے اوپر عمل کرتے، جب بھی کافی تھا، چہ جائیکہ تین خلیفہ نے یہ کام کیا اور سب صحابہ نے اس پر اجماع کیا اور مراد سنت الخلفاء سے حدیث میں وہ امر ہے کہ اصل اس کی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہو؛ مگر شیوع اس کا نہیں ہوا، پھر کسی خلیفہ نے

---

(۱) موطأ الإمام مالك رواية يحيى الليثي، باب صلاة النبي صلى اللّٰه عليه وسلمفي الوتر، رقم الحديث: ٢٦٤، انیس (مروی ہے حضرت عائشہؓ سے کہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے رات میں تیرہ رکعتیں پھر پڑھتے تھے جب اذان صبح کی ہو جائے اور دو رکعتیں ہلکی۔)

اس کا شیوع کر دیا، سو وہ فی الحقیقت سنت رسول اللہ ہی ہے؛ مگر چوں کہ اس کا شیوع خلفاء سے ہوا، اس واسطے اس کو سنت الخلفاء فرمایا۔ پس سنت الخلفاء وہی ہے کہ اصل اس کی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہو، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ کہا تھا کہ "**علیکم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدین**"؛ اس لیے جو امر کہ مخالف سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا، وہ امر بدعت ہوگا اور صحابہ بھی اسی سنت خلفاء کو التزام کرتے تھے کہ جس کی اصل سنت رسول اللہ میں موجود ہو اور خلفاء کی سنت بھی ایسی ہی ہوتی تھی اور جب تک کہ صحابہ کو سنت خلفاء کی اصل نہ معلوم ہوتی تھی، وہ قبول نہ کرتے تھے۔

مثلاً: جس وقت کہ شیخین نے زید بن ثابت کو بلا کر جمع قرآن کے واسطے کہا تو چوں کہ زید کو یہ امر بدعت معلوم ہوا تو یہ جواب دیا کہ کس طرح کرتے ہو تم اس عمل کو، جس کو رسول اللہ نے نہیں کیا اور زید کہتے ہیں کہ اگر شیخین مجھ کو پہاڑ نقل کرنے کا حکم دیتے تو وہ میرے نزدیک سہل تھا، اس امر سے اور اس کی وجہ وہی تھی کہ وہ اس کو بدعت سمجھ رہے تھے، لہذا انہوں نے اس کو قبول نہ کیا، یہاں تک کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کو سمجھا دیا کہ یہ بدعت نہیں؛ بلکہ سنت ہی ہے، اس وقت انہوں نے قبول فرمالیا۔ یہ قصہ بخاری میں موجود ہے:

عن عبيد بن السباق أن زيد بن ثابت قال: أرسل إليّ أبوبكر مقتل أهل اليمامة فإذا عمر بن الخطاب عنده، قال أبو بكر: إن عمر أتاني، فقال: إن القتل قد استحر يوم اليمامة بقراء القرآن وأني أخشى أن استحر القتل بالقراء بالمواطن فيذهب كثير من القرآن وإني أرى أن تأمر بجمع القرآن، قلت لعمر: كيف تفعل شيئًا لم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال عمر: هٰذا والله خير، فلم يزل عمر يراجعني حتٰى شرح الله صدري لذلك، ورأيت في ذلك الذي رأى عمر، قال زيد: قال أبو بكر: إنك رجل شاب عاقل، لا نتهمك، وقد كنت تكتب الوحي رسول الله صلى الله عليه وسلم، فتتبع القرآن جمعه، فوالله لو كلفوني نقل جبل من الجبالٰى ما كان اثقل علٰى مما أمرني به من جمع القرآن، قلت: كيف تفعلون شيئًا لم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: هو والله خير، فلمه يزل أبوبكر يراجعني حتٰى شرح الله صدري للذي شرح له صدر أبي بكر وعمر. (۱)

---

(۱) صحيح البخاري، باب جمع القرآن: ٧٤٥/٢، انیس (مروی ہے زید بن سباق سے کہ تحقیق زید بن ثابت نے فرمایا کہ بھیجا کوئی آدمی حضرت ابوبکرؓ نے میرے طرف، جبکہ یمامہ والوں کے ساتھ مقاتلہ تھا، پس ناگاہ حضرت عمر کو میں نے وہاں پایا، فرمایا حضرت ابوبکرؓ نے کہ حضرت عمرؓ میرے پاس آئے اور کہا کہ قتل شدید ہوا ہے یمامہ کے مقاتلہ میں قرآن پاک کے قاریوں پر اور میں ڈرتا ہوں اگر ایسے ہی قتل رہا قاریوں پر تو اور طرفوں میں تو اکثر کلام اللہ ہمارے ہاتھوں سے جاتا رہے گا اور مناسب مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ امر کریں کلام اللہ جمع کرنے کا، کہا میں نے (یعنی حضرت ابوبکرؓ) عمرؓ کے تئیں کیسے تجویز کرتا تو ایسی بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی، ==

سواس سے صاف ظاہر ہے کہ قبول کرنا صحابہ کا سنت خلفاء کو اس وقت ہوتا تھا کہ ان کے نزدیک وہ سنت موافق سنت رسول اللہ کے ہوتی تھی۔ پس یہ سنت عشرین رکعت بھی ایسی ہی ہے کہ اس کی اصل سنت رسول اللہ میں موجود ہے، اسی واسطے تمام صحابہ نے اس وقت میں اس کو قبول کیا اور اس پر عامل رہے اور کسی وقت کسی ایک نے بھی صحابہ میں سے اس پر انکار نہ کیا، نہ اس کو مخالف سنت رسول اللہ سمجھا، اگر چہ بعض نے اس پر عمل نہ کیا ہو؛ بلکہ دوسرے عدد پر عمل کیا ہو کہ وہ بھی سنت سے ان کے نزدیک ثابت تھا؛ مگر انکار ہرگز کسی نے نہیں کیا، اگر کسی کو دعویٰ ہے تو ظاہر کرے، پس جب اجماعاً اس کا ثبوت بلا انکار قرن صحابہ میں ہو گیا تو یہ مجمع علیہ ہو گیا اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا اس کا واضح ہو گیا: "**قال عليه السلام: لا تجتمع أمتي على الضلالة**". (۱) پس بعد ایسی دلیل قطعی کے کسی اہل فہم کو جسارت نہ ہوگی کہ اس کو بدعت کہے؛ مگر ہاں اس کو بھی سنت جان کر دوسرے عدد پر جو کہ سنت سے ثابت ہے، اس سے کم، یا زیادہ اگر اس پر عمل کرے تو ملامت نہیں؛ مگر ان لوگوں پر جو آٹھ رکعت پر قناعت کرتے ہیں اور اس سے زیادہ سے اعراض کرتے ہیں، بسبب ترک کر دینے سنت خلفائے راشدین کے کہ فی نفس الامر وہ بھی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور بقول **عليه السلام: عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ**. (۲) جو کہ امر موکد ہے شائبہ الزام ضرور ہوگا؛ کیوں کہ مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں سنتوں کا معمول بنانا ہے۔ یہ حکم نہیں فرمایا کہ میری سنت کو لے کر خلفاء کی سنت کو ترک کر دو؛ بلکہ دونوں پر التزام کرو، کما لا یخفی؛ مگر اس کو بدعت کہنا نہایت زبوں اور شنیع ہے، بعد اس کے کسی دلیل کی حاجت نہیں۔ اب روایت فتح الباری شرح بخاری کی نقل کی جاتی ہے کہ جس سے مذاہب علماء وفقہاء دریافت ہو جاویں، اگر چہ اوپر کی عبارات سے بھی معلوم ہو گئے تھے؛ مگر اس میں زیادہ بسط ہے:

قال في فتح الباري: لم يقع في هٰذه الرواية عدد الركعات التي كان يصلي بها أبي بن كعب، وقد اختلف في ذلك ففي الموطأ عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد أنها إحدىٰ عشرة ورواه سعيد بن منصور من وجه آخر وزاد فيه وكانوا يقرؤن بالمئتين ويقومون على العصي من طول القيام

== کہا حضرت عمرؓ نے یہ بات کہ واللہ اچھی ہے، پس رہے حضرت عمرؓ اصرار کرتے، یہاں تک کہ جما دیا اللہ نے سینہ میرا اس بات پر اور سمجھ گیا میں وہ بات جو حضرت عمرؓ سمجھے، کہا زید بن ثابت نے: فرمایا حضرت ابو بکرؓ نے تحقیق تو توانا اور عاقل ہے، نہیں متہم جانتے ہم تم کو اور البتہ تھے لکھتے وحی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے، پس جستجو کر کلام اللہ کی اور جمع کرا اسے (کہا زیدؓ نے) پس قسم اللہ کی اگر تکلیف دیتے مجھے کسی پہاڑ کے اٹھانے کی نہ گراں گزرتا مجھ پر اس سے کہ امر کیا ان دونوں نے یعنی جمع کرنا کلام اللہ کا، پس عرض کی میں نے: کیسے تجویز کرتے ہو تم ایسی چیز کہ نہیں کیا اس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے، کہا حضرت ابو بکرؓ نے: یہ بات واللہ اچھی ہے، پس ایسے ہی رہے حضرت ابو بکرؓ اصرار کرتے، یہاں تک کہ جما دیا اللہ نے جی میرا اس بات پر، جمے تھے اس پر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما۔)

(۱) فرمایا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے: نہ اکٹھی ہوگی امت میری گمراہی پر۔

(۲) (فرمایا: لازمی بنالو سنت میری اور سنت خلفاء راشدین کی جو کہ ہدایت یاب ہیں کچلیوں سے پکڑ واسے (یعنی پوری اہتمام سے۔)

ور واه محمد بن نصر المروزی من طريق محمد بن إسحق عن محمد بن يوسف فقال: ثلث عشرة ورواه عبد الر زاق من وجه أخر عن محمد بن يوسف فقال: إحدٰی وعشرين وروی مالک من طريق يزيد بن خصيفة عن السائب بن يز يد:عشرين ركعة وهٰذا محمول علٰی غير الوتر وعن يزيد بن رومان قال: كان الناس يقومون فی زمان عمر بثلث وعشر ين وروی محمد بن نصر من طريق عطاء قال: أدركتهم فی رمضان يصلون عشرين ركعة وثلث ركعات الوترو الجمع بين هٰذه الر وايات ممكن با ختلاف الأحوال ويحتمل أن ذلک الاختلاف بحسب تطويل القراء ة وتخفيفها فحيث يطيل القراء ة تقل الركعات و بالعكس وبذلک جزم الداؤدی وغيره.

والعد د الأول موافق لحديث عائشة المذكور بعد هٰذا الحديث فی الباب والثانی قريب منه والاختلاف فی ما زاد علی العشر ين راجع إلی الاختلاف فی الوتر كأنه كان تارة يوتر بواحدة وتار ة بثلا ث ور وی محمد ابن نصر من طريق داؤد بن قيس قال أدركت الناس فی إمارة أبان بن عثمان وعمر بن عبد العزيز يعنی بالمدينة يقومون بست وثلا ثين ركعة ويوترون بثلث وقال ما لک: هو الأمر القد يم عند نا وعن الزعفرانی عن الشا فعی: رأيت الناس يقومون بالمدينة بتسع وثلا ثين و بمكة بثلث وعشرين وليس فی شیء من ذلک ضيق وعنه قال: إن أطا لوا القيام وأقلواالسجود فحسن وأن أكثروا السجود واخفو القراء ة فحسن والأوّل أحب إلی، وقال الترمذی:أكثر ما قيل فيه أنها تصلی إحدٰی وأربعين ركعة يعنی بالوتر كذا قال وقد نقل ابن عبد البرعن الأسود بن يزيد يصلی أربعين يوتر بسبع وقيل ثمان وثلثين ذكره محمد بن نصرعن ابن أيمن عن مالک وهٰذ ايمكن رده إلی الأوّل بانضمام ثلٰث الوتر؛لكن صرح فی روايته بأنه يوتر بواحد ة فتكون أربعين إلا واحدة.

وقال مالک:وعلٰی هٰذا العمل منذ بضع ومائة سنة وعن مالک ست وأربعون وثلث الوتر وهٰذا هو المشهور عنه وقد روا ه ابن وهب عن العمر ی عن نافع قال:لم أدرک الناس إلا وهم يصلون تسعًا وثلثين يوترون منها بثلث ومن ذرارة بن أوفٰی أنه كان يصلی بهم بالبصرة أربعاً و ثلثين ويوترون وعن سعيد بن جبير أربعا وعشر ين وقيل: ست عشرة غيرالو تر، روی عن أبی مجلز وعن محمد بن نصر وأخرج من طريق محمد بن إسحاق حد ثنی محمد بن يوسف عن جده السائب بن يزيد قال: كنا نصلی نرمن عمرفی رمضان ثلث عشر ة،قال ابن إسحٰق:وهٰذا أثبت ما سمعت فی ذلک وهو موافق لحديث عائشة فی صلاة النبی صلی اللّٰه عليه وسلم من اليل.و اللّٰه تعالٰی أعلم انتهٰی.(۱)

(۱) فتح الباری، كتاب صلاةالتراويح: ٤/ ٣١٨-٣١٩،انیس (بخاری کی اس روایت میں تراویح کی تعداد مذکور نہیں ہوئی، جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پڑھایا کرتے تھے اور اس میں مختلف روایتیں آئی ہیں، موطأ مالک میں امام ابو یوسف سے روایت کیا ہے، سائب بن یزید صحابی کہتے ہیں کہ وہ گیارہ رکعت تھیں اور اسی روایت گیارہ والی کو سعید بن منصور نے بھی دوسرے طریق سے روایت کیا ہے، ==

الحاصل گیارہ رکعت تراویح سے جوزیادہ عدد منقول ہیں، اس پر کسی نے قرون ثلثہ میں انکار نہیں کیا، اگر چہ عمل اس پر نہ کیا ہو تو بس جواز وسنت جملہ اعداد پر اجماع ہو گیا۔ بعد ازاں قرون کے اگر کسی نے اس پر انکار کیا تو وہ قابل التفات کے نہیں، لہٰذا بیس رکعات کو، یا اس سے زیادہ کو بدعت کہنا ہرگز سزاوار نہیں، چناں چہ واضح ہو گیا اور یہ مدعا درصورت اتحاد دونوں صلوٰۃ کے بھی حاصل ہے، بحث تفرقہ ہر دو صلوٰۃ کے بسبب سوال سائل کی گئی، اگر چہ رائے بعض علمائے سلف سے یہ رائے خلاف ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ گنگوہی، ۱۶؍شوال ۱۳۱۵ھ (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۰۶-۳۲۳)

== اور یہ بھی روایت کیا ہے کہ وہ مئین سورتیں پڑھا کرتے تھے اور طول قرأت کے سبب عصا پر تکیہ لگا کر کھڑے ہوتے تھے اور روایت اس کو محمد بن نصر مروزی نے محمد بن یوسف سے اور اس میں تیرہ رکعت بیان کی ہیں اور مالک نے یزید بن خصیفہ کے طریق سے اس نے سائب بن یزید سے بیس رکعت روایت کی ہے اور یہ سوائے وتر کے معمول ہیں اور یزید بن رومان سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تئیس رکعت پڑھا کرتے تھے، ان روایات میں یوں تطبیق دی جاسکتی ہے، سب روایتیں مختلف اوقات پر محمول ہیں (یعنی کبھی گیارہ رکعت، کبھی تیرہ رکعت اور کبھی اکیس، کبھی تئیس پڑھتے تھے) اور یہ بھی احتمال ہے کہ رکعتوں کی کمی زیادتی قرأت کے زیادہ اور کم ہونے کے باعث ہے، جب قرأت زیادہ پڑھتے تو رکعتیں کم کردیتے اور بالعکس اسی تطبیق کے ساتھ داؤدی وغیرہ اہل علم نے جزم کیا ہے۔

اور پہلا عدد گیارہ رکعت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے موافق ہے، جو اسی باب میں حضرت عائشہ کی حدیث میں مذکور ہے اور دوسرا عدد تیرہ کا بھی اسی کے قریب ہے اور بیس سے زیادہ اکیس اور تیئیس میں اختلاف ہے، وہ وتر کی کمی زیادتی کی وجہ سے ہے، کبھی ایک وتر پڑھتے تو اکیس ہو جاتیں اور تین پڑھتے تو تئیس اور محمد بن نصر نے روایت کی ہے کہ داؤد بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں لوگوں کو مدینہ میں چھتیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھتا پایا ہے، مالک نے کہا کہ ہمارے نزدیک یہی قدیم سے رائج ہے اور زعفرانی سے روایت ہے کہ شافعی نے کہا کہ میں نے لوگوں کو انتالیس اور مکہ میں تئیس رکعت تراویح پڑھتے دیکھا ہے اور ان میں کسی بات پر تنگی نہیں ہے اور شافعیؒ ہی سے روایت ہے کہ اس قیام کو لمبا اور رکعتوں کو کم کریں تو اچھا ہے اور رکعتیں زیادہ پڑھیں اور قرأت کو کم کردیں تو بھی اچھا ہے؛ لیکن قرأت کو زیادہ کرنا اور رکعتوں کو کم کرنا میرے نزدیک محبوب تر ہے، ترمذی نے کہا زیادہ سے زیادہ اکتالیس رکعت تک مروی ہے؛ یعنی وتر سمیت ترمذی نے ایسا ہی ذکر کیا ہے اور تحقیق ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے کہا اسود بن یزید سینتالیس رکعت پڑھتے تھے اور بعض نے کہا کہ اڑتیس رکعت، اس کو محمد بن نصر نے بروایت ابن ایمن مالک سے روایت کیا ہے اور اس کے ساتھ تین وتر ملانے سے وہی ہو سکتی ہیں؛ لیکن اس میں ایک وتر کی تصریح کی ہے تو انتالیس رکعت ہوئیں۔

مالک نے کہا: کئی او پر برس سے اسی پر عمل چلا آرہا ہے اور مالک سے چھتیس رکعت نفل اور تین وتر بھی منقول ہیں اور مشہور ان سے اسی طرح ہے اور تحقیق ابن وہب نے عمری سے اور عمری نے نافع سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے جن (لوگوں) کا زمانہ پایا ہے، وہ انتالیس رکعت پڑھتے تھے کہ تین ان میں وتر ہوتے تھے کہ ان میں وتر ہوتے اور زرارہ بن اوفی تابعی سے روایت ہے کہ وہ بصرہ میں لوگوں کو علاوہ وتر کے چونتیس رکعت پڑھاتے تھے اور سعید بن جبیر (تابعی کبیر) سے علاوہ وتر کے چوبیس رکعت کی روایت کی ہے اور بعض نے کہا علاوہ وتر کے سولہ رکعت روایت کیا، اس کو محمد بن نصر نے ابی مجلز (تابعی) سے، محمد بن نصر نے محمد بن اسحاق سے روایت کی ہے کہ مجھ کو محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی کہ ان کے دادا سائب بن یزید صحابی نے کہا کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تیرہ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے، ابن اسحاق تابعی کہتے ہیں کہ اساتذہ سے جو ہم نے سنا ہے، اس میں یہی تیرہ رکعت کی زیادہ ثابت ہیں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز شب کے موافق یہی ہے جو حضرت عائشہ کی حدیث میں مذکور ہے۔)

المفاتیح لابواب التراویح بجواب اشتہار التحقیق فی اعداد التراویح:

سوال: بعد الحمد والصلوٰۃ، غیر مقلدین کی طرف سے ایک اشتہار (اشتہار کا عنوان ''التحقیق فی اعداد التراویح'' تھا اور مشتہر کا نام حافظ محمد عمر ٹھیکہ دار لوہا منڈی اکبرآباد لکھا ہوا تھا، یہ بوالعجبی دیکھئے کہ ٹھیکہ دار بھی مجتہد بننے کا دعویٰ کرتے ہیں؛ کیوں کہ حدیث سے ایک مسئلہ کو ثابت کرنا اور دوسرے عالموں کے مسئلہ کو رد کرنا مجتہد ہی کا تو کام ہے) شائع ہوا ہے، جس میں تراویح کی گیارہ رکعت کے سنت ہونے پر زور دیا گیا ہے اور بیس رکعات کی سنیت سے انکار کیا گیا ہے، اور ستم ظریفی دیکھو کہ حاشیہ اشتہار میں حنفیہ کو اعلان دیا ہے کہ جو کوئی حدیث صحیح، جو اپنے معنی میں صریح ہو، پیش کر دے، اس کو دس روپیہ انعام فی حدیث دیا جائے گا۔

اس کے جواب میں مجھے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ پہلے جماعت غیر مقلدین ''حدیث صحیح'' کی تعریف کسی حدیث ہی سے بیان کر دیں اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے یہ ثابت کریں کہ حدیث حسن اور ضعیف و مرسل و معضل و معلل و شاذ و منکر و مدلس وغیرہ کی یہ تعریف ہے اور ان میں سے فلاں قابلِ قبول ہے اور فلاں قابلِ قبول نہیں؛ بلکہ قابلِ رد ہے تو ہم ان کو فی حدیث مرفوع بجائے دس کے دہ چند دینے کو تیار ہیں اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قولِ صریح سے ان امور کو ثابت نہ کر سکیں تو پھر وہ ہم کو بتلائیں کہ ''حدیث صحیح'' کے معنی جو کچھ بھی ان کے نزدیک ہیں، انھوں نے کہاں سے اخذ کئے، کتابُ اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تو یقیناً ماخوذ نہیں، پھر کہیں قیاس و اجماع سے تو ماخوذ نہیں، جس سے غیر مقلدین کوسوں دور بھاگتے ہیں، اگر قیاس و اجماع سے ماخوذ ہے تو براہِ کرم یہ بھی بتلا دیں کہ قیاس و اجماع صحابہ کا ہے، یا تابعین کا اور تابعین میں سے فقہاء کا ہے، یا محدثین کا، یا دونوں کا اور یہ کہ فقہاء، یا محدثین کا قیاس و اجماع غیر مقلدوں کے نزدیک اس بارے میں حجت کیوں کر ہو گیا؟ جن کے یہاں تقلیدِ علماء شرک ہے، کیا براہِ عنایت وہ کسی آیت، یا حدیث سے یہ ثابت کریں گے کہ حدیث کی تعریف و تصحیح و تضعیف وغیرہ میں فقہاء، یا محدثین کا قیاس و اجماع حجت ہے اور اس کی تقلید حنفیہ اور غیر مقلدین سب پر فرض ہے اور باقی مسائل میں تقلید حرام اور شرک ہے، جب تک جماعت غیر مقلدین ان سب مسائل کو حدیث ہی سے ثابت نہ کر دیں، اس وقت تک ان کو کسی مسئلہ میں نہ خود حدیث صحیح پیش کرنے کا حق ہے، نہ حنفیہ سے مطالبہ کا حق ہے؛ کیوں کہ جو حدیث وہ پیش کریں گے، ہم کو ان سے اس سوال کا حق ہے کہ اس حدیث کا صحیح ہونا کتاب اللہ سے معلوم ہوا، یا سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے، یا قیاس سے، یا اجماع سے، الیٰ آخر السوالات التی ذکرنا ھا۔

نیز ہم کو یہ بھی سوال کرنے کا حق ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ قبولِ حدیث و ردِ حدیث میں بخاری و مسلم و ترمذی و احمد

وغیرہ کی تقلید تو حجت اور واجب، یا جائز ہو اور فہم معانی حدیث میں حضرت ابوحنیفہ و مالک وشافعی رحمہم اللہ کی تقلید ناجائز وحرام ہو، کما ہو زعم الطائفۃ الغیر المقلدین۔

اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ غیر مقلد مشتہر نے جس قدر حدیثیں اپنی اشتہار میں گیارہ رکعت تراویح کے متعلق درج کی ہیں اور ان کی صحت کا دعویٰ کیا ہے، اس نے اپنے اس دعوے کی صحت پر کوئی دلیل کتاب اللہ، یا سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم نہیں کی، پھر وہ کیوں کر ان کو صحیح کہتا اور ان کے تسلیم کو ہم پر لازم بتاتا ہے اور اگر اقوالِ علماء سے ان کی صحت ثابت کرنے کا مدعی ہے تو وہ ان علماء کا نام لے، جنھوں نے ان کو صحیح کہا ہے اور بتلائے کہ اس معاملہ میں وہ ان کی تقلید کیوں کرنے لگا، نیز ہم کو ان کی تقلید پر کس دلیل سے مجبور کرسکتا ہے۔

اب میں اس کی پیش کردہ احادیث کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں، اس نے سب سے پہلے بخاری ومسلم کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ غیر مقلد کو صلوٰۃ اللیل کی کیفیت وکمیت کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تمام روایات کو دیکھنا چاہیے تھا، جو بخاری ومسلم وسنن اربعہ میں مذکور ہیں، اگر وہ سب روایتوں کو دیکھ لیتا تو ہرگز اس کو دلیل میں پیش کرنے کی جرأت نہ کرتا؛ کیوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی روایت میں تو یہ منقول ہے کہ آپ گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے، نہ رمضان میں، نہ رمضان کے علاوہ اور بعض روایات میں بخاری کی یہ ہے کہ آپ تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے اور بعض روایات مسلم میں یہ ہے کہ آپ وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر بھی پڑھتے تھے تو کل مقدار رکعات پندرہ ہوئیں اور بعض روایات سے سترہ رکعتوں کا ثبوت ہوتا ہے؛ اسی لیے امام قرطبی شارح مسلمؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات میں بہت سے اہلِ علم کو اشکال وخلجان ہے، حتّٰی کہ بعض علماء نے ان کی حدیث کو مضطرب کہا ہے۔ (دیکھو! فتح الباری:۳/۱۷)

قال القرطبی: أشکلت روایات عائشة علٰی کثیر من أهل العلم حتٰی نسب بعضهم حدیثها إلی الاضطراب، آه.

اور جس نے اصولِ حدیث پڑھا ہے، وہ جانتا ہے کہ حدیثِ مضطرب سے استدلال واحتجاج صحیح نہیں، جب تک اضطراب رفع نہ ہو۔ پس اوّل غیر مقلد مشتہر اس حدیث کے اضطراب کو رفع کرے، اس کے بعد اس سے احتجاج کرے اور اضطراب کو رفع کرتے ہوئے یہ بھی سوچ لے کہ حنفیہ پر اس کی بیان کردہ تاویل وتقریر حجت نہ ہوگی، ممکن ہے کہ وہ کسی دوسری تقریر سے اضطراب کو رفع کریں، نیز یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایات سے معلوم

ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اور دنوں سے زیادہ عبادت کرتے تھے، پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ آپ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ ہی رکعتیں پڑھتے ہوں اور یہ احادیث ہم آئندہ بیان کریں گے۔

اس کے بعد اس نے صحیح ابن خزیمہ وابن حبان کے حوالہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو رمضان میں آٹھ رکعت نماز اور وتر پڑھائی، آھ''۔ اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے غیر مقلد کو شرمانا چاہیے؛ کیوں کہ اب تک یہ لوگ تراویح کی جماعت کو سنتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہتے تھے؛ بلکہ الگ الگ تراویح پڑھنے کو سنتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعتِ تراویح کو سنتِ عمریہ کہتے تھے، اب وہ وقت آ گیا کہ غیر مقلدین بھی جماعتِ تراویح کو سنتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم ماننے لگے، صرف عدد میں اختلاف رہ گیا، سو ان شاء اللہ کچھ دنوں میں یہ اختلاف بھی رفع ہو جائے گا۔

اب سنئے کہ اس حدیث سے غیر مقلد نے بیس رکعت تراویح کی نفی پر استدلال کیا ہے، حالاں کہ اس سے بیس کی نفی کسی طرح بھی نہیں ہوئی؛ کیوں کہ ایک عدد کا ثبوت دوسرے کی نفی کو مستلزم نہیں، البتہ اگر غیر مقلد اس بات کو ثابت کر دے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی ہر رات میں تراویح کی جماعت کا اہتمام کرتے تھے اور صحابہ کو عام طور پر اس کی اطلاع تھی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ تراویح کی جماعت میں شروع سے آخر تک شریک تھے تو بیشک اس سے بیس رکعت کی نفی ہو جائے گی، ورنہ یہ احتمال باقی رہے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح آٹھ رکعت سے زیادہ پڑھی ہوگی اور صحابہ کو بوجہ خوف فرضیت کے جمع نہیں کیا اور اس لیے عام طور پر سب کو اطلاع نہیں کی، پھر کیف ما اتفق جس کو جس وقت خبر ملی آ کر شریک ہو گیا، من جملہ ان کے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی تھے، جن کو آٹھ رکعت ملی، اور اس احتمال کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ہوتی ہے، جو بخاری (۱۵۲/۱) میں مذکور ہے:

''أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم صلّى ذات ليلة في المسجد فصلّى بصلاته ناس، ثم صلى القابلة فكثر الناس ثم اجتمعوا من الثالثة، فلم يخرج إليهم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وقال: لم يمنعني من الخروج إليكم إلاّ أني خشيت أن يفرض عليكم. (الحديث)(۱)

اس کے بعد غیر مقلد مشتہر نے امام محمد مروزیؒ کے قیام اللیل سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بلا سند نقل کی ہے کہ ''حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ صحابی رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: یارسول اللہ! آج رات مجھ سے کچھ ہو گیا ہے، فرمایا: بیان کرو، کہا: میرے محلّہ کی عورتوں نے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھ سکتے ہیں، ہم تمہارے پیچھے نماز پڑھیں گے تو میں نے ان کو آٹھ رکعت نماز پڑھائی اور وتر پڑھائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سن کر خاموش ہو گئے'' الخ۔

اس کے متعلق عرض ہے کہ غیر مقلد نے اس حدیث کی سند نقل نہیں کی اور نہ کسی امام کے قول سے اس کی تصحیح بیان کی

(۱) صحيح البخاري: ۱۵۲/۱، انیس

اور بدون اس کے اس کو استدلال کا کیا حق ہے؟ افسوس؛ غیر مقلد ہم سے تو حدیث صحیح ونص صریح کا مطالبہ کرتے ہیں، اور خود مطلق العنان ہوکر احادیث نقل کرتے ہیں، گویا حدیث کے صحیح کرنے کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں ہے کہ جس کو چاہیں گے، صحیح کر دیں گے، پس اول غیر مقلد اس حدیث کی صحت ثابت کرے اور اس کے بعد یہ بتلائے کہ اس سے بیس کی نفی کیوں کر ہوئی، کیا یہ احتمال نہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ نے بارہ رکعت تراویح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے مسجد میں، یا تنہا پڑھ لی ہوں، اس کے بعد گھر پہونچے اور عورتوں کے اصرار پر آٹھ رکعت ان کو پڑھادی ہوں؟

اس کے بعد مشتہر نے موطا امام مالکؒ ومصنف ابن ابی شیبہؒ وسنن سعید بن منصورؒ سے سائب بن یزید کا یہ اثر بیان کیا ہے کہ ''امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب وتمیم داری رضی اللہ عنہما کو فرمایا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں'' الخ۔

سو مشتہر کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ اثر صحیح نہیں ہے، گو راوی سب ثقہ ہیں؛ مگر یہ مضطرب المتن ہے، محمد بن یوسف راوی پر اس میں اختلاف ہوا ہے، مالک اور یحییٰ قطان اور عبدالعزیز بن محمد نے محمد بن یوسف سے گیارہ رکعت روایت کی ہیں اور قیام اللیل مروزی میں محمد بن اسحٰق نے محمد بن یوسف سے تیرہ رکعت روایت کی ہیں اور مصنف عبدالرزاق میں داؤد بن قیس وغیرہ نے انہی محمد بن یوسف کے واسطہ سے سائب بن یزید سے اکیس رکعت بیان کی ہیں۔ (دیکھو فتح الباری :۲۱۹/۴)(۱) اور حافظ ابن عبدالبرؒ نے گیارہ رکعت کی روایت کو راوی کا وہم بتلایا ہے۔ (دیکھو زرقانی شرح موطأ :۲۱۵/۱) اور سائب بن یزید سے محفوظ اور صحیح روایت وہ ہے جس کو مالک اور بیہقی نے یزید بن خصیفہ کے واسطہ سے سائب بن یزید سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیس رکعت (تراویح) اور وتر کے ساتھ قیام رمضان ہوتا تھا۔ (دیکھو التعلیق الحسن :۵۷/۲، اور فتح الباری :۳۱۹/۴) اور اس کے محفوظ اور صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے الفاظ میں راویوں نے اختلاف نہیں کیا، دوسرے اس کے مؤیدات بہت زیادہ ہیں۔

من جملہ ان کے وہ ہے جو مالک نے موطأ میں یزید بن رومان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں لوگ رمضان میں تیئیس رکعت کے ساتھ قیام کرتے تھے، (مراد تراویح ہے) اور ابن ابی شیبہؒ نے اپنے مصنف میں یحیی بن سعیدؒ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے اور ابن ابی شیبہؒ نے عبدالعزیز بن رفیع سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ رمضان میں مدینہ کے لوگوں کو بیس رکعت (تراویح) اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے اور ان تینوں کی سند صحیح ہے، (دیکھو موطأ اور تعلیق حسن) البتہ یہ مؤیدات مرسل ہیں؛ مگر مرسل کے سب راوی ثقہ ہوں تو وہ ہمارے نزدیک مثل موصول کے ہے، اگر غیر مقلد اس کے ضعیف ہونے کا دعویٰ

(۱) عمدة القاری :۲٤٥/۸، انیس

کریں تو کتاب وسنت سے دلیل لائیں، کسی عالم کا قول بیان نہ کریں؛ کیوں کہ کسی عالم کا قول جب خود ان کے اوپر حجت نہیں تو دوسروں پر اس سے حجت قائم کرنے کا ان کو کیا حق ہے، دوسرے اگر وہ دو عالموں کا قول اپنی تائید میں لائیں گے تو ہم دس کا قول اس کے خلاف دکھلا سکتے ہیں۔

مشتہر نے حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ کا قول نقل کیا ہے کہ پہلا عدد گیارہ رکعت کا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے موافق ہے، آھ۔

اس کے متعلق صرف ہم یہ چاہتے ہیں کہ اول مشتہر یہ بتلائے کہ کیا وہ حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ کا مقلد ہے، یا ان کی تقلید کو دوسروں پر واجب سمجھتا ہے۔ دوسرے فتح الباری کی عبارت بعینہ مع حوالہ صفحہ وسطر کے شائع کرے؛ کیوں کہ ہم کو مشتہر کی فہم کا چند مواقع کے مطالعہ سے انداز ہو گیا ہے کہ وہ کچھ کا کچھ سمجھ جاتا ہے، یا مخلوق کو دھوکہ دینا چاہتا ہے، ہم اس کو متنبہ کرتے ہیں کہ یہ قول حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ کا نہیں؛ بلکہ ابن اسحٰق صاحب مغازی کا ہے اور گیارہ کے متعلق نہیں؛ بلکہ تیرہ کے متعلق ہے، اس کے بعد اس نے علامہ جلال الدین سیوطیؒ کے رسائل تسعہ کے حوالہ سے امام مالک علیہ الرحمہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے گیارہ رکعت کو زیادہ محبوب بتلایا ہے اور یہ کہ یہی مقدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی تھی اور فرمایا کہ میں اس کی وجہ نہیں جانتا کہ یہ زیادہ رکعتیں کہاں سے اور کیوں پیدا ہو گئیں، آہ ملخصاً۔

اس کے متعلق بھی ہم سوالات مذکورہ کا اعادہ کر کے یہ کہتے ہیں کہ بالفرض اگر یہ قول امام مالکؒ سے کسی نے نقل بھی کیا ہو تو اس کی سند دیکھنا ضروری ہے، ورنہ امام مالکؒ کی طرف اس کی نسبت جائز نہیں ہو سکتی؛ کیوں کہ مدونہ مالک میں جو سحنون مالکی ثقہ کی روایت ابن القاسم مالکی ثقہ سے ہے اور ابن قاسم بلا واسطہ امام مالکؒ کے شاگرد ہیں، اس کے خلاف یہ مرقوم ہے۔

قال مالک: بعث إلی الأمیر وأراد أن ینقص من قیام رمضان الذی کان یقومه الناس بالمدینة قال ابن القاسم وهو تسعة وثلاثون رکعة ست وثلاثون رکعة والوتر ثلاث قال مالک فنهیته أن ینقص من ذلک شیئًا وقلت له هٰذا ما أدرکت الناس علیه وهٰذا الامر القدیم الذی لم تزل الناس علیه. (۱۹۳/۱)

جس میں صاف تصریح ہے کہ امام مالک کے نزدیک تراویح چھتیس رکعت ہے اور وہ اس سے کم کرنے کو منع کرتے ہیں اور اس کو عملِ قدیم سمجھتے ہیں، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ امام مالک گیارہ رکعت سے زیادہ پر تعجب ظاہر کرتے ہوں اور یوں کہیں کہ میں اس کی وجہ نہیں جانتا کہ یہ زیادہ رکعتیں کہاں سے پیدا ہو گئیں۔

اس کے بعد مدونہ میں نافع اور حضرت عمر بن عبدالعزیز سے چھتیس رکعت کی روایت نقل کی گئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ امام مالکؒ کے پاس عملِ اہلِ مدینہ کے علاوہ روایت بھی گیارہ رکعت سے زیادہ کے ثبوت میں موجود ہے۔

اس کے بعد مشتہر نے علامہ عینی حنفی کی شرح بخاری سے یہ نقل کیا ہے کہ بعض ائمہ کا مذہب گیارہ رکعت تراویح کا ہے، اور اسی کو امام مالک نے اپنے نفس کے لیے پسند فرمایا، الخ۔

اس کے متعلق ہم کو مشتہر کے انصاف کی داد دینا ضروری ہے کہ علامہ عینی حنفی نے جس عدد کو جمہور صحابہ اور جمہور علماء سے نقل کیا تھا اور جس کی تائید میں بہت سے آثار نقل کئے تھے، اس کو تو چھوڑ دیا اور جس قول کو سب سے اخیر میں تضعیف کے صیغہ سے نقل کیا تھا، اس پر زور دینے لگا۔ دوسرے ہم اس کے متعلق بھی تصحیح سند کا مطالبہ کرتے ہیں؛ کیوں کہ امام مالکؒ کا قول مدونہ میں اس کے خلاف مذکور ہے اور مدونہ فقہ مالکی کا فتویٰ معتبر ہے، اس کے مقابلہ میں کوئی روایت امام مالک کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی، اگر امام مالکؒ کے نزدیک گیارہ رکعت مختار ہوتی تو مدونہ میں ضرور اس کا ذکر ہوتا، قاضی ابن رشد نے بھی بدایۃ المجتہد میں امام مالک سے ایک روایت تو بیس رکعت کی جمہور کے موافق نقل کی ہے اور دوسری روایت چھتیس رکعت کی نقل کی ہے، گیارہ کا کوئی ذکر نہیں، پس گیارہ کی روایت امام مالک علیہ الرحمہ سے یقیناً ضعیف ہے۔

اور شیخ ابوبکر بن العربی ائمہ مجتہدین میں سے نہیں ہیں؛ بلکہ خود مقلد ہیں، ان کا قول مقلدین پر حجت ہے اور غیر مقلدین سے حیرت ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ وشافعی و مالک واحمد کی تقلید سے تو عار کرتے ہیں اور ان کے مقلدوں کی تقلید کو تیار ہیں، کہیں حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ کا نام لیتے ہیں، کہیں حافظ ابوبکر بن العربی کا۔

اس کے بعد مشتہر نے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی ما ثبت بالسنۃ اور شرح مشکوٰۃ وغیرہ کے حوالے سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ صحیح روایت وہ ہے، جس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعتیں پڑھیں، جیسا کہ آپ کی قیام اللیل میں عادت تھی اور نقل کیا گیا ہے کہ بعض سلف امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کی خلافت میں گیارہ رکعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت کی نیت سے پڑھتے ہیں، آہ۔

اس عبارت کے نقل کرنے میں مشتہر نے بڑی چالاکی سے کام لیا ہے؛ کیوں کہ اس نے اس قول کو جو شیخ عبدالحق علیہ الرحمہ نے محدثین سے نقل کیا تھا، خود شیخ کا قول بتا کر حنفیہ کو دھوکا دیا ہے کہ دیکھو شیخ عبدالحق حنفی بھی گیارہ رکعت کے قائل ہیں، حالاں کہ شیخ کی عبارت اس طرح ہے:

فعندنا هي عشرون ركعة لما روى البيهقي بإسناد صحيح إلى أن قال وروى ابن عباس أنه صلّى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عشرين ركعة في رمضان وأوتربعدها بثلث لكن المحدثين قالوا: أن هذا لحديث ضعيف والصحيح ماروته عائشة أنه صلّى إحدٰى عشرة ركعة، إلخ.

جس کو ذرا بھی عربی سے مس ہوگا، وہ سمجھ جائے گا کہ گیارہ رکعت کے عدد کو ترجیح شیخ عبدالحق علیہ الرحمہ خود نہیں دے رہے؛ بلکہ محدثین کا قول نقل کر رہے ہیں اور خود شیخ کے نزدیک تو راجح بیس ہی کا عدد ہے، جس کو سب سے اول بیہقی کی

سند صحیح کے حوالہ سے لکھا ہے اور خلاف عمر بن عبدالعزیزؒ میں جن بعض سلف کا فعل بیان کیا جاتا ہے، اس کی کوئی سند نہیں، نہ یہ معلوم کہ یہ بعض سلف کون ہیں؟ کہیں محمد بن اسحٰق صاحب مغازی اور واقدی تو نہیں؟ اور ایسی بے سند بات سے استدلال کرنا غیر مقلد کی ابتداعِ حدیث صحیح کی کافی دلیل ہے، اس کے بعد مشتہر نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا قول مبدأ و معاد سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ مشابہت کرنا چاہیے، اگر چہ بحسب ظاہر کیوں نہ ہوا، الخ۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تو ہر حنفی کا ایمان ہے اور تمام مقلدین خواہ حنفی ہوں، یا شافعی، تراویح کی بیس رکعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سنت کا اتباع کر کے پڑھتے ہیں اور ہم اوپر محدثین ہی کے قول سے بتلا چکے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت جس میں گیارہ کا ذکر ہے، مضطرب ہے اور جب تک اضطراب رفع نہ ہو، اس وقت تک وہ حدیث حجت نہیں۔

اس کے بعد مشتہر نے علامہ ابن ہمام کا قول فتح القدیر سے نقل کیا ہے کہ حاصل احادیث و آثار صحابہ سے از روئے دلیل یہ ہے کہ تراویح سنت گیارہ رکعت مع وتر جماعت ہیں، الخ۔

مشتہر نے علامہ ابن ہمام علیہ الرحمہ کی عبارت میں ایسی کانٹ چھانٹ کی ہے، جس نے اس کی دیانت کی قلعی کھول دی، علامہ ابن ہمام علیہ الرحمہ کی عبارت سے یہ مطلب ہرگز نہیں نکلتا کہ تراویح بیس رکعت سنت نبویہ نہیں؛ بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ بیس رکعت تراویح اور وتر میں سے گیارہ رکعت تو سنت نبویہ ہے اور باقی بارہ رکعتیں سنت خلفائے راشدین ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سنت خلفاء کے اتباع کی بھی دعوت دی ہے، اپنے ارشاد "**علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین**، آه (أخرجه الترمذی وقال حسن صحیح) میں۔

بتلایئے اس کا یہ مطلب کیوں کر نکلا کہ تراویح بیس نہ پڑھنا چاہیے؛ بلکہ گیارہ پڑھنا چاہیے، یا یہ کہ بیس رکعت سنت نہیں؛ بلکہ علامہ تو بیس کو سنت مان کر یہ تفصیل کرتے ہیں کہ ان میں سے گیارہ رکعت سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور باقی سنت خلفاء ہے۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ ان بیس سنتوں میں سے گیارہ بہت زیادہ مؤکد ہیں اور باقی ان کے برابر مؤکد نہیں اور سنن مؤکدہ میں باہم فرق مراتب ہوسکتا ہے، جیسا کہ سنتِ فجر تمام سنن مؤکدہ سے آکد ہے، اگر کسی کے نزدیک علامہ ابن ہمام علیہ الرحمہ کی عبارت کا یہ مطلب نہیں تو ہمارے اوپر غیر مقلدین کی فہم حجت نہیں؛ کیوں کہ علماء حنفیہ کے اقوال کا مطلب وہ ہم سب سے زیادہ نہیں سمجھ سکتے۔

اور بعد تسلیم کے ہم کو یہ بھی کہنے کا حق ہے کہ امام ابن ہمام علیہ الرحمہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ سنتِ نبویہ کو نہیں سمجھ سکتے تو جب امام ابوحنیفہؒ نے بیس رکعات کو سنتِ مؤکدہ فرمایا ہے، ان کے مقابلہ میں ابن ہمام علیہ الرحمہ کا قول کوئی چیز نہیں، حنفیہ نے امام ابوحنیفہ اور صاحبین علیہم الرحمہ کی تقلید کا التزام کیا ہے، ابن ہمام علیہ الرحمہ کی تقلید کا التزام

نہیں کیا۔ پس اگر غیر مقلد کو اقوال علماء بیان کرنے سے حنفیہ پر الزام قائم کرنا مقصود ہے تو وہ امام ابوحنیفہ یا صاحبین علیہم الرحمہ کا کوئی قول پیش کریں، جن میں انھوں نے صرف گیارہ رکعت کو سنت فرمایا ہو اور بیس کو خلاف سنت کہا ہو؛ کیوں کہ اصلی اکابر حنفیہ یہی حضرات ہیں، ان کے مقابلہ میں سب اکابر ومشائخ اصاغر ہیں اور ہم عنقریب احادیث وآثار صحابہ ہی سے بیس رکعات تراویح کی مسنونیت کا ثبوت دینے والے ہیں، ناظرین منتظر رہیں۔

اس کے بعد مشتہر نے البحر الرائق وطحطاوی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ تحقیق ثابت ہوتی ہے تعداد گیارہ رکعات مع وتر صحیح بخاری وصحیح مسلم میں تو اس صورت میں ہمارے مشائخ حنفیہ کے اصول پر از روئے دلیل آٹھ ہی رکعت ہیں، آہ۔

یہاں بھی مشتہر نے دھوکا دیا ہے؛ کیوں کہ البحر الرائق وطحطاوی وغیرہ نے علامہ ابن ہمام علیہ الرحمہ ہی کا قول فتح القدیر سے نقل کیا ہے، خود صاحب بحر وطحطاوی نے اپنی ذاتی رائے بیان نہیں کی، پس اس کو صاحب بحر وطحطاوی کا قول بتا کر نقل کرنا عجیب حرکت ہے، نیز مشتہر نے بحر وطحطاوی کی عبارت کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے، اس کو لازم ہے کہ اصل عبارت پیش کرے اور علامہ ابن ہمام کا مطلب ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، اسی جواب کا یہاں بھی اعادہ کرلیا جائے۔

اس کے مشتہر نے فتح المعین شرح کی ایک عبارت نقل کی ہے، چوں کہ فتح المعین میرے پاس نہیں ہے، اس کے متعلق میں تفصیل کے ساتھ مشتہر کی دیانت کو ظاہر نہیں کرسکتا، ہاں اجمالاً اتنا کہتا ہوں کہ یہ قول شارح کنز کا نہیں ہے؛ بلکہ غالباً اس نے محدثین کا قول نقل کیا ہے اور مشتہر کی عادت ہے کہ وہ ہر منقول کو ناقل کا قول بنا دیتا ہے، جیسا کہ شیخ عبدالحقؒ کی عبارت میں وہ ایسا کر چکا ہے۔

اس کے بعد مشتہر نے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالۂ حق الصریح کے حوالہ سے علامہ قدوری حنفی کا قول نقل کیا ہے کہ تراویح آٹھ رکعت سنت مؤکدہ ہے، اس کے بعد خود مولانا گنگوہیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ گیارہ رکعت تراویح ثابت اور مؤکد تر ہے، الخ۔

سو ہم نے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا رسالہ حق الصریح اب تک نہیں سنا، شاید اس نام کا کوئی رسالہ مشتہر کے گھر بیٹھ کر مولانا نے تصنیف کیا ہو، ہاں ''الرائ النجیح فی عدد رکعات التراویح'' مولانا کا رسالہ ہم نے ضرور دیکھا ہے، اس میں تو ان باتوں میں سے ایک کا بھی پتہ نہیں، جو مشتہر نے نقل کی ہیں، نہ اس میں علامہ قدوری کا قول مذکور ہے، نہ خود مولانا گنگوہی کا یہ قول ہے کہ گیارہ رکعت تراویح ثابت اور مؤکد تر ہیں؛ بلکہ اس میں تو مشتہر کے خلاف مولانا علیہ الرحمہ نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث جس میں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعت سے زیادہ رمضان وغیر رمضان میں نہیں پڑھتے تھے، الخ، تراویح کے متعلق نہیں؛ بلکہ صرف تہجد کے متعلق ہے؛ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں اس سے زیادہ غالب اوقات میں نہ پڑھتے تھے؛ کیوں کہ تہجد میں بھی یہ حدیث کلی

نہیں؛ بلکہ اکثری ہے، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری روایات سے گیارہ پر زیادات اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کی روایات سے اس سے زیادہ رکعات تہجد میں ثابت ہیں۔ (ملاحظہ ہو، ص:۸-۹)

اس کے بعد مشتہر نے سیدی مرشدی مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مدنی کا یہ قول براہین قاطعہ سے نقل کیا ہے کہ سنت مؤکدہ ہونا آٹھ رکعت تراویح کا تو بالاتفاق ہے، انتہی۔ واقعی مشتہر کو عبارت کی قطع و برید اور مبتدا کو خبر سے جدا کر دینا خوب آتا ہے، کیوں نہ ہو، دھوکا دہی کا فن اسی طرح سیکھا جاتا ہے۔ اب سنئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر انوار ساطعہ کے اس قول کو رد کر رہے ہیں کہ وہ تراویح کو جڑ ہی سے بدعت کہہ رہا تھا اور اس نے حضرت عمرؓ کے قول ''**نعم البد عة هذه**'' سے استدلال کیا تھا، اس کے جواب میں مولانا فرماتے ہیں کہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرما چکے ہیں: ''**سننت لكم قيامه الحد يث من قام رمضان إيمانًا و احتساباً**'' اور اس کا فعل بتداعی کر دکھایا تو اب فعل اور مطلق قول سے جس قدر امور صلوٰۃ تراویح کے متعلق ہیں، سب ثابت ہو گئے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اور سنت مؤکدہ ہونا آٹھ رکعت تراویح کا تو باتفاق ہے، اگر خلاف ہے تو بیس میں ہے، الخ؛ یعنی پھر تمہارا اصل تراویح کو بدعت کہنا خلاف اجماع ہے؛ کیوں کہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں، نہ مقلد، نہ غیر مقلد، نہ سنی، نہ وہابی، یہ تم نے تیسری شاخ کہاں سے نکالی کہ تراویح اصل ہی سے بدعت ہے، یہ مطلب تھا مولانا کا، جس پر نہ معلوم غیر مقلد کیوں اچھل رہا ہے، مولانا نے اس میں یہ کہاں فرمایا ہے کہ بیس رکعت کے سنت ہونے میں حنفیہ کو بھی اختلاف ہے؛ بلکہ صرف مؤلف انوار ساطعہ کی حماقت ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اگر کسی فرقہ مبتدعہ کو تراویح کی سنت موکدہ ہونے میں اختلاف ہے تو وہ گیارہ سے زیادہ میں ہے، ورنہ اصل تراویح کو سب کے سب بالاتفاق سنت مانتے ہیں، اس کو کوئی بدعت نہیں کہتا۔

یہ تو مشتہر کے دلائل کا جواب تھا، جس سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ مشتہر اور اس کی جماعت غیر مقلدین کے پاس کوئی دلیل صحیح اور صریح ایسی نہیں جس سے بیس رکعات تراویح کی نفی ہوتی ہو؛ بلکہ جو حدیث مرفوع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اور جو اثر سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے گیارہ رکعت تراویح کے متعلق وہ پیش کرتے ہیں، وہ دونوں مضطرب ہیں اور دلالت معنویہ بھی ان کی صریح نہیں۔

اس کے بعد میں جمہور علماء مجتہدین وفقہاء حنفیہ وغیرہ کے دلائل بیان کرتا ہوں، جن سے بیس رکعت تراویح کا سنت ہونا معلوم ہو گیا۔

(حدیث اول)　**أخرج ابن أبى شيبة فى مصنفه حدثنا يزيد بن هارون قال:أخبرنا أبراهيم بن عثمان عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلى فى رمضان عشرين ركعة والوتر، وأخرجه ابن أبى شيبة فى مسنده والبغوى فى معجمه والطبرانى فى الكبير والبيهقى فى سننه،اه.** (التعليق الحسن: ٥٦/٢)

(ترجمہ: عبداللہ بن عباس (صحابی رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے، اس کو ابن ابی شیبہ و بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔)

اور اس کی سند میں تمام راوی ثقہ ہیں؛ مگر شاید کوئی غیر مقلد ابراھیم بن عثمان کی وجہ سے سند پر کچھ کلام کرے تو اس کو تہذیب التہذیب میں حافظ ابن عدی کا یہ قول دیکھ لینا چاہیے، **لـه أحـاديـث صالحة وهو خير من إبراهيم بن أبي حية،** آہ، اس کی یعنی ابراھیم بن عثمان عمدہ ہیں اور وہ ابراھیم بن ابی حیہ سے بہتر ہے، اب ذرا ابراھیم بن ابی حیہ کو بھی لسان المیز ان میں دیکھ لو تو اس کے متعلق یحی ابن معین امام جرح و تعدیل کا یہ قول ہے: **نـقـل عثـمـان الدارمي عـن يـحـي بـن مـعين أنه قال: شيخ ثقة كبير**، یعنی عثمان دارمی نے یحی ابن معین سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے ابراھیم بن ابی حیہ کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ شیخ ثقہ ہے، بزرگ ہیں، اب بتلاؤ جو شخص ایسے ثقہ شیخ کبیر سے بھی بہتر ہو، وہ کیا کچھ ہوگا، پھر ابراہیم بن عثمان کی عدالت وغیرہ کی تعریف امام یزید بن ہارون محدث حنفی نے کی ہے، جو ابراھیم مذکور کے کاتب و منشی زمانہ قضاء میں رہ چکے ہیں؛ اس لیے ہم اس کو ضعیف ماننے کے لیے تیار نہیں؛ کیوں کہ اس کی تعریف ایک حنفی محدث اور حافظ ابن عدی نے کی ہے، ہمارے لیے تو ایک محدث حنفی کی تعریف ہی راوی کے معتبر ہونے کو کافی تھی، خواہ سارے محدثین اس کو ضعیف کہتے ہوں، چہ جائیکہ اس کے ساتھ ابن عدی جیسا امام جرح و تعدیل مسلم فریقین بھی اس کی احادیث کو عمدہ کہتا ہے تو اب کوئی وجہ نہیں کہ ہم ابراھیم بن عثمان کی حدیث کو ضعیف مانیں اور اگر غیر مقلد اس حدیث کو ضعیف ہونے کا دعوی کرے تو وہ اول حدیث کے ردو قبول کے اصول کتاب وسنت سے بیان کرے، پھر اس حدیث کو ضعیف ثابت کرے اور جو چاہے انعام ہم سے لے لے، بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ کی تقلید نہ کرے؛ کیوں کہ تقلید اس کے نزدیک جائز نہیں اور اگر وہ بخاری و مسلم وغیرہ کی تقلید کر کے ایک حدیث کو ضعیف کہے گا تو یاد رکھے کہ حدیث کے ردو قبول کے اصول وقواعد سے سوال کریں گے کہ تم کتاب وسنت سے اس کا ثبوت دو کہ حدیث کے ردو قبول میں بخاری و مسلم کی تقلید واجب ہے اور ابو حنیفہ کی جائز نہیں۔

نیز غیر مقلد کو معلوم ہونا چاہیے کہ کسی راوی میں کسی محدث کے طعن و جرح سے اگر وہ راوی ضعیف بھی ہو جایا کریں تو خود امام بخاری بھی ضعیف اور ان کی احادیث بھی ضعیف ہو جائیں گی؛ کیوں کہ امام بخاری پر بھی امام محمد بن یحی ذہلی نے جرح کی ہے۔ (دیکھو مقدمہ فتح الباری) نیز بخاری کے بہت سے راویوں پر بعض محدثین نے جرح کیا ہے، جیسا کہ مقدمہ فتح الباری کے مطالعہ سے واضح ہو گیا ہے، پس اگر بعض محدثین کا طعن بوجہ دوسرے محدثین کی توثیق و تعدیل

(۱) وقـال أبـو حامد بن الشرقي سمعت محمد بن يحيى الذهلي يقول: القرآن كلام الله غير مخلوق ومن زعم لـفـظـي بـالـقرآن مخلوق فهو مبتدع ولا يجالس ولا يكلم ومن ذهب بعد هذا إلى محمد بن إسماعيل فاتهموه فإنه لا يحضر مجلسه إلا من كان على مذهبه. (مقدمة فتح البارى، تصانيفه والرواة عنه: ٤٩١/١، دارالمعرفة بيروت، انيس)

کے امام بخاری میں اوران کی احادیث میں مؤثر نہیں ہوسکتا تو ابراھیم بن عثمان میں بھی کسی کا طعن حافظ ابن عدی کی تعدیل اور یزید بن ہارون کی تعریف کے بعد مؤثر نہ ہونا چاہیے، لہذا کسی کا منہ نہیں، جو اس حدیث کو ضعیف کہہ سکے اور اگر علماء حنفیہ میں سے بھی کسی نے بعض محدثین کی تقلید کر کے اس کو ضعیف کہہ دیا ہو تو ان کا قول ہم پر حجت نہیں، کیوں کہ اس وقت اصولی گفتگو ہو رہی ہے، تقلیدی گفتگو نہیں ہے، دوسری حدیث:

قالت عائشة رضی اللّٰه عنها: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يجتهد فی العشر الأواخر مالا يجتهد فی غيره، رواه مسلم فی صحيحه.

(حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں (عبادت کے لیے) زیادہ مشقت کرتے تھے کہ غیر رمضان میں اس قدر مشقت نہ کرتے تھے، اس کو مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔)

وعنها قالت: كان النبی صلى اللّٰه عليه وسلم إذا دخل العشر (الأخير، فتح) **شد مئزره واحى ليله وأيقظ أهله، أخرجه البخاری.** (۱)

(حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا اخیر عشرہ آتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی کمر کس لیتے اور رات بھر جاگتے اور گھر والوں کو جگاتے تھے، اس کو بخاریؒ روایت کیا ہے۔)

وعنها مرفوعاً: كان إذا دخل شهر رمضان شد مئزره ثم لم يأت فراشه حتىٰ ينسلخ، وإسناده حسن، رواه البيهقی فی شعب الإيمان قاله العزيزی فی شرح الجامع الصغير السيوطی.

(حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب رمضان تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمر کس لیتے اور بستر پر نہ لیٹتے تھے، یہاں تک کہ رمضان ختم ہو جاتا، اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (عزیزی)

وعنها مرفوعاً قالت: كان اذادخل رمضان تغير لونه وكثرت صلاته وابتهل فی الدعاء وأشفق لونه، أخرجه البيهقی فی الشعب. (عزيزی)

(حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ جب رمضان داخل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ بدل جاتا، اور آپ کی (نماز پہلے سے) زیادہ ہو جاتی اور دعاء میں زیادہ عاجزی کرنے لگتے اور آپ کا رنگ سرخ ہو جاتا، اس کو بھی بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔)

یہ چار احادیث صاف طور سے اس بات کو بتلاتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی راتوں میں اور راتوں سے زیادہ نماز پڑھتے تھے، گو ان میں بیس رکعات تراویح کا صاف ذکر نہیں؛ مگر یقیناً ان سے اتنا ضرور معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث جو بواسطہ ابو سلمہ کے شیخینؒ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) صحيح البخاری، أبواب العمل فی العشر والأواخر من رمضان: ۳۲۱/۵، انيس

رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، آہ۔اس کا وہ مطلب نہیں جو غیر مقلدوں نے سمجھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی راتوں میں بھی تہجد وغیرہ ملا کر صرف گیارہ ہی رکعت پڑھتے تھے؛ کیوں کہ یہ مطلب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری روایات کے بالکل خلاف ہے؛ بلکہ تمام روایات کو ملا کر اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تہجد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول غالب گیارہ رکعت ہی کا تھا، رمضان میں بھی تہجد کی مقدار اکثر یہی تھی۔باقی یہ کہ تہجد کے علاوہ بھی آپ رمضان کی راتوں میں کچھ نماز نہ پڑھتے تھے، اس سے یہ گیارہ والی روایت ساکت ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری روایات بتلاتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے علاوہ رمضان میں اور نماز بھی پڑھتے تھے، جس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نے صاف طور پر واضح کر دیا کہ آپ رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے، پس یہ چار احادیث بالا جمال حدیث ابن عباس کی مؤید ہیں۔

اور اگر غیر مقلد ہماری اس تقریر کو تسلیم نہ کرے تو ہم کہیں گے کہ اچھا تم کسی دوسری تقریر سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات کا اختلاف رفع کر دو؛ مگر اختلاف رفع کرنے سے پہلے تم کو گیارہ رکعت والی حدیث سے استدلال کا کیا حق تھا؟

عن السائب بن يزيد الصحابي قال: كانوا يقومون علىٰ عهد عمر رضي الله عنه بعشرين وعلىٰ عهد عثمان وعلي رضي الله عنهما مثله، رواه البيهقي بإسناد صحيح.

(سائب بن یزید صحابیؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان وحضرت علی رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بیس رکعات (تراویح) پڑھا کرتے تھے۔)

قال الحافظ ابن عبد البر: وروى الحارث بن عبد الرحمن بن أبي ذباب عن السائب بن يزيد قال: كان القيام علىٰ عهد عمر بثلاث وعشرين ركعة. قال ابن عبد البر: إن هٰذا محمول على والثلاث للوتر، آه. (۱)

(حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ حارث ابن عبدالرحمٰن نے سائب بن یزید سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قیام رمضان (تراویح) تئیس رکعت تھا، حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ تین رکعت وتر کی ہیں۔)

وكيع عن حسن بن صالح عن عمرو بن قيس عن أبي الحسنات عن علي رضي الله عنه أنه أمر رجلاً يصلي بهم رمضان عشرين ركعة، أخرجه في مسنده. (۲)

(حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت (تراویح) پڑھا دیا کریں، اس کو وکیع نے روایت کیا ہے۔)

میں کہتا ہوں کہ اس کی سند حسن ہے۔

(۱-۲)　　عمدة القاري شرح صحيح البخاري: ۸/ ۲۴۵، انیس

أخبرنا يحي بن يحي أخبرنا حفص بن غياث عن الأعمش عن زيد بن وهب قال: كان عبد الله بن مسعود يصلي لنا في شهر رمضان فينصرف وعليه ليل، قال الأعمش: كان يصلي عشرين ركعة ويوتر بثلاث، رواه محمد بن نصر المروزي .(۱)

(زید بن وہب کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رمضان کے مہینہ میں ہم کو نماز پڑھاتے اور ایسے وقت فارغ ہوتے کہ کچھ رات باقی رہتی، اعمش راوی کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیس رکعت اور وتر کی تین رکعت پڑھا کرتے تھے، اس کو محمد بن نصر مروزی نے روایت کیا ہے۔)

میں کہتا ہوں کہ یہ سند صحیح ہے اور تین مرسل آثار ہم اور بیان کر چکے ہیں، جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھے جانے کا ثبوت ہے۔

اب ان سب احادیث کو ملاؤ تو معلوم ہوگا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھنا ثابت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمرؓ وحضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں عام طور پر صحابہ بیس رکعت اور تین وتر پڑھتے تھے اور حضرت علیؓ نے بھی اسی کا حکم دیا ہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی بیس رکعت اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور اس کے خلاف کسی صحابی سے ثابت نہیں اور جو روایت موطا کی گیارہ رکعت کی مشہتر نے بیان کی تھی، ہم کہہ چکے ہیں کہ وہ مضطرب ہے، اس سے استدلال ہرگز صحیح نہیں۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کا یہی قول ہے اور کوفہ والے اور امام شافعیؒ اور اکثر فقہاء اسی کے قائل ہیں اور حضرت ابی بن کعبؓ سے بھی صحیح طور پر یہی ثابت ہے، اور اس کا خلاف صحابہ سے ثابت نہیں۔ (دیکھو! عمدۃ القاری: ۲۴۶/۸)

اور حافظ ابن قدامہ مغنی میں فرماتے ہیں کہ احمد بن حنبل کے نزدیک (جو محدثین کے امام ہیں) تراویح میں بیس رکعت ہی مختار ہیں اور سفیان ثوری و ابوحنیفہ اور شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں، ... ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب سب آدمیوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے جمع کیا ہے تو وہ ان کو بیس رکعت ہی پڑھاتے تھے، ... اس کو ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے اور سائب بن یزید نے بھی ایسے ہی روایت کیا ہے، جو متعدد طرق سے ان سے مروی ہے اور امام مالکؒ نے یزید بن رومان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں صحابہؓ رمضان میں تئیس رکعت سے قیام کیا کرتے، (یعنی تراویح پڑھتے) تھے اور حضرت علیؓ نے بھی ایک شخص کو رمضان میں بیس رکعت پڑھانے کا حکم کیا اور یہ اجماع کے مثل ہے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ جو کچھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا، جس پر ان کے زمانہ میں حضرات صحابہؓ نے اجماع کر لیا ہے، وہی اتباع کے زیادہ لائق ہے، آہ۔ (۱)

(۱) والمختار عند أبي عبد الله رحمه الله فيها عشرون ركعة وبهذا قال الثوري و أبو حنيفة و الشافعي ... ولنا أن عمر رضي الله عنه لما جمع الناس على أبي بن كعب كان يصلي لهم عشرين ركعة ... رواه أبو داود ==

اب غیر مقلد بتلائیں کہ وہ اس اجماع کی مخالفت کر کے کہاں رہیں گے، اخیر میں ہم اتنا اور بتلائے دیتے ہیں کہ حضرات صحابہؓ کے یہ تمام آثار اور ان کا بیس رکعات تراویح پر اجماع و اتفاق کرنا یہ سب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی تائید کر رہا ہے، جو ابن ابی شیبہ نے مرفوعاً ان سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے۔(۱)

اب اس حدیث کے صحیح ہونے میں کچھ شک نہیں؛ کیوں کہ حدیث کی صحت کی یہ بھی دلیل ہے کہ امت نے اس کی تلقی بالقبول کی ہو، قاضی شوکانی نے نیل الاوطار میں منتقیٰ کی پہلی ہی حدیث کی شرح میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے، (۱۵/۱) اور اس سے بڑھ کر تلقی کیا ہوگی کہ خلفاء ثلثہ کے عہد میں صحابہ نے بیس رکعت تراویح پر اجماع و اتفاق کیا اور ان کے بعد سے اب تک تمام امت کا اس پر اتفاق چلا آ رہا ہے، اگر کسی نے بیس پر زیادتی کی ہو تو کی ہو، بیس سے کمی کسی نے نہیں کی، سوائے غیر مقلدوں کے اور ہم ان کے دلائل کا ضعف ہونا اوپر ظاہر کر چکے، پس حدیث مرفوع صحیح بالتلقی وحسن بالسند اور آثار کثیرہ و اجماع صحابہ کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان کو جس کے دل میں خدا کا خوف ہو، یہ حق نہیں کہ وہ بیس رکعات تراویح کا انکار کرے، یا اس کو خلاف سنت کہے اور گیارہ رکعت کا رواج دے، خدا ایسی سستی اور کاہلی سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔(آمین) وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

۱۹/رمضان ۱۳۴۶ھ (امداد الاحکام: ۲/۲۵۱-۲۶۷)

☆ ☆ ☆

== وروا ه السائب بن يزيد وروى عنه من طرق وروى مالک عن يزيد بن رومان قال: كان الناس يقومون فى زمن عمر فى رمضان بثلاث وعشرين ركعة وعن على أنه أمر رجلا يصلى بهم فى رمضان عشرين ركعة وهذا كالإجماع ... لكان ما فعله عمر وأجمع عليه الصحابة فى عصره أولى بالإتباع. (المغنى، حكم صلاة التراويح: ۸۳۳/۱، دارالفكر بيروت،انيس)

(۱) حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ. (مصنف ابن أبى شيبة،من كان يرى القيام فى رمضان،رقم الحديث: ۷۷۷٤،انيس)